گرو رجنیش لیکچرز

اور پھولوں کی بارش ہونے لگی

مترجم: محمد احسن بٹ

گرو رجنیش لیکچرز اور پھولوں کی بارش ہونے لگی مترجم: محمد احسن بٹ

نگارشات

میاں چیمبر، 3 ٹیمپل روڈ، پی او بکس 1854 لاہور، پاکستان

فون: 0092-42-6305241, 6362412

فیکس: 0092-42-6312968

E-mail: nigarshat@yahoo.com

SIGN : (ANGLES) KHAWAJA AFZAL

اور پھولوں کی بارش ہونے لگی

(لیکچرز)

اوشو (گرور جنیش)

ترجمہ محمد احسن بٹ

نگارشات

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: اور پھولوں کی بارش ہونے لگی (لیکچرز)
مصنف: اوشو (گرورجنیش)
ترجمہ: محمد احسن بٹ
ناشر: آصف جاوید
برائے: نگارشات پبلشرز، 24۔مزنگ روڈ، لاہور
Ph:0092-42-37322892 Fax:37354205
مطبع: شاہ محمد پرنٹر، لاہور
کمپوزنگ: عبدالستار 0333-4900629
سال اشاعت: 2013ء
قیمت: -/300 روپے

فہرست

اس کتاب میں (ادارہ) 5

باب:1 بارش گل 7
"انا" کے موضوع پر گرورجنیش کی گل افشانی گفتار

باب:2 گستاخ طالب علم 38
"علم" کے موضوع پر گرورجنیش کی روایت شکن اور منفرد سوچوں سے معمور لیکچر

باب:3 غصہ 71
سب سے اذیت ناک انسانی خامی "غصے" کے حوالے سے گرورجنیش کے
نادر و نایاب تصورات اور نظریات

باب:4 راستہ کون سا ہے؟ 103
محبت، خودشناسی، ترک ذات اور بھروسے جیسے اہم موضوعات پر
گرورجنیش کا انتہائی غیر معمولی افکار سے لبریز اور بصیرت افروز لیکچر

باب:5 کیا وہ مر گیا ہے؟ 135
کائنات کے دو عظیم ترین راز "زندگی اور موت"۔۔۔۔ان دو عمیق ترین
رازوں پر گرورجنیش کا ذہنوں کو الوہی روشنی سے جگمگا دینے والا لیکچر

باب:6 توزان کے پانچ پاؤنڈ 166

مذہب......دنیا کا سب سے سادہ لیکن پیچیدہ موضوع......گرور جنیش نے
اس سادہ پیچیدگی کی کیونکر گرہ کشائی کی ہے......اس لیکچر میں ملاحظہ فرمایئے

باب:7 گونگا' بہرا' اندھا 181

خدا کے ہونے اور اسے سمجھنے کے موضوع پر گرور جنیش کی انتہائی منفرد
گفتگو' انوکھا موضوع' انوکھی آراء

اس کتاب میں

قارئین! یہ کتاب بیسویں صدی کے راسپوٹین' خودساختہ بھگوان' گناہ کے ذریعے نجات کے فلسفہ کے پرچارک اور گذشتہ پانچ دھائیوں کے متنازعہ ترین روحانی پیشوا جیسے القاب سے یاد کئے جانے والے گرور جنیش کا مافی الضمیر ہے۔ یہ گزری صدی کے اس شداد کے خیالات ہیں جس نے جگہ جگہ ''جنت'' تعمیر کر دی تھی۔ یہ اس شخص کے افکار ہیں جسے بھگوان بھی سمجھا جاتا ہے اور شیطان بھی۔ یہ زندگی کی تفہیم کے مثبت و منفی پہلوؤں کی وہ غیر معمولی عکاسی ہے جو آج بھی کہیں قابل پرستش ہے تو کہیں قابل نفرت۔ ''اور پھولوں کی بارش ہونے لگی'' نامی اس کتاب میں گرور جنیش کے وہ لیکچرز یکجا ہیں جو انتہائی غیر معمولی موضوعات پر دیئے گئے۔ آئندہ صفحات میں آپ خدا' محبت' انا' ترک ذات' مذہب' خود پرستی' زندگی اور موت جیسے دقیق اور پیچیدہ موضوعات پر رجنیش کے منفرد اور مدلل خیالات سے آگاہ ہوں گے۔ یہ وہ مستر د نکات نظر ہیں جنہیں اب ایک دنیا دوبارہ توجہ دینے اور پڑھنے کی خواہشمند ہے۔ امید ہے کہ انسان کی ذات سے قدرت کی کائنات تک کا احاطہ کرتی ہوئی یہ تحریر آپ دلچسپی اور پسندیدگی سے پڑھیں گے۔

(ادارہ)

﴿باب نمبر 1﴾

بارشِ گُل

"انا" کے موضوع پر گرورجنیش کی گل افشانئ گفتار

.......انا کے ساتھ تم خود کو ہمیشہ بانجھ محسوس کرتے ہو۔

.......انا ہمیشہ کچھ اور زیادہ کی طلب گار رہتی ہے۔

.......انا کبھی طاقت ور محسوس نہیں کرتی، یہ فقط طاقت کے خواب دیکھا کرتی ہے۔

.......خواب تمہارے اندر کے بانجھ پن کو پوشیدہ رکھنے کی خواہش سے جنم لیتے ہیں لیکن خواب حقیقت کی پردہ پوشی نہیں کر سکتے۔

.......دنیا کی سب سے زیادہ بانجھ شے انا ہے تاہم کوئی شخص بھی اس حقیقت کو مانتا نہیں ہے۔

.......ایک عام آدمی بننے کی کوشش کرو، ایک لا شخص، جس کا کوئی نام نہیں ہو، کوئی شناخت نہیں ہو، کوئی دعویٰ نہیں ہو پھر دیکھو کہ تم کتنے طاقت ور ہو، کس قدر پر مسرت ہو۔

.......جتنا زیادہ تم دیتے ہو، اتنا زیادہ مالا مال ہو جاتے ہو۔ جتنا زیادہ تم بانٹتے ہو، اتنا ہی بڑھتا ہے۔

.... گوتم بدھ کہتے ہیں کہ تمام چیزیں تعلق داری میں وجود رکھتی ہیں۔ وہ وجودی نہیں ہیں، وہ فقط تصورات ہیں اور ہم ان چیزوں کے متعلق کس قدر مضطرب ہیں جو

ہیں ہی نہیں۔

.......تم تنہا ہو، یاد رکھو، معاشرہ فقط تمہارے خارج میں وجود رکھتا ہے، اپنے داخل میں تم تنہا ہو۔

.......اور سچ مطلق ہے، یہ نسبی نہیں ہے۔ سچ کسی شے پر منحصر نہیں ہوتا ہے، یہ تو بس ہے۔ اپنے اندر سچ کو پالو اور تعلق داریوں کے بارے میں فکر مند نہ ہو۔

.......جو بدل جاتا ہے، نسبی ہوتا ہے اور جو ناقابل تغیر ہوتا ہے، مطلق ہوتا ہے۔

.......تمہارے اکثر سنیاسی، نام نہاد ولی، محض لقمان کی حکایت والی لومڑیاں ہیں۔ انہوں نے دنیا کو اس لئے نہیں ٹھکرایا کہ وہ اس کی عبثیت کو پا گئے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ناکام ہو گئے تھے اور یہ ان کی رسائی سے باہر تھی۔

.......حسد کے بغیر مذمت وجود ہی میں نہیں آیا کرتی۔

.......ذہن کی ایک چال یاد رکھو، تم لوگوں کو اس لئے قائل کرتے ہو کہ تم خود کو قائل کرنا چاہتے ہو کیونکہ جب دوسرے قائل محسوس ہونے لگتے ہیں تو تمہیں سب ٹھیک لگتا ہے۔ اگر تم لوگوں کو بتاؤ کہ جنس گناہ ہے اور وہ قائل ہو جاتے ہیں یا رد نہیں کرتے ہیں تو تم خوش ہو جاتے ہو۔ تم نے اپنے آپ کو جو قائل کر لیا ہے۔

سبھوتی گوتم بدھ کا ایک چیلا تھا۔ وہ **خالی پن** کی قوت سے آگاہ نہیں تھا۔

خالی پن ---یعنی یہ کہ کوئی شے اپنے داخلی و خارجی رشتے سے ماسوا وجود نہیں رکھتی۔

ایک روز جب سبھوتی ارتقاع یافتہ **خالی پن** کی کیفیت میں ایک درخت تلے بیٹھا ہوا تھا تو اس کے اردگرد پھول گرنے لگے۔

"ہم **خالی پن** کے حوالے سے تمہارے کلام کی ستائش کر رہے ہیں۔" دیوتاؤں نے سرگوشی میں اس سے کہا۔

"لیکن میں نے تو **خالی پن** کے متعلق کوئی سخن کیا ہی نہیں۔

سبھوتی تحیر کے ساتھ بولا۔ "تم نے **خالی پن** کے حوالے سے کلام نہیں کیا، ہم نے **خالی پن** کو نہیں سنا۔" دیوتاؤں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "یہی تو ہے سچا **خالی پن**۔"

اور سبھوتی پر پھول یوں نچھاور ہونے لگے گویا بارشِ گل ہو رہی ہو۔

ہاں، یہ واقعہ سچ مچ رونما ہوا تھا۔ یہ محض کوئی افسانہ نہیں ہے، یہ تو حقیقت ہے۔ پس اس افسانے کو علامتی طور پر مت لو۔ یہ واقعتاً سچ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی واحد روح بھی مطلق تک رسائی پا لیتی ہے تو کُل ہستی خوشی، مسرت اور راحت محسوس کرتی ہے۔

ہم کُل کا جزو ہیں اور کُل تم سے مختلف نہیں، نہ ہو سکتی ہے۔ ایک ماں کیونکر ایک بچے سے مختلف ہو سکتی ہے۔۔۔ خود اپنے بچے سے؟ یہ سراسر ناممکن ہے۔ جب بچہ پروان چڑھتا ہے تو ماں اس کے ساتھ پروان چڑھتی ہے۔ جب بچہ خوش ہوتا ہے تو ماں بھی اس کے ہمراہ خوش ہوتی ہے۔ جب بچہ ناچتا ہے تو ماں کے اندر کوئی شے رقص کرتی ہے۔ جب بچہ بیمار ہوتا ہے تو ماں بیمار ہوتی ہے۔ جب بچہ دکھی ہوتا ہے تو ماں دکھی ہوتی ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دو نہیں ہوتے ہیں، وہ تو ایک ہوتے ہیں۔ ان کے دل یک آہنگ ہو کر دھڑکتے ہیں۔

کُل تمہاری ماں ہے۔ کُل تم سے مختلف نہیں ہے۔ اس سچائی کو جتنا ممکن ہو اپنے اندر گہرا اترنے دو، کیونکہ فقط یہی جان کاری کہ کُل تمہارے ہمراہ مسرت محسوس کرتی ہے، تمہیں تبدیل کر دے گی۔ تب تم اجنبی نہیں رہو گے، تب تم یہاں پردیسی نہیں رہو گے۔ تب تم ایک بے خانماں آوارہ نہیں رہو گے۔ تب یہ ایک گھر بن جائے گی۔ اور کُل تمہاری ماں ہو گی، تمہاری دیکھ ریکھ کرے گی، تم سے محبت کرے گی۔ لہٰذا یہ بالکل فطری ہے کہ جب کوئی شخص بدھ بنتا ہے، جب کوئی شخص مطلق اوج تک رسائی پا لیتا ہے، تو کُل ہستی رقص کرنے لگتی ہے، کُل ہستی گانے لگتی ہے۔ کُل ہستی خوشیاں مناتی ہے۔ یہ عین سچ ہے۔ یہ کوئی فسانہ نہیں، یاد رکھو، وگرنہ تم سارے مفہوم کو گنوا بیٹھو گے۔

پھول برستے ہیں۔۔۔ اور پھر برستے ہی چلے جاتے ہیں۔۔۔ وہ کبھی نہیں تھمتے۔

وہ پھول جو بدھ کے لئے نچھاور ہوئے تھے، ہنوز نچھاور ہو رہے ہیں۔ وہ پھول جو سبھوتی کے لئے نچھاور ہوئے تھے، ابھی تک نچھاور ہو رہے ہیں۔ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے ہو، اس وجہ سے نہیں کہ وہ نچھاور نہیں ہو رہے بلکہ اس وجہ سے کہ تم انہیں دیکھنے کے اہل نہیں ہو۔ ہستی ان تمام بدھاؤں کے لئے لامختتم طور پر خوشیاں مناتی ہے جو کہ

ہو گزرے ہیں، ان سب بدھاؤں کے لئے جو رونما ہو رہے ہیں اور ان سارے بدھاؤں کے لئے جو آئندہ رونما ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہستی کے لئے ماضی، مستقبل اور حال کوئی وجود نہیں رکھتے۔ یہ ایک دوران ہے۔ یہ ابدیت ہے۔ صرف **اب** وجود رکھتا ہے، **لا متناهی اب۔**

بارشِ گل تو ہنوز جاری ہے، تاہم تم اسے دیکھ نہیں سکتے ہو۔ جب تک کہ پھول تمہارے لئے نچھاور نہیں ہوتے، تم انہیں دیکھنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور جب تم نے انہیں ایک دفعہ اپنے لئے نچھاور ہوتا دیکھ لیا تو تم دیکھو گے کہ وہ ہر بدھ، ہر صاحبِ بصیرت روح کے لئے نچھاور ہوتے رہے ہیں۔

پہلی شے: جو کچھ تم پر بیتتی ہے، ہستی کو اس کی پروا ہوتی ہے۔ ہستی تمہارے لئے متواتر دعا کرتی ہے کہ مطلق تم پر رونما ہونا چاہئے۔ درحقیقت تم کچھ نہیں ہو سوائے ایک ہاتھ کے جو ہستی نے مطلق کی طرف پھیلایا ہوا ہے۔ تم کچھ نہیں ہو سوائے ایک لہر کے جو ہستی سے اٹھتی ہے، چاند کو چھونے کے لئے۔ تم کچھ نہیں ہو سوائے ایک کھلتے ہوئے پھول کے تاکہ ہستی تمہارے وسیلے سے خوشبو سے معمور ہو جائے۔

اگر تم اپنے آپ کو ترک کر سکتے ہو تو وہ پھول اس صبح، اس لمحے ہی نچھاور ہو سکتے ہیں۔ دیوتا سدا آمادہ و تیار رہتے ہیں، ان کے ہاتھ ہمیشہ پھولوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ تو بس دیکھتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں۔ جونہی کوئی شخص سبھوتی، **خالی،** بنتا ہے، جونہی کوئی غیاب میں جاتا ہے، یک دم بارشِ گُل شروع ہو جاتی ہے۔

یہ ہے بنیادی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت۔ اس کے بغیر بھروسے کا کوئی امکان نہیں، اس کے بِنا تمہاری سچ تک رسائی کا کوئی امکان نہیں۔ جب تک کُل مدد نہیں کرتی، تمہاری رسائی کا کوئی امکان نہیں۔۔۔ تم کیونکر رسائی پا سکتے ہو؟ اور عمومی طور پر ہمارے ذہن صرف تضادات میں ہی سوچتے ہیں۔ ہم کُل کو ایک دشمن کی طرح تصور کرتے ہیں، ایک دوست کے مانند نہیں، ایک ماں کے جیسی نہیں۔ ہم کُل کے حوالے سے یوں تصور کرتے ہیں گویا کُل ہمیں تباہ و برباد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہم موت کے دروازے سے کُل کا مشاہدہ کرتے ہیں، جنم کے دروازے سے نہیں۔ بظاہر ایسا

دکھائی پڑتا ہے کہ کُل تمہارے خلاف ہے، تم سے لڑ رہی ہے، تمہیں تمہارے اہداف و منازل تک رسائی پانے کی اجازت نہیں دے رہی ہے، تمہیں آسودگی سے ہم کنار نہیں ہونے دے رہی ہے۔ پس تم اس سے مسلسل جنگ آزما ہو۔ اور جتنا تم لڑتے ہو اتنا ہی تمہاری بدگمانی اور مغالطہ سچ ثابت ہوتا ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم لڑتے ہو تو تمہاری اپنی لڑائی کُل سے منعکس ہونے لگتی ہے۔

یاد رکھو، کُل تو تمہاری دست گیری و امداد کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جب تم لڑ رہے ہوتے ہو تب بھی کُل تمہاری دست گیری کرتی ہے، حتیٰ کہ اس وقت بھی جب تم لڑتے ہو اور حق پر نہیں ہوتے ہو، کُل تمہاری امداد کرتی ہے۔ یہ ہے وہ دوسرا سچ جو تمہیں خوب اچھی طرح جان لینا چاہیے۔ اگر تم نہیں سمجھتے ہو تو تمہارے لئے آئندہ پیش رفت دشوار ہو گی۔ یہاں تک کہ اگر تم کُل سے لڑتے ہو تب بھی کُل تمہاری مدد کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کُل دست گیری و امداد کے علاوہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتی۔ اگر تم غلط روی اختیار کرتے ہو، ہنوز کُل تمہاری حفاظت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر تم غلط حرکت کرتے ہو تو کُل تمہاری ہم قدم ہوتی ہے۔ اگر کوئی بچہ غلطی کا ارتکاب کرنے لگتا ہے تو بھی ماں اس کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر بچہ چور بن گیا ہے اور بیمار ہے تو ماں ہنوز اس کا تحفظ کرتی ہے۔ وہ بچے کو زہر نہیں دے دیتی۔ اگر بچہ کاملاً غلط روی اپنا لے، تو ماں تب بھی اس کے لئے دست بہ دعا رہے گی۔ یہ ہے عیسیٰؑ کی دو بھائیوں والی کہانی کا مفہوم۔

> ایک تو باپ کے ہاتھ سے چلا گیا۔۔۔ نہ صرف کہیں چلا گیا بلکہ کھو گیا۔۔۔ اور اس نے اپنے حصے کا ترکہ ضائع کر دیا اور ایک بھکاری، ایک جواری، ایک شرابی بن گیا۔ دوسرا اپنے باپ کے پاس ہی رہا۔ وہ کاروبار میں ہاتھ بٹاتا، کھیت اور باغوں میں کام کرتا، ورثے میں اضافہ کرتا، ہر طور سے مدد کرتا، غلاموں کی طرح باپ کی خدمت کرتا۔ اور پھر اچانک باپ کو خبر ملی کہ اس کا پہلا بیٹا بھکاری بن گیا ہے، وہ گلیوں میں بھیک مانگتا پھرتا ہے اور

> باپ کا دل اس کے درد سے بھر گیا اور اس کی سب دعائیں اس کے لئے وقف ہو گئیں۔ اس نے پاس والے بیٹے کو مکمل طور پر فراموش کر دیا، اسے تو بس وہی یاد رہا جو کہ دور تھا۔ رات میں اس کے خوابوں میں موجود تھا مگر وہ نہیں جو پاس تھا اور اس کی خدمت انجام دیتا تھا اور جو ہر اعتبار سے بھلا تھا۔
>
> اور پھر ایک دن بھکاری بیٹا واپس آیا اور باپ نے ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ اچھا بیٹا کھیتوں سے گھر واپس آیا تو کسی شخص نے اس سے کہا ''دیکھی اپنے باپ کی ناانصافی! تم اس سے محبت کرتے ہو، تم اس کی دیکھ بھال کرتے ہو، اس کی خدمت کرتے ہو اور تم اس کے ساتھ رہتے ہو، مکمل طور پر اچھے ہو، اخلاقی ہو، اس کی رضا کے خلاف کبھی کچھ نہیں کیا لیکن تمہارے لئے تو کبھی کسی ضیافت کا اہتمام نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ تگڑا بکرا تمہارے آوارہ بھائی کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ وہ تو ایک فقیر کی طرح آیا ہے جبکہ سارا گھر خوشیاں منا رہا ہے!''
>
> اچھے بیٹے کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ سب فضول ہے! وہ غصے سے بھرا ہوا گھر لوٹا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا ''آپ کیا کر رہے ہیں؟ میرے لئے تو کبھی کوئی ضیافت نہیں ہوئی۔۔۔ جبکہ میں تو آپ کی خدمت کرتا رہا اور دوسرے بیٹے نے آپ کے لئے کیا کیا ہے؟ فقط ورثہ ضائع ہی کیا، ہر شے جوئے میں گنوا دی اور اب وہ گھر آیا ہے تو فقیر بن کر!''
>
> باپ نے کہا ''اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بہت پاس ہو اور تم بہت اچھے ہو اور تم بہت خوش ہو، مجھے تمہاری فکر کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تاہم وہ جو انجانی سمت چلا گیا تھا۔۔۔ میری دعائیں اس کا تعاقب کرتی ہیں اور میری محبت اس کے پیچھے پیچھے

رہتی ہے۔''

اور عیسیٰؑ اپنے شاگردوں کو یہ کہانی بار بار سنایا کرتے تھے کیونکہ جیسا کہ انہوں نے کہا:

'' خدا ولیوں کو فراموش کر سکتا ہے، انہیں یاد کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، تاہم خدا گناہ گاروں کو نہیں بھول سکتا''۔

اگر وہ ایک باپ ہے۔۔۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں وہ باپ نہیں ہے، وہ ایک ماں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندو اسے ماتا کہتے ہیں۔۔۔ بھگوان ماں ہے، مامتا ہے اور عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چرواہا گھر لوٹ رہا ہو اور اس کی ایک بھیڑ گم ہو جائے تو وہ ساری بھیڑوں کو جنگل میں، تاریک رات میں چھوڑ کر کھوئی ہوئی بھیڑ کو ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوتا ہے اور جب کھوئی ہوئی بھیڑ مل جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیتا ہے اور بے حد خوشی مناتا ہے اور گھر کو ایک بے پناہ احساسِ مسرت کے ساتھ واپس آتا ہے کیونکہ جو کھوگئی تھی، مل گئی ہوتی ہے۔ جب کبھی ایسا واقعہ رونما ہوتا ہے۔۔۔ ہم سب کھوئی ہوئی بھیڑیں ہیں۔۔۔ جب کبھی کوئی ایک بھیڑ دوبارہ مل جاتی ہے، چرواہا خوشیاں مناتا ہے، پھولوں کی برسات شروع ہو جاتی ہے۔

مشرق میں دیویاں، دیوتا اشخاص نہیں ہیں، وہ فطری طاقتیں ہیں، ہر چیز کو شخصیت عطا کر دی گئی ہے صرف اسے ایک دل، ایک دھڑکن عطا کرنے کے لئے۔۔۔ صرف اس کو مزید محتاط بنانے کے لئے۔ پس ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروکاروں نے تمام فطری طاقتوں کو دیوتا بنا لیا ہے اور وہ حق پر ہیں! جب سبھوتی نے **خالی پن** کو پا لیا، دیوتاؤں نے برسات شروع کر دی۔

اور معانی بہت خوبصورت ہیں۔ سورج ہندوؤں اور بدھوں کے لئے دیوتا ہے، آسمان ایک دیوتا ہے، ہر درخت کا اپنا ایک دیوتا یا دیوی ہے۔ ہوا دیوتا ہے، زمین دیوتا ہے۔۔۔ ہر چیز ایک دل رکھتی ہے۔۔۔ یہ ہے معنی۔ ہر چیز محسوس کرتی ہے۔۔۔ یہ ہے معنی۔ تمہارے لئے کوئی شے غیر متعلق نہیں ہے۔۔۔ یہ ہے معنی۔ اور جب تم پا لیتے ہو تو ہر چیز خوشیاں مناتی ہے۔ تب سورج ایک مختلف انداز سے چمکتا ہے، کیفیت ہی

بدل جاتی ہے۔

جو لوگ جان کاری نہیں رکھتے ہیں ان کے لئے ہر شے ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے۔ سورج پرانے انداز ہی سے چمکتا ہے، کیونکہ کیفیت کی تبدیلی بہت نفیس و نازک ہوتی ہے اور صرف وہی جو **خالی** ہوتا ہے، اسے محسوس کر سکتا ہے۔ یہ ''خام'' نہیں ہے، انا اس کو محسوس نہیں کر سکتی ہے، انا کا دائرۂ عمل ''خام'' ہے۔ **نفیس** صرف اس وقت محسوس ہو سکتا ہے جب انا معدوم ہو چکی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس قدر نفیس ہے کہ اگر ''تم'' وہاں موجود ہو گے تو اسے گنوا بیٹھو گے۔ تمہاری موجودگی، تمہارا ہونا بھی کافی گڑبڑ پیدا کرتا ہے۔

جب کوئی فرد مکمل طور پر **خالی** ہوتا ہے تو سورج کی کیفیت فوری طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ اس کے لئے استقبالیہ شاعری ہوتی ہے۔ اس کی حرارت صرف حرارت ہی نہیں ہوتی جبکہ یہ ایک محبت میں۔۔۔ ایک محبت بھری حرارت میں ڈھل جاتی ہے۔ ہوا مختلف ہو جاتی ہے، وہ تمہارے اردگرد رقص کرنے لگتی ہے، وہ تمہیں زیادہ محبت کے ساتھ چھونے لگتی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے گویا اس کے بھی ہاتھ ہوں۔ اس کا لمس بالکل ہی مختلف ہوتا ہے، اب اس لمس میں حساسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب پھول درخت سے یوں آتے ہیں گویا وہ چھلانگ مار رہے ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ جب کبھی گوتم بدھ کسی جنگل سے گزرتے تھے تو درختوں پر پھول کھلنے لگتے تھے حالانکہ وہ پھول کھلنے کا موسم بھی نہیں ہوتا تھا۔ ایسا تو ہونا ہی تھا! آدمی تو گوتم بدھ کو پہچاننے میں غلطی کر سکتے ہیں لیکن درخت کیسے غلطی کر سکتے ہیں؟ آدمی دماغ کا حامل ہوتا ہے اور دماغ سے فروگذاشت ہو سکتی ہے، لیکن درخت کیسے فروگذاشت کر سکتے ہیں؟ وہ کوئی دماغ جیسی چیز نہیں رکھتے اور جب گوتم بدھ جنگل سے گزرتے ہیں، درختوں پر شگوفے چٹکنے لگتے ہیں۔ یہ بالکل فطری ہے، ایسا ہونا ہی ہوتا ہے! یہ کوئی معجزہ نہیں ہے۔ تاہم تم ان پھولوں کو دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پھول طبعی نہیں ہوتے ہیں۔ وہ پھول تو درختوں کے محسوسات ہوتے ہیں۔ جب گوتم بدھ گزرتے ہیں تو درخت ایک مختلف انداز سے جھومنے لگتے ہیں، ایک مختلف انداز

سے بہکنے لگتے ہیں۔ یہ ہے معنی! کُل تمہاری نگہداشت کرتی ہے، کُل تمہاری ماں ہے۔

اب اس سب سے بہترین حکایت کو سمجھنے کی کوشش کرو، سبھوتی گوتم بدھ کے شاگردوں میں سے ایک تھا۔

گوتم بدھ کے ہزاروں شاگرد تھے۔ سبھوتی تو بس ان میں سے ایک تھا۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سبھوتی ایک اتنا عام سا شخص تھا کہ اس کے بارے میں کوئی شخص بھی کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا۔ یہ ہے اس کی رام کہانی۔ وہاں بڑے بڑے شاگرد تھے، مشہور و نامور۔۔۔۔ عظیم عالم اور شہزادے۔ وہ بڑی سلطنتوں کے مالک تھے اور جب وہ ان سلطنتوں کو چھوڑتے اور ان سے دست برداری کا اعلان کرتے اور گوتم بدھ کے شاگرد بن جاتے تھے تو ہر طرف ان کے چرچے ہو جاتے تھے۔ لیکن پھول ان پر نہیں برسے۔ پھولوں نے اس سبھوتی کو منتخب کیا جو دوسرے شاگردوں میں محض ایک شاگرد تھا۔ اس میں کوئی خاص بات تھی ہی نہیں۔

محض اس وقت ہی پھولوں کی بارش ہوا کرتی ہے۔ دوسری صورت میں تم گوتم بدھ کے گرد خاص تو ہو سکتے ہو۔۔۔ جبکہ تم گنوا بیٹھتے ہو! تم گوتم بدھ سے قریب ہونے پر غرور بھی کر سکتے ہو، انادار بھی بن سکتے ہو" میں کوئی عام شاگرد نہیں ہوں، میں تو خاص الخاص بندہ ہوں۔ میں گوتم بدھ کا جانشین ہوں۔ دوسرے تو محض عام سے ہیں، ایک ہجوم، ایک بھیڑ۔ لیکن میں ایک ہجوم نہیں، ایک بھیڑ نہیں ہوں، میرا ایک نام ہے، میرا اپنا تشخص ہے، پہچان ہے، یہاں تک کہ گوتم بدھ کے ہاں آنے سے پہلے بھی میں ایک شخص تھا۔"۔۔۔ اور وہ محض ایک شخص ہی رہ جاتے ہیں۔

ساری بوتا گوتم بدھ کے پاس آیا۔ جب وہ آیا تو اس کے اپنے شاگردوں کی تعداد پانچ سو تھی۔ وہ ایک گرو تھا، حقیقتاً ایک صاحبِ بصیرت گرو، جو جانتا کچھ نہیں تھا اور ہنوز محسوس کرتا تھا کہ وہ جانتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک عظیم عالم تھا۔ اس نے سبھی صحائف پڑھے ہوئے تھے۔ وہ پیدائشی برہمن تھا اور بے حد ذہین و باصلاحیت تھا۔ وہ ایک نابغہ (جینیئس) تھا۔ اپنے بچپن ہی سے وہ اپنی یادداشت کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔۔۔ اسے ہر شے یاد ہو جایا کرتی تھی۔ بس ایک ہی مرتبہ اسے صحیفہ پڑھنا پڑتا اور

وہ سارے کا سارا اسے حفظ ہو جاتا تھا۔ وہ سارے ملک میں مشہور ہو گیا۔ جب وہ گوتم بدھ کے پاس آیا تو **کوئی شخص** تھا۔ یہی **کوئی شخص پن** رکاوٹ بن جاتا ہے۔

(یہ دیوتا تو ظاہری طور پر غیر منطقی سے دکھائی پڑتے ہیں)۔۔۔ انہوں نے شاگرد کس کو چنا۔۔۔ سبھوتی کو، جو محض ہجوم کا ایک جزو تھا۔ اس کے متعلق کچھ بھی تو خاص نہیں تھا۔ یہ دیوتا تو کچھ خبطی سے لگتے ہیں! انہیں تو ساری پوتا کو منتخب کرنا چاہئے تھا۔ وہ ہی تو انتخاب کے لائق تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو منتخب نہیں کیا۔ انہوں نے آنند کو منتخب نہیں کیا، جو گوتم بدھ کا رشتے کا بھائی تھا۔ متواتر چالیس سال سے گوتم بدھ کا سایا بنا ہوا تھا، ایک لمحے کے لئے بھی کبھی گوتم بدھ سے جدا نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک ہی کمرے میں سویا کرتے تھے۔ وہ گوتم بدھ کے ساتھ ساتھ چلتا پھرتا تھا، ہمیشہ اس کے ہمراہ۔ وہ سب سے زیادہ مشہور شخص تھا۔ گوتم بدھ نے جتنی حکایات بھی سنائی ہیں وہ سب اسے مخاطب کر کے ہی سنائی ہیں۔ وہ کہتے "آنند!" اور "آنند!" اور "آنند!"۔۔۔ وہ اس کا نام مسلسل و متواتر دہرائے چلے جاتے تھے لیکن یہ دیوتا تو خبطی نکلے، انہوں نے سبھوتی کو منتخب کر لیا۔۔۔ ایک **لا شخص ‹نوباڈی›** کو!

(یاد رکھو، صرف **لا شخص ‹نوباڈیز›** ہی منتخب ہوا کرتے ہیں۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم اس دنیا میں **کوئی شخص ‹سم باڈی›** ہو تو دنیائے دگر میں **لاشخص ‹نو باڈی›** ہوتے ہو) اقدار مختلف بناتی ہیں۔ یہاں ناپختہ و خام اشیا قابلِ قدر ہوتی ہے، وہاں نفیس و نازک اشیا کی قدر ہوا کرتی ہے۔ اور نفیس ترین، سب سے نازک تو **نہ ہونا** ہے۔ سبھوتی ہجوم میں رہتا تھا۔۔۔ کوئی شخص بھی اس کا نام نہیں جانتا تھا۔۔۔ اور جب یہ خبر آئی کہ سبھوتی پر پھولوں کی بارش ہوئی ہے تو ہر شخص حیرت زدہ رہ گیا۔ "کون ہے یہ سبھوتی؟ ہم نے تو کبھی اس کے بارے میں کچھ سنا نہیں۔ کیا ایسا کچھ حادثاتی طور پر ہو گیا ہے؟ کیا دیوتاؤں نے غلطی سے اسے چن لیا ہے؟"۔۔۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں بہت سے ایسے تھے جو نظامِ مراتب میں بہت اوپر تھے۔ سبھوتی کو تو سب سے آخر میں ہونا چاہیے تھا۔ بس یہ ہے سبھوتی کی رام کتھا۔

اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ جب تم کسی مہان گرو کے قرب میں ہو تو ایک **لا شخص** بن جاؤ۔ دیوتا تو خبطی ہوتے ہیں، اگر تم **نہیں ہو** تو دیوتا تمہیں منتخب کر لیں گے اور اگر تم کچھ **ہونے** کی کوشش کرتے ہو تو جس قدر تم **کوئی شخص** بننے میں کامیاب ہوتے جاؤ گے اس قدر ہی تم گنواتے چلے جاؤ گے۔ یہی کچھ تو ہم دنیا میں کر رہے ہیں اور یہی کچھ ہم گوتم بدھ کے قرب میں بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں، تم دولت کی تمنا میں مرے جاتے ہو، کیوں؟ ۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دولت کے وسیلے سے تم **کوئی شخص** بن جاتے ہو۔ تم شان و شوکت اور قوت و اقتدار کے شدید آرزو مند ہو۔ کیوں؟ ۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت و اقتدار اور شان و شوکت کے ذریعے تم ایک عام آدمی نہیں رہتے ہو۔ تم سیکھنے کے، علم حاصل کرنے کے، آگاہی کے شدید تمنائی ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ علم کے ذریعے تمہیں فخر و غرور کرنے کو کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

لیکن دیوتا تمہیں اس طرح سے منتخب نہیں کریں گے۔ ان کے انتخاب کا اپنا طریقہ ہے۔ اگر تم خود بہت زیادہ اپنی ستائش میں رطب اللسان ہو تو دیوتاؤں کو تم پر پھولوں کی بارش کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔۔۔ تم تو خود ہی اپنے اوپر پھول نچھاور کر رہے ہو، تم پر پھولوں کی برسات کی ضرورت ہی نہیں۔ جب تم کسی شے پر غرور کرنا ترک کر دیتے ہو تو دفعتاً کُل کی کُل ہستی تم پر فخر کرنا شروع کر دیتی ہے۔ عیسیٰؑ کہتے ہیں:

> ''جو لوگ اس دنیا میں پہلے نمبر پر ہیں وہ میرے خدا کی سلطنت میں آخری نمبر پر ہوں گے، اور جو آخری ہوں گے، وہ پہلے درجے پر ہوں گے۔''

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شہر میں ایک امیر آدمی اور ایک فقیر ایک ہی دن فوت ہو گئے۔ فقیر کا نام لازارس تھا۔ امیر آدمی کو سیدھا دوزخ میں بھیج دیا گیا اور لازارس کو بھگوان کے قرب میں نشست عطا ہوئی۔ اور وہ امیر آدمی چلاتا رہا ''ایسا لگتا ہے کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ مجھے وہاں ہونا چاہئے اور اس فقیر لازارس کو یہاں ہونا چاہیے۔''

بھگوان ہنس دیا اور بولا: ''جو آخری ہیں وہ پہلے ہوں گے، اور جو پہلے ہیں وہ آخری ہوں گے۔ تم پہلے ہونے کا بہت لطف اٹھا چکے ہو، اب لازارس کو تو کچھ لطف اٹھانے دو''

امیر آدمی بہت تپ گیا۔۔۔ حقیقت ہے دوزخ میں تو ایئر کنڈیشنر نہیں ہو سکتا۔ اسے بہت پیاس محسوس ہونے لگی اور وہاں کہیں پانی نہیں تھا۔ لہٰذا وہ دوبارہ چلانے لگا اور بولا: ''بھگوان! براہِ مہربانی کم از کم لازارس کو تھوڑا سا پانی دے کر یہاں بھیج دو، مجھے بہت پیاس لگ رہی ہے۔''

اور بھگوان نے کہا: ''لازارس کو بہت مرتبہ پیاس لگی تھی، تمہارے در پر تو وہ موت کی دہلیز پر پہنچ گیا تھا اور تم نے اسے کوئی بھی شے نہیں دی تھی۔ وہ بھوک سے تمہارے دروازے پر برلبِ مرگ تھا اور وہاں تو ہر روز کوئی نہ کوئی ضیافت برپا رہتی تھی اور بہت سے لوگ مدعو ہوا کرتے تھے، لیکن ہمیشہ اس کو تمہارے ملازموں نے تمہارے در سے دھتکار کر بھگا دیا کیونکہ مہمان، قوت و اقتدار والے مہمان، سیاست دان، سفارت کار، امراء آ رہے تھے اور ایک فقیر وہاں کھڑا ہوا بہت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ تمہارے ملازموں نے اس کو دھتکار کر بھگا دیا اور وہ بھوکا تھا، اور وہ لوگ جنہیں مدعو کیا گیا تھا بھوکے نہیں تھے۔ تم نے کبھی لازارس پر نگاہ نہیں ڈالی۔ اب تو یہ ناممکن ہے۔''

اور بیان کیا گیا ہے کہ لازارس خوب ہنسا تھا۔

یہ کہانی بہت سے عیسائی متصوفین کے لئے غور و فکر کا سامان بن گئی ہے۔ یہ زین کو آن جیسی بن چکی ہے اور خانقاہوں میں عیسائی متصوفین بار بار دریافت کرتے رہے ہیں کہ لازارس آخر کیوں ہنسا؟

وہ اشیا کی لایعنیت پر ہنسا تھا۔ وہ اس امر سے کبھی آگاہ نہیں تھا کہ لازارس جیسا **لا شخص** ۔۔۔ ایک کوڑھی، ایک گداگر کبھی جنت میں داخل ہو گا۔ اسے کبھی اس امر کا یقین نہیں تھا کہ ایسا کچھ واقع ہو گا۔ اور وہ کبھی دوسری شے کا یقین نہیں کر سکتا تھا ۔۔۔ کہ امیر آدمی، گاؤں کا سب سے امیر آدمی، دوزخ میں جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہنس پڑا۔

اور لازارس ہنوز ہنس رہا ہے۔ اور وہ تب بھی ہنسے گا۔ جب تم موت کو گلے لگاؤ گے، اگر تم **کوئی شخص** ہو تو وہ ہنسے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تم دھتکار دیئے جاؤ گے۔ اگر تم **لا شخص** ہو، محض عام آدمی ہو تو بھی وہ ہنسے گا کیونکہ تمہیں پذیرائی جو ملے گی۔

(اس دنیا میں چونکہ انا موجود ہوتی ہے لہٰذا تمام تر قدر بندی انا کے حساب سے ہوتی ہے۔ دوسری دنیا میں، دوسری جہت میں قدر بندی کا تعلق لا انائیت سے ہوتا ہے ---لہٰذا گوتم بدھ کا اصرار لا انائی میں ہے)--انہوں نے کہا: ''اتنا بھی یقین مت کرو کہ میں ایک روح ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح تم ایک نفیس انا میں ڈھل سکتے ہو، یوں مت کہو: ہم برہمسامی--- میں برہما ہوں، میں ذاتِ مطلق ہوں، ایسا مت کہو، اس لئے کہ میں بہت چال باز ہے، یہ تمہیں فریب دے سکتی ہے۔ یہ تمہیں کئی جنموں تک دھوکا دے سکتی ہے۔ یہ تمہیں دھوکا دیتی رہتی ہے۔/بس یہ کہو: 'میں نہیں ہوں۔ اور اس نفیت میں رہو، اس لاشیئیت میں رہو--- ذات سے، انا سے خالی ہو جاؤ۔)' کوئی فرد ذات سے چھٹکارہ پا سکتا ہے۔ جب ایک مرتبہ ذات کو پرے کر دیا جاتا ہے تو کچھ بھی کم نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ تم چھلکنے لگتے ہو اور پھول تم پر نچھاور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

سبھوتی گوتم بدھ کے چند شاگردوں میں سے ایک تھا۔

یاد رکھو، بہت میں سے ایک۔

وہ خالی پن کی قوت کو سمجھنے کا اہل تھا۔

وہ تو بہت سوں میں سے محض ایک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ **خالی پن** کی قوت کو سمجھنے کا اہل ہوا۔ کوئی شخص بھی اس کے متعلق بات نہیں کرتا تھا، کوئی شخص بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس نے گوتم بدھ کی ہمراہی میں بہت سے سفر کئے تھے۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ بھی موجود ہے۔ اگر وہ مر جاتا تو کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ اگر

وہ فرار ہو جاتا تو کسی کو پتا بھی نہ چلتا کیونکہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ کوئی سبھوتی بھی ہے۔ وہ **لاشخص** ہونے کی حیثیت سے **خالی پن** کی قوت کو جانتا تھا۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ --- کیونکہ جتنا زیادہ وہ ایک بے وجود ہوتا گیا اتنا ہی اسے محسوس ہوا کہ گوتم بدھ اس کے قریب آ رہے ہیں لیکن کوئی شخص بھی آگاہ نہیں تھا، تاہم گوتم بدھ جانتے تھے۔ ہر شخص حیران رہ گیا جب اس پر پھولوں کی بارش ہوئی لیکن گوتم بدھ کے لئے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ جب انہیں آگاہ کیا گیا کہ سبھوتی کے ساتھ کچھ واقعہ ہو گیا ہے تو انہوں نے کہا ''میں منتظر تھا۔ کسی بھی لمحے یہ ہونے والا تھا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو بہت زیادہ مٹا دیا تھا، کسی بھی دن یہ ہونا تھا۔ میرے لئے اس میں کوئی بات انوکھی نہیں ہے۔''

وہ **خالی پن** کی قوت کو سمجھنے کا اہل تھا۔

---**خالی** ہوتے ہوئے! تم **خالی پن** کی قوت سے آگاہ ہی نہیں ہو۔ تم اندر سے کامل غیر موجودگی کی قوت کو نہیں جانتے ہو۔ تم تو بس انا کے افلاس ہی سے آگاہ ہو۔

تاہم سمجھنے کی کوشش کرو۔ انا کے ساتھ کیا کبھی تم نے حقیقت میں خود کو طاقت ور محسوس کیا ہے؟ انا کے ساتھ تم خود کو ہمیشہ بانجھ محسوس کرتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انا کہتی ہے ''اپنی سلطنت کو کچھ اور وسیع کرو تا کہ تم محسوس کر سکو کہ تم طاقت ور ہو، ناں، یہ گھر تو کچھ بھی نہیں، ضرورت ہے ایک اس سے بڑے گھر کی، ناں، اس قدر شہرت تو کچھ بھی نہیں، کچھ مزید ہو''۔ انا ہمیشہ کچھ اور زیادہ کی طلبگار رہتی ہے۔ کیوں؟ اگر یہ طاقت ور ہے تو پھر کیوں مزید کی طلب گار رہتی ہے؟ مزید کی تمنائے بیتاب بتاتی ہے، واضح کرتی ہے کہ انا بانجھ پن محسوس کرتی ہے۔ انا کہتی ہے: ''ناں، دس لاکھ کافی نہیں ہیں، سو لاکھ روپے ہونے چاہئیں۔'' اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ سو لاکھ روپے سے تم دس گنا زیادہ بانجھ ہو جاؤ گے بس۔ اور پھر انا کہے گی: ''ناں، یہ کافی نہیں---'' انا کے لئے کچھ بھی کافی نہیں ہے۔ ہر شے فقط اتنا ہی ثابت کرتی ہے کہ تم بانجھ ہو، بے قوت ہو، جتنی زیادہ قوت تم حاصل کرتے ہو اتنا ہی زیادہ تم خود کو بے قوت محسوس کرتے ہو۔ جتنا زیادہ تم

امیر ہوتے ہو اتنا ہی زیادہ افلاس محسوس کرتے ہو۔ جتنا زیادہ صحت مند تم ہوتے ہو اتنا زیادہ موت سے خائف ہوتے ہو۔ جتنا کم عمر ہوتے ہو، اتنا زیادہ سمجھتے ہو کہ بڑھاپا قریب آ رہا ہے۔ تضاد تو بس کونے میں کھڑا ہے، اور اگر تمہیں ذرا سی بھی جان کاری ہو تو تضاد تمہیں گرفت کرنے ہی کو ہے۔۔۔ تمہاری گردن جکڑنے والا ہے۔ جتنا خوب صورت تم ہوتے ہو تمہیں داخل میں بدصورتی اتنی ہی زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

انا کبھی طاقت ور محسوس نہیں کیا کرتی۔ یہ فقط طاقت کے خواب دیکھا کرتی ہے، یہ طاقت کے بارے سوچتی ہے، یہ طاقت کے بارے استغراق کرتی ہے۔۔۔ لیکن یہ محض خواب ہی ہوتے ہیں اس کے علاوہ اور کچھ بھی تو نہیں۔ اور خواب تمہارے اپنے اندر کے بانجھ پن کو پوشیدہ رکھنے کی خواہش سے جنم لیتے ہیں۔ لیکن خواب حقیقت کی پردہ پوشی نہیں کر سکتے ہیں۔ خواہ تم کچھ بھی کرتے ہو، کسی سوراخ سے حقیقت دوبارہ نمودار ہو جاتی ہے اور سارے خوابوں کو بکھیر دیتی ہے۔

دنیا کی سب سے زیادہ بانجھ شے انا ہے۔ تاہم کوئی شخص بھی اس حقیقت کو مانتا نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مزید کی طلب گار رہتی ہے، یہ تمہیں صورتِ حال کا جائزہ لینے کا موقع بھی نہیں دیتی ہے۔ اس سے پیشتر کہ تم آگاہ ہو، یہ تمہیں کہیں اور آگے اور آگے دھکیل دیتی ہے۔ اس کا ہدف ہمیشہ افق کے قریب ہوتا ہے اور یہ کتنا قریب ہوتا ہے، تم جانتے ہی ہو، شام ہونے تک میں پہنچ جاؤں گا۔

شام کبھی نہیں آتی، افق ہمیشہ یکساں فاصلے پر ہی رہتا ہے۔ افق تو ایک واہمہ، ایک التباس ہے، انا کے سارے اہداف محض واہمہ ہی ہوا کرتے ہیں۔ تاہم وہ امید بندھاتے ہیں اور تم محسوس کرتے ہو: ''کسی نہ کسی دن میں طاقت ور بن جاؤں گا۔'' جبکہ بے قوت، بانجھ، پست ہی رہتے ہو۔ لیکن مستقبل میں، امید میں، خواب میں، تم طاقت ور ہو جاتے ہو۔ تمہیں ضرور اس امر سے آگاہ ہونا چاہئے کہ بہت مرتبہ اپنی کرسی میں بیٹھے بیٹھے، تم دن میں خواب دیکھنے لگتے ہو، تم ساری دنیا کے بادشاہ بن جاتے ہو یا

امریکا کے صدر، اور جلد ہی تم اس سے لطف اندوز ہونے لگتے ہو۔ ہر شخص تمہاری طرف دیکھتا ہے، تم ہر کسی کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہو۔ یہاں تک کہ یہ خواب تمہیں شگفتگی اور سرمستی عطا کرتا ہے۔ اگر تم اس انداز سے خواب دیکھتے ہو تو تم اور ہی طرح چلنے لگتے ہو۔

ہر شخص کے ساتھ ایسا ہی کیونکر ہوتا ہے۔ تمہارا بانجھ پن خواب دیکھتے ہوئے بھی برقرار رہتا ہے۔ تم ہنوز بانجھ ہوتے ہو۔ سچ فقط اس کے برعکس ہے، جب تم تلاش نہیں کرتے ہو، یہ آتا ہے جب تم مانگتے نہیں ہو، یہ عطا ہو جاتا ہے، جب تم تمنا نہیں کرتے ہو، یہ مل جاتا ہے، جب تم افق کی طرف گامزن نہیں ہوتے، دفعتاً تم پر واشگاف ہوتا ہے کہ وہ تو ہمیشہ تمہارے ہمراہ ہی تھا۔۔۔ تم نے اسے کبھی جیا نہیں۔ یہ اندر ہوتا ہے، اور تم اسے باہر ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ یہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور تم اس کے بغیر پھرتے ہو۔ تم اسے اٹھائے ہوئے ہو، سب سے برترین قوت، الوہی ہستی، تمہارے اندر ہے۔ اور تم بھکاری کی طرح ادھر ادھر تلاش کرتے ہوئے سرگرداں ہو۔

وہ ہمیشہ **خالی پن** کی قوت کو سمجھنے کا اہل تھا۔

بس **خالی** رہو، تم جان جاؤ گے۔۔۔ اس کے علاوہ جاننے کا دوسرا راستہ ہی نہیں۔ جو کچھ بھی تم جاننا چاہتے ہو، وہ بن جاؤ، کیونکہ یہی واحد راستہ ہے۔ ایک عام آدمی بننے کی کوشش کرو، ایک **لاشخص**، جس کا کوئی نام نہیں ہو، کوئی شناخت نہیں ہو، کوئی دعویٰ نہیں ہو، دوسروں پر تھوپنے کی کوئی طاقت و اختیار نہیں ہو، غلبہ کی کوئی کوشش نہیں ہو، ملکیت کی کوئی خواہش نہیں ہو، بس ایک لاذات بن جاؤ۔ اس کی کوشش کرو۔۔۔ اور دیکھو کہ تم کتنے طاقت ور ہو جاؤ گے، کس قدر توانائی سے معمور اور چھلکتے ہوئے، اتنے طاقت ور کہ تم اپنی طاقت بانٹ سکتے ہو، اس قدر پرمسرت کہ تم بہت سوں کو، لاکھوں کو اسے دے سکتے ہو۔ اور جتنا زیادہ تم دیتے ہو، اتنا زیادہ تم مالا مال ہو جاتے ہو۔ جتنا زیادہ تم بانٹتے ہو اتنا ہی بڑھتا ہے۔ تم ایک سیلاب میں ڈھل جاتے ہو۔

وہ **خالی پن** کی قوت کو سمجھنے کا اہل تھا۔ بس **لاشخص** ہونے کی حیثیت

میں۔ وہ زاویہء نگاہ کہ کوئی شے وجود نہیں رکھتی سوائے اپنے داخلی و خارجی تعلق داری کے۔

یہ گوتم بدھ کا دریافت کردہ گہراترین مراقبہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر شے تعلق داری میں وجود رکھتی ہے، یہ ایک نسبت ہے، یہ مطلق، ٹھوس شے نہیں۔

مثال کے طور پر، تم غریب ہو، میں امیر ہوں۔ کیا یہ کوئی ٹھوش شے ہے یا نسبی ہے؟ میں کسی اور کے تعلق میں غریب ہوسکتا ہوں، اور تم کسی دوسرے کے تعلق میں امیر ہو سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ایک فقیر بھی دوسرے فقیر سے تعلق میں امیر ہوسکتا ہے، ایسا ہے کہ امیر بھکاری بھی ہیں اور غریب بھکاری بھی۔ ایک امیر آدمی امیر تر آدمی کے مقابلے میں غریب ہے۔ تم غریب ہو۔ کیا تمہاری غربت محض نسبی ہے یا ٹھوس؟ یہ ایک نسبی مظہر (فینومینا) ہے۔ اگر کوئی فرد تعلق کے لئے نہ ہو تو تم کیا ہو گے، ایک غریب آدمی یا امیر؟ غور کرو۔۔۔ دفعتاً ساری انسانیت معدوم ہو جاتی ہے اور تم کرۂ ارض پر تنہا رہ جاتے ہو، تم کیا ہو گے، غریب یا امیر؟ تم صرف تم ہو گے، نہ امیر، نہ غریب۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقابلہ و موازنہ کیونکر ہو؟ مقابلے کے لئے کوئی راک فیلر نہیں ہے، موازنے کے لئے کوئی فقیر نہیں ہے۔ اگر تم تنہا ہو تو کیا تم خوب صورت ہو گے یا بدصورت؟ تم کچھ نہیں ہو گے، تم بس تم ہو گے۔ کسی سے مقابلے کے بغیر تم کیونکر بدصورت یا خوب صورت ہو سکتے ہو؟ ایسا ہی خوب صورتی اور بدصورتی، امارت اور غربت اور سب اشیا کے ساتھ ہے۔ کیا تم عقل مند ہو یا بے وقوف؟ بے وقوف اور عقل مند؟ کچھ بھی نہیں!

پس گوتم بدھ کہتے ہیں یہ تمام چیزیں تعلق داری میں وجود رکھتی ہیں۔ وہ وجودی نہیں ہیں، وہ فقط تصورات ہیں اور ہم ان چیزوں کے بارے میں کس قدر مضطرب ہیں جو ہیں ہی نہیں۔ تم بہت مضطرب ہوتے اگر تم بدصورت ہوتے۔ تم بہت مضطرب ہوتے اگر تم خوب صورت ہوتے۔ اضطراب اور پریشانی اس شے کی وضع کردہ ہے جو ہے ہی نہیں۔

ایک نسبی شے ہوتی نہیں ہے۔ وہ محض تعلق داری ہوتی ہے۔ گویا یا تو آسمان پر

ڈیزائن بناتے ہو، ہوا سے پھول بناتے ہو۔ یہاں تک کہ پانی کا بلبلا بھی نسبی چیزوں کے مقابلے میں زیادہ ٹھوس ہے۔ اگر تم تنہا ہو تو تم کون ہو؟ **لا شخص۔ کوئی شخص پن** کسی شخص سے تعلق داری سے وجود میں آتا ہے۔

اس کا مطلب ہے: بس **لا شخص** ہونا ہی فطری ہے: بس **لا شخص** ہی ہونا ہستی ہے۔

اور تم تنہا ہو، یاد رکھو۔ معاشرہ فقط تمہارے خارج میں وجود رکھتا ہے۔ اپنے داخل میں تم تنہا ہو۔ اپنی آنکھیں بند کرو اور دیکھو آیا تم خوب صورت ہو یا بدصورت، ہر دو تصورات غائب ہو جاتے ہیں، داخل میں نہ کوئی خوب صورتی ہے نہ بدصورتی۔ اپنی آنکھیں بند کرو اور غور کرو کہ تم کون ہو۔ معزز ہو یا غیر معزز؟ با اخلاق ہو یا بے اخلاق؟ نوجوان، بوڑھا، کالا، سفید؟ ایک آقا یا ایک غلام؟ تم کون ہو؟ اپنی آنکھیں بند کرو اور اپنی خلوت میں، تنہائی میں ہر تصور کو ترک کر دو۔ تم کچھ بھی نہیں ہو سکتے۔ تب **خالی پن** ابھرتا ہے۔ تمام تصورات کالعدم ہو جاتے ہیں، صرف تمہاری ہستی برقرار رہتی ہے۔

گوتم بدھ نے جو مراقبے دریافت کئے ہیں یہ ان میں سب سے گہرا ہے، **لا شخص** ہونا۔ اور یہ جبراً نہیں ہوا کرتا ہے۔ تمہیں ایسا کچھ سوچنا نہیں ہے کہ تم **لا شخص** ہو، تمہیں تو اس حقیقت کو جاننا ہے بصورت دیگر تمہارا **لا شخص پن** بہت گراں ہو جائے گا۔ تمہیں ایسا کچھ سوچنا نہیں ہے کہ تم **لا شخص** ہو۔ سادہ سی بات ہے کہ تمہیں بس اس حقیقت کا ادراک کرنا ہے کہ ہر شے نسبی ہے۔ اور سچ مطلق ہے، یہ نسبی نہیں ہے، سچ نسبی نہیں ہے: سچ کسی شے پر منحصر نہیں ہوتا ہے، یہ تو بس ہے۔ پس اپنے اندر سچ کو پالو اور تعلق داریوں کے بارے میں فکر مند نہ ہو۔ وہ مختلف ہوتی ہیں، تعبیریں مختلف ہوتی ہیں اور اگر تعبیریں بدلتی ہیں تو تم بدل جاتے ہو۔

کوئی شے رواج میں ہے۔۔۔ اگر تم اسے استعمال کرتے ہو تو تم ماڈرن ہوتے ہو، تمہاری تعریف ہوتی ہے کوئی شے رواج میں نہیں رہی، اگر تم اس کو استعمال کرتے ہو تمہیں دقیانوسی کہا جاتا ہے۔ تمہاری عزت نہیں کی جاتی۔ پچاس برس پیش تر یہ رواج میں تھا اور تمہیں ماڈرن کہا جا سکتا تھا۔ پچاس برس بعد ہوسکتا ہے یہ دوبارہ رواج میں آ

جائے اور تب تم دوبارہ ماڈرن بن جاؤ گے۔ عین اس وقت تم دقیانوسی ہو۔ تاہم تم ہو کون۔۔۔ بدلتے رواج، بدلتے تصورات، نسبتیں؟

میرے احباب میں سے ایک کمیونسٹ ہے، تاہم وہ ایک بہت امیر آدمی ہے۔ اور وہ کبھی اس تضاد کو محسوس نہیں کرتا۔ وہ ایک بورژوا تھا، آسودہ حال تھا، اپنے ہاتھوں سے کبھی کام نہیں کرتا تھا اس کے کئی ملازم تھے، وہ ایک قدیم شاہی گھرانے سے تھا۔ اور پھر وہ 1940ء میں روس گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے مجھے بتایا ''جہاں کہیں بھی میں گیا' مجھے احساسِ خطا ستانے لگا۔۔۔ کیونکہ جب بھی میں نے کسی سے ہاتھ ملایا تو مجھے فوراً احساس ہوا کہ دوسرے شخص نے محسوس کر لیا ہے کہ میرے ہاتھوں پر محنت کا کوئی نشان نہیں ہے۔ میرے ہاتھ پرولتاری نہیں، بوژروازی ہیں: نرم و ملائم، نسائی اور جلد ہی دوسرے شخص کا چہرا بدل جائے گا۔ اور وہ میرے ہاتھ یوں چھوڑ دے گا گویا یہ اچھوت ہیں''۔ اس نے مجھے بتایا ''ہندوستان میں جہاں کہیں میں کسی سے ہاتھ ملاتا ہوں ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ یہ خوب صورت ہیں، نسائی ہیں، فن کارانہ ہیں۔ روس میں میں اپنے ہاتھوں کے حوالے سے نادم رہا، یہاں تک کہ میں سوچنے لگا کہ کس طرح ان کی نرمی و ملائمت ختم کی جائے کہ کوئی بھی شخص مجھے اس طرح نہ دیکھے جیسے میں استحصال کرنے والا، ایک بورژوا، ایک امیر آدمی ہوں۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں محنت ایک قدر بن چکی ہے، اگر روس میں تم ایک پرولتاریہ ہو تو تم کوئی اہم شخص ہو، اگر تم امیر ہو تو تم ایک گناہ گار انسان ہو۔ کوئی چیز فقط ایک نسبی تصور ہوتی ہے۔

ہندوستان میں ہم بھکشوؤں، سوامیوں، سنیاسیوں کا احترام کرتے ہیں۔ اور چین میں بھی ماؤ سے پہلے ایسا ہی ہوتا تھا۔ ایک آدمی جس نے دنیا کو ٹھکرا دیا وہ سب سے زیادہ معزز تھا اور معاشرہ اس کی دیکھ ریکھ کرتا تھا۔ وہ انسانیت کی سب سے اونچی چوٹی پر تھا۔ اور تب چین میں کمیونزم آیا اور ہزاروں خانقاہوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا گیا اور تمام درویش، ماضی کے تمام قابلِ احترام لوگ گناہ گار ہو گئے۔ انہیں کام کرنا پڑا۔ تم کام کرو گے تو کھانا کھا سکتے ہو اور بھیک مانگنا استحصال کرنا ہے۔ بھیک مانگنا قانوناً ممنوع ہے، اب کوئی شخص بھیک نہیں مانگ سکتا۔

اگر گوتم بدھ چین میں پیدا ہوئے ہوتے؟ اب ان کے لئے بہت دشوار ہو گا۔ انہیں بھیک مانگنے کی اجازت نہ ملتی انہیں ایک استحصال کرنے والا سمجھا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مارکس بھی چین یا روس میں پیدا ہوتا اسے بہت دشواری ہو گی کیونکہ اس نے ساری زندگی برٹش میوزیم میں پڑھنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ کوئی پرولتاریہ نہیں تھا، وہ محنت کش نہیں تھا۔۔۔ اور اس کا دوست اور رفیقِ کار فریڈرک اینگلز ایک بہت امیر آدمی تھا۔ وہ وہاں دیوتاؤں کی طرح پوجے جاتے ہیں۔ لیکن اگر فریڈرک اینگلز سیر کے لئے روس آئے تو اسے کافی مشکل ہو گی۔ اس نے کبھی کام نہیں کیا، اس نے دوسروں کی محنت پر زندگی گزاری اور اس لئے مارکس کی مدد کی، اس کی مدد کے بغیر مارکس نہ تو داس کیپٹل لکھ سکتا اور نہ کمیونسٹ مینی فیسٹو۔

لیکن اب روس میں حالات مختلف ہیں، وہ اب مشکل میں ہو گا، رواج بدل چکا ہے۔ تصورات بدل جاتے ہیں۔ (یاد رکھو کہ جو بدل جاتا ہے، نسبی ہوتا ہے اور جو ناقابلِ تغیر ہوتا ہے، مطلق ہوتا ہے۔۔۔ اور تمہاری ہستی مطلق ہے، یہ نسبت کا جزو نہیں ہے۔) (۔۔۔ یہ زاویہء نگاہ کہ کوئی شے وجود نہیں رکھتی سوائے اپنی داخلی اور خارجی تعلق داری کے اگر تم اس موقف کو اچھی طرح سمجھ جاتے ہو، اس پر خوب غور و فکر کرتے ہو، اس پر دھیان جماتے ہو تو دفعتاً تمہارے اندر اجالا ہو گا اور تم دیکھو گے کہ ہر شے **خالی** ہے۔)

جب، ایک روز، سبھوتی ارتقائی **خالی پن** کی کیفیت میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔۔۔

(ارتقائی **خالی پن** کے الفاظ کو یاد رکھو، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات تمہیں بھی **خالی پن** محسوس ہو گا۔۔۔ لیکن وہ ارتقائی نہیں ہو گا۔ بعض اوقات تم **خالی** محسوس کرو گے، لیکن کیف آور **خالی پن** نہیں۔۔۔ بلکہ افسردگی، ایک منفی **خالی پن** نہ کہ مثبت **خالی پن** - یہ فرق یاد رکھنے والا ہے۔)

ایک منفی **خالی پن** کا مطلب ہے تم ناکامی کے احساس سے دوچار ہو، جان کاری کے نہیں۔ تم نے دنیا میں کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی اور تم اسے حاصل نہیں کر پائے۔ چونکہ تم وہ شے حاصل نہیں کر سکے جس کی تمہیں آرزو تھی اس لئے تم **خالی** محسوس کرنے لگے۔ یہ **خالی پن** منفی ہے۔ یہ تو اداسی ہے، افسردگی ہے، ذہن کی منتشر حالت ہے۔ اگر تم اس طرح سے **خالی** محسوس کرتے ہو تو یاد رکھو تم پر پھولوں کی بارش نہیں ہونے کی۔ تمہارا **خالی پن** حقیقی نہیں ہے، مثبت نہیں ہے۔ ہنوز انا تم پر سبقت لئے ہوئے ہے۔ تم کسی کو پانا چاہتے تھے اور نہیں پا سکے۔ یہ ناکامی ہے، یہ جان کاری نہیں ہے۔

پس یاد رکھو اگر تم کسی ناکامی کے بعد دنیا کو ٹھکراتے ہو تو یہ ترک نہیں ہے، سنیاس نہیں ہے، یہ سچا نہیں ہے، اگر تم جان کاری کے بعد دنیا کو ٹھکراتے ہو تو یہ بالکل مختلف ہو گا۔ تم اسے مایوس کوشش کے بعد نہیں ٹھکراتے، اندر افسردگی کے ساتھ، ناکامی ہر طرف۔ تم اسے خودکشی کی طرح نہیں کرتے ہو، یاد رکھو اگر تمہارا سنیاس ایک خودکشی ہے، تب پھول تم پر نچھاور نہیں ہوں گے۔۔۔ تب تم چھوڑ رہے ہو۔۔۔ تم نے لقمان کی یہ حکایت تو ضرور سن رکھی ہوگی۔۔۔

> ایک لومڑی انگوروں کی ایک بیل کے قریب سے گزری، مگر وہ بہت اونچے تھے۔ اس نے انہیں توڑنے کی کوشش کی، چھلانگیں لگائیں مگر انگوروں تک نہ پہنچ سکی۔ تب وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ "یہ کوئی اہم شے نہیں ہیں، یہ نہ تو میٹھے ہیں اور نہ ہی پکے ہوئے ہیں، انگور کھٹے ہیں۔" وہ پہنچ نہیں سکی۔

لیکن ان کے لئے اس حقیقت کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے "میں ناکام ہوں"۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ اعتراف کریں "میں ناکام ہوں، وہ میری پہنچ سے باہر تھے۔" اور کہتی ہے "وہ کوئی قیمتی شے نہیں تھے۔"

> تمہارے بہت سے سنیاسی، نام نہاد ولی، محض لقمان کی حکایت والی لومڑیاں ہیں۔ انہوں نے دنیا کو اس لئے نہیں ٹھکرایا کہ وہ اس کی عبثیت کو پا گئے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ناکام ہو گئے تھے اور یہ ان کی رسائی سے باہر تھی۔۔۔ اور وہ ہنوز غصے سے اور شکوے سے بھرے ہوئے ہیں۔ تم ان سے ملو تو وہ ہنوز مخالف ہی ملیں گے کہیں گے "دولت گندگی ہے، اور ایک خوب صورت عورت کیا ہے؟۔۔۔ کچھ بھی نہیں سوائے ہڈیوں اور خون کے!" وہ کسے قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ وہ اپنے آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ انگور کھٹے اور کڑوے ہیں۔

اگر تم نے دنیا چھوڑ دی ہے تو پھر عورت کے متعلق گفتگو کیوں؟ اور اگر دولت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں تو پھر اس کی باتیں کیوں؟ ایک گہرا تعلق واسطہ ہنوز برقرار ہے۔ تم نے ہنوز ناکامی قبول نہیں کی ہے اور جان کاری طلوع نہیں ہوئی۔

یاد رکھو، جب کبھی تم کسی چیز کے مخالف ہوتے ہو، جان کاری طلوع نہیں ہوئی ہوتی۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جان کاری میں موافقت اور مخالفت دونوں محو ہو جاتی ہیں۔ جان کاری میں تم دنیا کے عدو نہیں رہتے ہو۔ جان کاری میں تم دنیا اور دنیا داروں کی مذمت نہیں کرتے ہو۔ تمہاری مذمت ظاہر کرتی ہے کہ کہیں کوئی زخم ہے، اور تم حسد محسوس کر رہے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حسد کے بغیر مذمت وجود ہی میں نہیں آیا کرتی۔ تم لوگوں کی مذمت اس لئے کرتے ہو کہ کسی جگہ تم لاشعوری طور پر محسوس کرتے ہو کہ وہ مزے کر رہے ہیں جبکہ تم مزے نہیں کر رہے ہو۔ تم کہتے ہو کہ یہ دنیا تو محض خواب ہے، لیکن اگر واقعی یہ دنیا ایک خواب ہے تو پھر اس کے خواب ہونے پر اصرار کیسا؟ کوئی شخص خوابوں پر اصرار نہیں کرتا۔ صبح کے وقت تم بیدار ہوتے ہو اور تم جانتے ہو کہ تمہارا خواب بس خواب تھا۔ ختم ہو گیا۔ تم لوگوں کو بتاتے نہیں پھرتے ہو کہ دنیا خواب ہے۔

ذہن کی ایک چال یاد رکھو: تم لوگوں کو اس لئے قائل کرتے ہو کہ تم خود کو قائل کرنا چاہتے ہو کیونکہ جب دوسرے قائل محسوس ہونے لگتے ہیں تو تمہیں سب ٹھیک لگتا ہے۔ اگر تم لوگوں کو بتاؤ کہ جنس گناہ ہے اور وہ قائل ہو جاتے ہیں یا رد نہیں کرتے ہیں تو تم

خوش ہو جاتے ہو۔ تم نے اپنے آپ کو جو قائل کرلیا ہے۔ دوسروں کی آنکھوں میں دیکھو، تم اپنی ہی ناکامیوں کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔

منفی **خالی** پن بے فائدہ ہے۔ سادہ سی بات ہے یہ کسی شے کی ناموجودگی ہے۔ مثبت **خالی پن**۔ کسی شے کی موجودگی ہوتا ہے، ناموجودگی نہیں، یہی وجہ ہے کہ مثبت **خالی پن** ایک قوت بن جاتا ہے۔ منفی **خالی پن** ذہن کی ایک اداس، افسردہ حالت بن جاتی ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ تم خود کو اندر کے غار میں دھکیل دیتے ہو اور بس۔ ناکامی محسوس کرتے ہوئے، ٹھکرایا ہوئے محسوس کرتے ہوئے، اپنے ہر طرف ایک ناقابلِ عبور دیوار محسوس کرتے ہوئے، بانجھ محسوس کرتے ہوئے، تم ترک کر دیتے ہو، تم مذمت کرنے لگتے ہو۔

لیکن یہ کوئی ارتقاء نہیں ہے، یہ تو تنزل ہے۔ اور اپنی گہرائی میں تم پھول کی طرح کِھل نہیں سکتے، کیونکہ صرف جان کاری ہی پھول کھلاتی ہے، مایوسی اور افسردگی کبھی نہیں اور اگر تم پھول کی طرح نہیں کھلتے ہو تو ہستی تم پر پھولوں کی بارش نہیں کرنے والی۔ سادہ سی بات ہے ہستی تمہارا جواب دیتی ہے، کچھ بھی تم ہوتے ہو، ہستی تمہیں وہی کچھ مزید عطا کر دیتی ہے۔ اگر تمہارے اندر بہت سے پھول کِھل رہے ہیں تو لاکھوں گنا زیادہ پھول تم پر نچھاور ہوں گے۔ اگر تم گہری افسردگی کا شکار ہو تو ہستی اس رخ سے بھی تمہارا ساتھ دیتی ہے۔۔۔ ایک لاکھوں گنا زیادہ افسردگی تم پر وارد ہو گی۔ کچھ بھی تم ہو وہی کچھ تمہارے دروازے پر دستک دے گا۔ جو کچھ بھی تم ہو وہی کچھ تمہیں زیادہ سے زیادہ ملے گا۔

پس محتاط ہو جاؤ اور چوکس ہو جاؤ۔ اور یاد رکھو، ایک ارتقائی **خالی پن** ایک مثبت مظہر ہے۔ جو ناکام نہیں ہے، وہ آسودہ ہو گا۔ اور جب کوئی کبھی مایوسی محسوس نہیں کرتا، خوشی محسوس کرتا ہے تو وہ اس جان کاری کو حاصل کر چکا ہوتا ہے کہ خواب آسودگی عطا نہیں کرتے ہیں۔ وہ خود جان کاری حاصل کر چکا ہے کبھی مایوس اور اداس نہیں ہوتا بلکہ وہ خوش اور مسرور ہوتا ہے۔ جانکاری یہ ہوتی ہے کہ اب میں ناممکن کے لئے کوشش نہیں کروں گا، اب میں عبث کاوش نہیں کروں گا۔ اور ایسا فرد کبھی نہیں کہ مقصدِ آرزو

غلط تھا۔ یہ ہے فرق۔ منفی **خالی پن** میں تم کہتے ہو مقصدِ آرزو غلط تھا، لہٰذا آرزو بدل دو! اگر یہ دولت ہے، پیسہ ہے، طاقت و اقتدار ہے۔۔۔ ترک کر دو اس کو! مقصد بنا لو خدا، نجات، جنت۔۔۔ مقصد کو بدل ڈالو!

اگر **خالی پن** کامل ہے اور ارتقائی اور مثبت ہے تو تم مقصد کو غلط قرار نہیں دو گے، سادہ طور پر تم دیکھتے ہو کہ آرزو عبث ہے، مقاصد درست ہیں، تاہم آرزو عبث ہے، تب تم اپنی آرزو کو ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی طرف نہیں موڑ سکتے ہو، تم خود آرزو ہی کو ترک کر دیتے ہو۔

بے آرزو ہوتے ہوئے تم پھولوں کی طرح کھلتے ہو۔ آرزو مندی میں تم زیادہ سے زیادہ مفلوج اور مردہ ہوتے جاتے ہو۔

ایک روز جب سبھوتی ایک درخت کے تلے **ارتفاعی خالی**
پن کی کیفیت میں بیٹھا ہوا تھا۔۔۔۔

خالی لیکن خوش، **خالی** لیکن بھرا ہوا، **خالی** لیکن کسی کمی کے بغیر، لیکن چھلکتا ہوا، **خالی** لیکن قرار میں، گھر میں۔

پھول اس کے اردگرد گرنے لگے

وہ حیران ہو گیا۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو **لا شخص** تھا۔ وہ کبھی اس کا متوقع نہیں تھا۔ اگر تم توقع کرتے ہو تو وہ کبھی نچھاور نہیں ہوتے، اگر تم توقع نہیں کرتے ہو تو وہ نچھاور ہوتے ہیں۔۔۔ لیکن تب تم متحیر ہو جاتے ہو۔ کیوں؟ سبھوتی نے ضرور سوچا ہو گا کہ کہیں غلطی ہو گئی ہے۔ سبھوتی پر بارشِ گُل، ایک **لا شخص** پر، بے وجود پر، اور وہ بھی تب جب کہ وہ **خالی** ہے؟ نہ تو خدا کے متعلق سوچتا ہو، نہ نجات کے بارے میں سوچتا ہو، نہ مراقبہ کرتے ہوئے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تم مراقبہ کرتے ہو تم **خالی** نہیں ہوتے، تم کچھ کر رہے ہوتے ہو اور اپنی سعی سے بھرے

ہوئے ہوتے ہو۔۔۔ کچھ نہ کرتے ہوئے؟ سھوتی کو ضرور چوکنا ہونا چاہیے تھے کہ کہیں کوئی غلطی ہوگئی ہے، دیوتا خبطی ہو گئے ہیں۔ یہ پھول کیوں اور یہ تو موسم بھی نہیں ہے؟ اس نے ضرور درخت کی طرف دیکھا ہو گا اور ضرور اس نے اپنی طرف دوبارہ دیکھا ہو گا۔ مجھ پر، بارشِ گل ہو رہی ہے؟ وہ اس کا یقین نہیں کر سکتا تھا۔

(یاد رکھو جب کبھی تم پر مطلق وارد ہوتا ہے تم حیران رہ جاتے ہو۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں اس کی توقع جو نہیں ہوتی، یہاں تک کہ تم تو اس کا انتظار بھی نہیں کر رہے ہوتے ہو، تم امید نہیں رکھے ہوئے ہوتے ہو۔ اور وہ لوگ جو توقع کرتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں۔۔۔ یہ ان پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ وہ بہت زیادہ تناؤ کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ کبھی **خالی** نہیں ہوتے ہیں، کبھی پرسکون اور ڈھیلے نہیں ہوتے ہیں)

(کائنات تم پر تب وارد ہوتی ہے جب تم پرسکون ہوتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ تب تم فراہم ہوتے ہو، کھلے ہوتے ہو۔۔۔ سب دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ ہر جگہ سے خدا کو خوش آمدید کہتے ہو۔ لیکن تم پرارتھنا نہیں کرتے ہو اور تم اس سے آنے کا نہیں کہہ رہے ہو، محض ایک **ارتفاعی خالی پن** ہوتا ہے، تم معبد بن جاتے ہو اور وہ آ جاتا ہے)

ارتقائی خالی پن کی کیفیت میں،
اس پر پھولوں کی برسات ہونے لگی۔۔۔
اس نے ہر طرف نظر دوڑائی۔۔۔ کیا ہو رہا ہے!

''ہم تمہیں خالی پن پر تمہارے وعظ کی ستائش دے رہے ہیں۔''
دیوتاؤں نے اس سے سرگوشی کی۔

اس کو اس کا یقین نہیں آیا۔ وہ کبھی اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ وہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ بیش قدر ہے، یا وہ اہل ہے، یا وہ ارتقا پا چکا ہے۔

''ہم تمہیں خالی پن پر تمہارے وعظ کی وجہ سے ستائش کر رہے
ہیں'' دیوتاؤں نے سرگوشی کی

انہیں سرگوشی کرنا ہی تھی۔ انہیں اس سھوتی، متحیر سھوتی کی حیران آنکھوں میں دیکھنا ہی تھا۔ انہوں نے کہا ''ہم تمہاری سراہنا کر رہے ہیں۔ اس قدر حیران مت ہو۔ پرسکون رہو! ہم تو بس **خالی پن** پر تمہارے وعظ کی وجہ سے تمہاری سراہنا کر رہے ہیں۔''

''لیکن میں نے تو **خالی پن** پر بات ہی نہیں کی'' سھوتی نے
کہا۔۔۔ ''میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا!''
''تم نے **خالی پن** کے متعلق کچھ نہیں کہا، ہم نے خالی پن کو
نہیں سنا'' دیوتاؤں نے جواب دیا۔ ''یہی تو ہے **سچا خالی
پن**۔''
اور پھول بارش کی طرح سھوتی پر برسنے لگے۔

سمجھنے کی کوشش کرو۔ انہوں نے کہا ''ہم تمہیں **خالی پن** پر تمہارے وعظ کی وجہ سے سراہ رہے ہیں'' اور اس نے تو کسی بھی شخص سے بات تک نہیں کی تھی، وہاں کوئی تھا بھی نہیں، وہ تو خود سے بھی باتیں نہیں کر رہا تھا کیونکہ وہ تو **خالی** تھا۔ مختصر یہ کہ وہ تو بول بھی نہیں رہا تھا، سادہ سی بات یہ ہے کہ وہ تو بس وہاں تھا۔ اس نے کچھ بھی تو نہیں کیا تھا۔۔۔ اس کے ذہن سے کوئی سوچوں کے بادل نہیں گزر رہے تھے، اس کے دل میں کوئی محسوسات نہیں ابھرے تھے: وہ تو بس یوں تھا گویا نہیں ہے۔ وہ تو بس **خالی** تھا۔
اور دیوتاؤں نے کہا ''ہم تمہیں **خالی پن** پر تمہارے وعظ کی وجہ سے سراہ رہے ہیں۔''

پس وہ زیادہ حیران ہوا اور بولا ''کیا؟ میں نے تو **خالی پن** پر بات نہیں کی، میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہے۔''

وہ بولے ”نہ تو تم بولے اور نہ ہی ہم نے سنا۔ یہی تو ہے **سچا خالی پن**۔“

کیونکہ تم **خالی پن** پر وعظ دے بھی نہیں سکتے ہو، تم تو بس **خالی** ہو سکتے ہو، یہ ہے واحد واعظ۔ ہر شے کے متعلق گفتگو کی جا سکتی ہے، ہر شے کو وعظ کا موضوع بنایا جا سکتا ہے، ہر شے پر بحث کی جا سکتی ہے۔۔۔لیکن **خالی پن** پر نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق کچھ بھی کہنے کی کوشش اسے برباد کر دیتی ہے۔ جس لمحے تم اس پر بات کرتے ہو، یہ وہاں نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ صرف ایک لفظ بھی بہت کافی ہے اور **خالی پن** کھو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ صرف ایک لفظ بھی تمہیں بھر دیتا ہے اور **خالی پن** غائب ہو جاتا ہے۔

نہیں، اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کسی بھی شخص نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا ہے۔ تم تو بس **خالی** ہو سکتے ہو اور یہی وعظ ہے۔ **ہونا** وعظ ہے۔

خالی پن کبھی سوچ کا موضوع نہیں ہو سکتا، سوچ سے ماورا ہونا اس کی فطرت ہے۔ یہی تو اس کا حسن ہے! یہی وجہ ہے کہ ہم تمہیں سراہ رہے ہیں۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص بس **خالی** ہو۔ یہی **سچا خالی پن** ہے“۔۔۔۔اور وہ آگاہ تک نہیں تھا کہ یہی **خالی پن** ہے، کیونکہ اگر تم آگاہ ہوتے ہو تو کوئی اجنبی شے اس میں داخل ہو چکی ہے: تم تقسیم ہو چکے ہو، تم بکھر گئے ہو۔ جب کوئی فرد حقیقتاً **خالی** ہو جاتا ہے تو **خالی پن** کے علاوہ دوسری اور کوئی شے باقی نہیں رہتی، یہاں تک کہ **خالی پن** کی آگاہی بھی۔ اس کا کوئی مشاہدے کرنے والا بھی نہیں ہوتا ہے۔ کوئی فرد کاملاً چوکس ہے، کوئی فرد سو نہیں رہا ہے۔۔۔لیکن اس کا مشاہدہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ سے کہیں آگے کا معاملہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کبھی تم کسی شے کا مشاہدہ کرتے ہو تو اندر کہیں ہلکا سا تناؤ ہوتا ہے، ایک نفیس کوشش، اور تب **خالی پن** کچھ اور ہوتا ہے اور تم کچھ اور ہوتے ہو۔ تم اسے دیکھتے ہو، تم **خالی** ہو، تب **خالی پن** دوبارہ ذہن میں فقط سوچ بن جاتا ہے۔

لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں ”مجھے ایک لمحے کے **خالی پن** کا تجربہ ہوا ہے“۔ اور میں انہیں بتاتا ہوں کہ ”اگر تمہیں اس کا تجربہ ہوا ہے تب اسے بھول

جاؤ، کیونکہ کس نے اس کا تجربہ کیا ہے؟ تجربہ کرنے والا کافی ہے، **کافی** تو رکاوٹ ہے۔ کس نے اس کا تجربہ کیا ہے؟ **خالی پن** کا تجربہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک تجربہ نہیں ہے کیونکہ تجربہ کرنے والا جو کوئی نہیں ہے: تجربہ کرنے والا اور تجربہ ایک ہو جاتے ہیں۔ یہ ہوتا ہے تجربہ کرنا۔

مجھے یہ لفظ وضع کرنے کی اجازت دو: یہ ایک تجربائیت ہے۔ یہ ایک عمل ہے، غیر منقطع۔۔۔ دونوں قطب غائب ہو جاتے ہیں، دونوں کنارے غائب ہو جاتے ہیں، اور صرف دریا بچ رہتا ہے۔ تم نہیں کہہ سکتے ”میں نے تجربہ کیا“ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم وہاں تھے ہی نہیں۔۔۔۔تم کیونکر اس کا تجربہ کر سکتے ہو؟ اور ایک دفعہ تم اس میں داخل ہو جاتے ہو تو تم اسے ماضی کا تجربہ نہیں قرار دے سکتے ہو، تم نہیں کہہ سکتے ہو کہ ”میں نے تجربہ کیا“ کیونکہ اس طرح یہ ایک گزری ہوئی یاد بن جاتا ہے۔

نہیں، **خالی پن** کبھی یاد میں نہیں ڈھل سکتا، کیونکہ **خالی پن** کوئی نشان نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کوئی نقوشِ پا نہیں چھوڑ سکتا۔ **خالی پن** کیونکر یاد ماضی بن سکتا ہے؟ تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ ”میں نے تجربہ کیا“۔ یہ ہمیشہ **اب** میں ہوتا ہے، یہ جاری کیفیت ہے۔ یہ نہ تو ماضی ہے اور نہ مستقبل، یہ ہمیشہ جاری رہنے والا عمل ہے۔ جب تم داخل ہوئے تو بس داخل ہو گئے۔ تم اتنا بھی نہیں کہہ سکتے ”میں نے تجربہ کیا“۔۔۔۔اس وجہ سے سبھوتی اس سب سے غیر آگاہ تھا جو کچھ کہ رونما ہو رہا تھا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ اس کے اور کائنات کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہیں رہا تھا۔ کوئی فرق نہیں، بس حدیں تحلیل ہو گئی تھیں۔ کائنات اس کے اندر پگھل رہی تھی، وہ کائنات میں پگھل رہا تھا: انضمام، پگھلاؤ، یکجانیت۔ اور دیوتاؤں نے کہا ”یہی تو ہے **سچا خالی پن**۔“

اور پھول سبھوتی پر بارش کی طرح گرنے لگے

اس آخری سطر کو بہت احتیاط کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ تم **خالی** ہو، انا فوری طور پر لوٹ آتی ہے۔۔۔۔کیونکہ تم آگاہ ہو جاؤ گے، اور تم محسوس کرو گے کہ کچھ حاصل ہو گیا ہے۔ دفعتاً دیوتا تمہیں آگاہ کریں گے

کہ تم **خالی** ہو۔ لیکن سبھوتی شاذ ہے، غیر معمولی طور پر شاذ۔ یہاں تک اگرچہ دیوتا اس کے اردگرد چلائے، اس کے کانوں میں سرگوشی کی، اور پھول اس پر بارش کی طرح برس رہے تھے، وہ پریشان نہیں ہوا تھا۔ وہ بس خاموش تھا۔ انہوں نے کہا ''تم نے گفتگو کی، تم نے وعظ دیا!'' انہوں نے کہا ''تم نے گفتگو نہیں کی، ہم نے نہیں سنا''۔ یہی **سچا خالی پن** ہے!'' انا یہ نہیں کہتی ہوگی ''سچی خوشی ملی ہے مجھے۔ اب میں بصیرت پا گئی ہوں''۔ بصورتِ دیگر وہ آخری نکتے کو گنوا دے گی اور اگر وہ واپس آئی تو پھولوں کی بارش فوری طور پر رک جائے گی۔ نہیں، اس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور وہ ضرور سوچتا تھا ''یہ دیوتا پاگل ہیں اور یہ پھول خواب ہیں۔۔۔ پریشان مت ہو۔''

خالی پن اتنا خوب صورت تھا کہ اب کوئی شے بھی اتنی خوب صورت نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے ارتفاعی پن میں رہا۔۔۔ اسی وجہ سے سبھوتی کے اوپر پھولوں کی بارش ہوتی رہی۔ اب وہ تھوڑے تھوڑے نہیں برس رہے تھے کہ کبھی کچھ اِدھر اور کبھی کچھ اُدھر بلکہ اب تو وہ بارش کی طرح مسلسل گر رہے تھے۔

یہ ہے سبھوتی کی کُل کہانی، اس کے متعلق کچھ مزید نہیں کہا گیا۔ کہیں اور یہ کہانی دوبارہ بیان نہیں ہوئی۔ لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ پھول مسلسل برس رہے ہیں۔ سبھوتی کسی درخت کے تلے نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ جب کوئی فرد حقیقتاً، کاملاً **خالی** ہوتا ہے تو وہ کائنات میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

لیکن کائنات ہنوز اس کی خوشیاں مناتی ہے۔ پھول مسلسل برس رہے ہیں۔

لیکن تم ان کے متعلق جاننے کے اسی وقت اہل ہو سکتے ہو جب وہ تمہارے لئے برس رہے ہوں۔ جب بھگوان تمہارے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ صرف تبھی تم جانو گے کہ بھگوان یوں ہے، جیسے وہ پہلے کبھی نہیں تھا۔ تمام دلائل عبث ہیں، تمام وعظ بے رس ہیں جب تک کہ بھگوان تمہارے دروازے پر دستک نہیں دیتا۔ جب تک کہ تم پر یہ کچھ وارد نہیں ہوتا، کسی بھی شے کا یقینِ کامل نہیں ہو سکتا۔

میں سبھوتی کے متعلق بات کر رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مجھ پر بیتی ہے اور یہ کوئی استعارہ نہیں ہے، حقیقت ہے۔ قبل ازیں، میں نے سبھوتی کے متعلق سنا تھا تو میں

نے سوچا تھا ''یہ ایک استعارہ ہے۔ خوب صورت، شاعرانہ'' میں نے کبھی ذرا سا بھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا کچھ واقعتاً رونما ہوا ہوگا۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ ایک حقیقی مظہر ہے، **ایک** حقیقی شے جو رونما ہوئی۔

لیکن اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ رونما ہوتا ہے۔ یہ میرے ساتھ ہوا ہے، یہ تمہارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن ایک **ارتفاعی خالی پن** ضروری ہے۔

اور کبھی پریشان مت ہو۔ کبھی مت سوچو کہ تمہارا **منفی خالی پن** کبھی ارتفاعی ہو سکتا ہے۔ تمہارا منفی پن اندھیرے کی مانند ہے، **ارتفاعی خالی پن** روشنی کے مثل ہوتا ہے، یہ ایک طلوع ہوتے ہوئے سورج کی طرح ہوتا ہے۔ **منفی خالی پن** تو موت جیسا ہوتا ہے۔ **ارتفاعی خالی پن** زندگی کے جیسا ہوتا ہے، ابدی زندگی۔ یہ مسرت سے بھرپور ہوتا ہے۔

اس کیفیت کو اپنے اندر گہرے سے گہرا اترنے دو۔ جاؤ اور درختوں تلے بیٹھو۔ صرف بیٹھے رہو، کچھ مت کرو۔ ہر شے رک جاتی ہے! جب تم رک جاتے ہو تو ہر چیز رک جاتی ہے۔ وقت حرکت نہیں کر رہا ہوگا۔ گویا دفعتاً دنیا ایک چوٹی پر پہنچ چکی ہے اور کوئی حرکت باقی نہیں رہی۔ لیکن ذہن میں یہ تصور نہ کرنا ''اب میں **خالی** ہو گیا ہوں۔'' وگرنہ تم گنوا بیٹھو گے۔ اور یہاں تک کہ اگر دیوتا تم پر پھولوں کی بارش بھی کرنے لگیں تو زیادہ توجہ مت دینا۔

اور اب تم کہانی سے آگاہ ہو، مت کہو کہ کیوں؟ سبھوتی کو پوچھنا تھا، تمہیں اس کی ضرورت نہیں۔ اور یہاں تک کہ اگر وہ خود سرگوشی کریں ''ہم نے **سچے خالی پن** کو سنا ہے اور اس پر وعظ کو۔'' تو پریشان مت ہونا، اور تم پر بھی بارش کی طرح پھول برسیں گے۔

☆☆☆☆

﴿باب نمبر 2﴾

گستاخ طالبِ علم

”علم“ کے موضوع پر گرور جنیش کی روایت شکن اور منفرد سوچوں سے معمور لیکچر

.......الفاظ کچھ بھی تو نہیں ہیں بس کاغذ کی کشتیاں ہیں۔۔۔ بلکہ ان کے جیسے بھی ٹھوس نہیں ہیں۔

.......جب ہم علم میں اضافہ کرتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ اندر تو کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ ہستی تو ویسی ہی غیر متاثر رہتی ہے۔

.......دھول کے مانند معلومات تمہارے اوپر ڈھیر ہو جاتی ہیں۔۔۔ ایسی گرد جو آئینے پر جم جاتی ہے! آئینہ تو آئینہ ہی رہتا ہے لیکن اپنی صفتِ آئینگی گنوا دیتا ہے۔

.......علم اس گرد کے مانند ہوتا ہے جو تمہارے آئینے جیسے شعور پر جمتی جاتی ہے۔

.......جتنا تم علم حاصل کرتے ہو اتنا ہی کم تم آگاہی پاتے ہو۔

.......جب تم علامیت سے مستعار علم سے پوری طرح بھر جاتے ہو تو تم مرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہو۔

.......ذہن ایک رٹو طوطا ہے۔

.......تم بس اسی وقت اور یجنل ہو سکتے ہو جب تم ذہن سے بالا جاتے ہو۔

.......علم جو تمہارا اپنا نہیں ہوتا خطرناک ہوتا ہے، جہالت سے زیادہ خطرناک کیونکہ

یہ ایک پوشیدہ جہالت ہوتا ہے۔

.......جب کوئی علم نہیں ہوتا تب علم ہوتا ہے۔

.......حق کو پانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔۔۔ سوائے اس کی تلاش کے۔

.......سارے ”علما“ ظاہر دار ہوا کرتے ہیں۔ ”عالم“ سے میری مراد ہوا کرتی ہے ایسا فرد جو صحیفوں کے ذریعے کسی شے سے آگاہ ہوا ہو، جس نے حقیقت کا بذاتِ خود مشاہدہ نہیں کیا ہو۔

.......انا جو کچھ تمہیں عطا کرتی ہے وہ رکاوٹ ہوتی ہے، جو کچھ تمہیں لاانائی عطا کرتی ہے وہ **راستہ** ہے۔

.......طالبِ علم ہونے کا مطلب ہے: حاصل کرنے والا، سیکھنے کے لئے آمادہ و تیار۔ اور سیکھنے کی آمادگی کیا ہوتی ہے؟ سیکھنے کی آمادگی کا مطلب ہے: میں جانتا ہوں کہ میں جاہل ہوں۔

.......تم گناہ گاروں کی عدم موجودگی میں ولی نہیں ہو سکتے ہو۔ لہٰذا آگاہ ہو جاؤ، ولی مت بنو کیونکہ اگر تم ولی بنتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہیں کوئی اس کا متضاد بھی وجود رکھتا ہوگا۔

.... گوتم بدھ کہتے ہیں جو لفظ بھی تم استعمال کرتے ہو وہ بے فائدہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متضاد لازم ہوتا ہے۔

جب یاما اوکا ایک متجسس طالبِ علم تھے تب وہ گرو ڈوکوان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

انہوں نے گرو کو متاثر کرنے کے ارادے سے کہا: ”کوئی ذہن نہیں ہے، کوئی جسم نہیں ہے، کوئی بدھ نہیں ہے، کوئی اچھا نہیں ہے، کوئی برا نہیں ہے، کوئی گرو نہیں ہے، کوئی طالبِ علم نہیں ہے۔ کوئی دینا نہیں ہے، کوئی لینا نہیں ہے، جو کچھ بھی ہم سوچتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں وہ حقیقی نہیں ہے۔ بظاہر دکھائی

دینے والی اشیاء حقیقت میں نہیں ہیں۔"

ڈوکوان خاموشی سے اپنے چُرٹ کے کش لگاتے رہے اور کچھ بھی تو نہیں بولے۔ پھر اچانک انہوں نے اپنا عصا اٹھایا اور یاما اوکا کی کمر میں زور سے ضرب لگائی یاما اوکا غصے میں آ کر اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

ڈوکوان بولے: "جب یہ سب اشیا حقیقتاً وجود نہیں رکھتی ہیں اور سب کچھ بس **خالی پن** ہے، تو پھر تمہارے غصے کے ورود کا کیا مقام ہے؟ ذرا اس پر بھی غور کرو۔"

علم کچھ بھی تو افادیت نہیں رکھتا ہے، یہ ذرا بھی مدد نہیں کرتا۔

محض ہستی ہی دوسرے ساحل تک رسائی کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ تم غور و فکر کر سکتے ہو، معلومات میں اضافہ کر سکتے ہو۔۔۔ تاہم یہ سب کاغذ کی کشتیاں ہیں، یہ ایک بحری سفر میں مدد و معاون نہیں ہو سکتیں۔ اگر تم ساحل پر ہی رہتے ہو اور ان کے متعلق بس باتیں ہی کرتے ہو تو سب ٹھیک ہے۔۔۔ اگر تم سفر پر روانہ ہی نہیں ہو گے تو کاغذ کی کشتیاں بھی حقیقی کشتیوں ہی کے جیسی عمدہ اور کارآمد ہوں گی، تاہم اگر تم ان کاغذ کی کشتیوں میں سفر پر روانہ ہو گئے تو پھر تم ڈوب جاؤ گے۔ اور الفاظ کچھ بھی تو نہیں ہیں بس کاغذ کی کشتیاں ہیں۔۔۔ بلکہ ان کے جیسے بھی ٹھوس نہیں۔

اور جب ہم علم میں اضافہ کرتے ہیں تو آخر کرتے کیا ہیں ہم؟ اندر تو کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ ہستی تو ویسی ہی غیر متاثر رہتی ہے۔ فقط گرد کی طرح دھول کے مانند معلومات تمہارے اوپر ڈھیر ہو جاتی ہیں۔۔۔ ایسی گرد کی طرح جو آئینے پر جم جاتی ہے، آئینہ تو آئینہ ہی رہتا ہے لیکن اپنی صفتِ آئینگی گنوا دیتا ہے۔ تم اپنے ذہن کے وسیلے سے جو کچھ بھی جانتے ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا شعور ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ درحقیقت یہ تو برائی بن جاتا ہے، کیونکہ بڑھتا ہوا علم اس گرد کے مانند ہوتا ہے جو تمہارے آئینے جیسے شعور پر جمتی جاتی ہے، شعور کم سے کم اور بہت ہی کم منعکس کرتا ہے۔

جتنا تم علم حاصل کرتے ہو اتنا ہی کم تم آگاہی پاتے ہو۔ جب تم علاّمیت سے مستعار علم سے پوری طرح بھر جاتے ہو تو تم مرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہو۔ تب کوئی شے تمہارے لئے اپنی نہیں رہتی۔ ہر شے مستعار اور رٹی ہوئی بکواس ہوتی ہے۔

ذہن ایک رٹو طوطا ہے۔ جوزف سٹالن کے عہد میں ایک وقوعہ رونما ہوا کہ ایک شخص، ایک انتہائی ممتاز کمیونسٹ ماسکو کے پولیس سٹیشن آیا اور رپورٹ درج کرائی کہ اس کا طوطا گم ہو گیا ہے۔ چونکہ وہ آدمی ایک ممتاز کمیونسٹ تھا اس لئے پولیس افسر نے طوطے کے متعلق تفتیش شروع کر دی، کیونکہ وہ طوطا بھی اہمیت رکھتا تھا اور اسے تلاش کرنا ناگزیر تھا۔ تفتیشی کارروائی کے دوران اس نے سوال کیا "کیا طوطا بولتا ہے؟"

کمیونسٹ نے، کامریڈ نے قدرے خوف محسوس کیا، پھر وہ گویا ہوا، "ہاں، وہ بولتا

ہے۔ لیکن واضح ہو کہ اس کے جو بھی سیاسی نظریات ہیں وہ اس کے ذاتی نظریات ہیں۔"

لیکن ایک طوطا اپنے ذاتی نظریات کا حامل کیونکر ہو سکتا ہے! ایک طوطا اپنے ذاتی نظریات کا حامل نہیں ہو سکتا۔۔۔ اور نہ ہی ذہن، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن تو ایک میکنزم ہے۔ ذہن کے مقابلے میں تو ایک طوطا کہیں جاندار ہے۔ حتیٰ کہ ایک طوطا بھی اپنے ذاتی نظریات کا حامل ہو سکتا ہے لیکن ذہن نہیں۔ ذہن تو ایک کمپیوٹر ہے، ایک حیاتی کمپیوٹر، یہ حساب کتاب کرتا ہے۔ یہ نہ تو کبھی اوریجنل تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ جو کچھ بھی رکھتا ہے، مستعار ہوتا ہے، دوسروں سے لیا ہوا ہوتا ہے۔

> تم بس اسی وقت اوریجنل ہو سکتے ہو جب تم ذہن سے بالا ہوتے ہو۔ جب ذہن ترک کر دیا جاتا ہے اور شعور ہستی کے روبرو ہوتا ہے تو تم اوریجنل ہو جاتے ہو۔ تب تم اولین مرتبہ مصدقہ طور پر اپنے ہوتے ہو۔ بصورت دیگر تمام نظریات مستعار ہوتے ہیں۔
> تم صحائف کا حوالہ دے سکتے ہو، تم تمام ویدوں کو، گیتا کو، قرآن کو، بائبل کو زبانی یاد کر سکتے ہو لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔۔۔ یہ تمہارے اپنے نہیں ہوتے ہیں۔ اور علم جو تمہارا اپنا نہیں ہوتا خطرناک ہوتا ہے، جہالت سے زیادہ خطرناک، کیونکہ یہ ایک پوشیدہ جہالت ہوتا ہے اور تم اس قابل نہیں ہوتے ہو کہ دیکھ سکو کہ تم خود کو فریب دے رہے ہو۔ تم کھوٹے سکے اٹھائے پھرتے ہو اور سوچتے ہو کہ تم ایک امیر آدمی ہو، جھوٹے نگ اٹھائے پھرتے ہو اور سوچتے ہو کہ یہ کوہِ نور ہیں۔ جلد یا بدیر تمہارا افلاس بے پردہ ہو جائے گا۔ تب تمہیں صدمہ ہو گا۔

جب تم مرتے ہو تو یہ وقوع پذیر ہوتا ہے، جب کبھی موت نزدیک آتی ہے۔ موت کے پیدا کئے ہوئے صدمے سے تمہیں دفعتاً آگاہی ہوتی ہے کہ تم نے تو کچھ بھی حاصل نہیں کیا ہے۔۔۔ کیونکہ جو کچھ حاصل کیا گیا وہ زندگی ہی تک تھا۔

تم نے یہاں وہاں سے علم کے اجزاء جمع کئے، ممکن ہے تم انسائیکلوپیڈیا بن گئے ہو، تاہم یہ کوئی اہم بات نہیں ہے اور خصوصاً ان کے لئے جو حق کے متلاشی ہیں، یہ ایک رکاوٹ ہوتی ہے، نہ کہ ایک سہارا۔ علم سے ضرور ماورا ہونا چاہیے۔

جب کوئی علم نہیں ہوتا تب علم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاننا تمہاری صفت ہے۔۔۔ شعور کی صفت۔ یہ محض ایک آئینے کے مثل ہوتا ہے، آئینہ وہ کچھ منعکس کرتا ہے جو کچھ کہ ہوتا ہے، شعور حق کو منعکس کرتا ہے جو کہ ہمیشہ تمہارے مقابل ہوتا ہے، یہیں بس تمہارے ناک کی نوک کے نزدیک۔

لیکن ذہن نہ ادھر کا ہوتا ہے نہ ادھر کا۔۔۔ اور ذہن دھوکا دیئے جاتا ہے، اور سچ تو تمہارے سامنے ہی ہوتا ہے اور ذہن دھوکے دیتا رہتا ہے۔ اور تم ذہن کے ساتھ جاتے ہو۔ تم زیاں کر بیٹھتے ہو۔ ذہن ایک عظیم غلطی ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس خوب صورت حکایت میں داخل ہوں، ہمیں چند مزید چیزیں جاننا ہوں گی۔ اول: علم مستعار ہوتا ہے، اس کا ادراک کرو۔ حقیقی ادراک اس کو ترک کرنا ہے۔ تمہیں کچھ بھی تو نہیں کرنا ہو گا۔ بس ادراک کرو کہ جو کچھ تم جانتے ہو، تم نے سنا ہے، تم اسے نہیں جانتے ہو، تم نے اسے پڑھا ہے، اس کا ادراک نہیں کیا ہے، یہ تمہارے لئے الہام کا درجہ نہیں رکھتا ہے، یہ تو ذہن کی ایک حالت ہے۔ یہ تمہیں پڑھایا سکھایا گیا ہے۔۔۔ تم نے اسے نہیں سیکھا پڑھا ہے۔ حق کو پڑھا جا سکتا ہے، پڑھایا نہیں جا سکتا۔

سیکھنے کا مطلب ہے جو کچھ اپنے گرد و پیش موجود ہے اس کا جواب دہ ہونا۔ یہ ایک عظیم سکھلائی تو ہے تاہم علم نہیں ہے۔

حق کو پانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔۔۔ سوائے اس کی تلاش کے۔ اس کے لئے کوئی راہِ مختصر (شارٹ کٹ) نہیں ہے۔ تم مستعار نہیں لے سکتے، تم چوری نہیں کر سکتے، تم فریب نہیں دے سکتے۔ سادہ سی بات ہے اس وقت تک کوئی راہ نہیں نکل سکتی جب تک تم ذہن سے معریٰ نہیں ہو جاتے ہو۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن ایک Wavering ہے، ذہن ایک مسلسل لڑکھڑاہٹ ہے، ذہن کبھی جامد نہیں ہوتا ہے، یہ

ایک تحریک ہوتا ہے۔ ذہن تو صبا کے مثل ہوتا ہے، مسلسل چلنے والی، اور شعلہ Wavering کرتا رہتا ہے۔ اور جب ذہن نہیں رہتا ہے تو صبا تھم جاتی ہے اور شعلے کی لرزش ختم ہو جاتی ہے۔ جب تمہارا شعور ایک بے حرکت، جامد تصور ہوتا ہے، تم سچ سے آگاہ ہو جاتے ہو۔ تمہیں سیکھنا ہے کہ ذہن کی پیروی کیونکر نہیں کرنی ہے۔

کوئی شخص تمہیں حق نہیں بخش سکتا۔ حتیٰ کہ بدھ بھی نہیں، مسیح بھی نہیں، کرشن بھی نہیں۔۔۔ اسے کوئی شخص تمہیں نہیں دے سکتا۔ اور یہ کتنی خوب صورت بات ہے کہ کوئی شخص اسے تمہیں نہیں دے سکتا۔ تمہیں سمجھنا ہے کہ اسے کوئی تمہیں نہیں دے گا۔ بصورتِ دیگر یہ جنسِ بازار میں ڈھل جائے۔ اگر یہ دیا جا سکتا ہوتا تو بیچا بھی جا سکتا ہے۔ اگر یہ دیا جا سکتا ہے تو اسے چرایا بھی جا سکتا ہے۔ اگر اسے دیا جا سکتا ہوتا تو تم کسی دوست سے لے سکتے تھے۔ یہاں تک کہ تم یہاں نہیں پہنچ گئے ہو۔ یہ ایک خوب صورت بات ہے کہ حق کسی طور تغیر پذیر نہیں ہو۔ جب تک تم اس کا عرفان نہیں پاتے ہو، جب تک تم حق میں نہیں ڈھلتے ہو، تم اس کے حامل نہیں ہوتے ہو۔ درحقیقت یہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو کہ تم رکھ سکتے ہو۔ یہ ایک جنسِ بازار نہیں ہے، کوئی شے، کوئی خیال نہیں ہے۔ تم حق ہو سکتے ہو، تاہم تم اس کے حامل نہیں ہو سکتے ہو۔

دنیا میں، اس دنیا میں، ہم ہر شے کے حامل ہو سکتے ہیں۔ ہر شے ہماری ملکیت میں آ سکتی ہے۔ حق پر ملکیت نہیں جمائی جا سکتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دو جنس بازار ایسی ہیں جن پر ملکیت جمائی جا سکتی ہے: خیال اور اشیاء۔ اشیا ملکیت میں آ سکتی ہیں، خیالات ملکیت میں آ سکتے ہیں۔۔۔ حق کبھی نہیں۔ حق ہستی ہے۔ تم اس میں ڈھل سکتے ہو، تاہم تم اس کو ملکیت میں نہیں لا سکتے ہو۔ تم اس کو اپنے تجوری میں نہیں رکھ سکتے ہو، تم اس کو اپنے کھاتے میں درج نہیں کروا سکتے ہو، تم اس کو اپنے ہاتھ میں نہیں رکھ سکتے ہو۔ جب تم اس کے حامل ہوتے ہو تو تم خود حق ہوتے ہو۔ تم حق بن جاتے ہو۔ یہ ایک تصور نہیں ہے، یہ بذاتِ خود ہستی ہے۔

یاد رکھنے کی دوسری بات یہ ہے کہ: یہ ایک انسانی رجحان ہے کہ تم
اس شے کے حامل ہونے کا دکھاوا کرتے ہو جو تم نہیں رکھتے ہو۔

اگر تم اسے رکھتے ہوتے تو تم اس کے دکھاوے کی کوشش ہی نہیں
کرتے۔ اگر تم اسے نہیں رکھتے ہو تو تم یوں نمائش کرتے ہو گویا
تم اس کے حامل ہو۔ پس یاد رکھو، جو کچھ بھی تم لوگوں کو ظاہر
کرنے کی کوشش کرتے ہو، وہ وہی شے ہوتی ہے جو تمہارے
پاس ہوتی ہی نہیں ہے۔

اگر کسی امیر آدمی کے گھر بطور مہمان تمہارا جانا ہو تو۔۔۔ کچھ بھی نہیں بدلتا ہے، اگر وہ حقیقتاً امیر ہے تو کچھ بھی نہیں بدلتا ہے، وہ بس تم کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ کسی غریب آدمی کے گھر جاؤ۔۔۔ وہ ہر شے کو بدلتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ہمسایوں سے فرنیچر مستعار مانگے، کسی سے قالین لے آئے، کسی دوسرے سے پردے مانگ لائے۔ وہ تم پر تاثر جمانے کی کوشش کرے گا کہ وہ ایک امیر آدمی ہے۔ اگر تم نہیں جانتے ہو تو تم لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہو کہ تم جانتے ہو۔ جب کبھی تم لوگوں کو متاثر کرنا چاہتے ہو، یاد رکھو، متاثر کرنا ایک انسانی رجحان ہے، کیونکہ کوئی شخص غریب دکھائی دینا نہیں چاہتا۔۔۔ اور زیادہ وہاں جہاں معاملہ جہانِ دیگر سے متعلق ہو۔

جہاں تک اس جہان کی اشیاء کا معاملہ ہے تو تم غریب ہو سکتے ہو، یہ غربت سے زیادہ کچھ نہیں لیکن جہاں تک خدا کا معاملہ ہے، روح کا، نجات کا، حق کا معاملہ ہے تو۔۔۔ یہ ناقابلِ برداشت ہے، یہاں افلاس ناقابلِ برداشت ہے۔ تم لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہو کہ تم کچھ رکھتے ہو، اور جہاں تک اس دنیا کی اشیاء کا معاملہ ہے تو انہیں متاثر کرنا دشوار ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اشیاء مرئی ہیں۔ لوگوں کو جہانِ دیگر کی اشیاء کے معاملے میں متاثر کرنا دشوار نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اشیا مرئی نہیں ہوتی ہیں۔ تم لوگوں کو متاثر کر سکتے ہو کہ تم جانتے ہو، کچھ بھی جانے بغیر۔ مسئلہ سر اٹھاتا ہے کیونکہ جب تم دوسروں کو متاثر کرتے ہو تو اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ تم خود اپنے آپ کو ان کی آنکھوں سے متاثر کروا رہے ہو اور ان کے ان قیاسات سے کہ تم کسی شے کے حامل ہو۔ اگر بہت سے لوگ مانتے ہوں کہ تم جانتے ہو تو رفتہ رفتہ تم خود قائل ہو جاؤ گے کہ تم جانتے ہو۔ یہی تو مسئلہ ہے، کیونکہ دوسروں کو فریب دینا کوئی مسئلہ نہیں،

خود فریبی مسئلہ ہے۔ تاہم اگر تم خود اپنی کوشش سے دھوکا کھا رہے ہو تو یہ تقریباً ناممکن ہے کہ تمہیں خود اپنی نیند سے بیدار کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم سوچتے ہو کہ یہ بہرحال نیند نہیں ہے! تم سوچتے ہو کہ تم مکمل طور پر بیدار ہو۔ یہ قریباً ناممکن ہے کہ تمہیں تمہاری جہالت سے نکالا جائے، کیونکہ تم سوچتے ہو کہ تم پیشتر ہی صاحب بصیرت ہو۔ یہ امر محال ہو گا کہ تمہیں تمہاری بیماری سے محفوظ کر لیا جائے کیونکہ تم یقین رکھتے ہو کہ تم پیشتر ہی صحت مند اور کامل ہو!

تمہارے اور حق کے مابین جو عظیم رکاوٹ حائل ہے وہ یہ ہے کہ تم نے دوسروں کے ذریعے خود کو قائل کر لیا ہے کہ تم پہلے ہی سے اس کے حامل ہو۔ پس یہ ایک منحوس چکر ہے۔ اول! تم دوسروں سے منوانے کی کوشش کرتے ہو۔۔۔ اور تم دوسروں سے منوا سکتے ہو کیونکہ شے غیر مرئی ہے۔ دوم! دوسرے اس کے حامل ہی نہیں ہوتے۔ پس وہ نہیں جانتے ہوتے۔ اگر تم جاؤ اور خدا کے متعلق گفتگو شروع کر دو اور گفتگو کرتے ہی چلے جاؤ تو جلد یا بدیر لوگ سوچنا شروع کر دیں گے کہ تم خدا کے متعلق جانتے ہو۔۔۔ کیونکہ وہ تو جانتے ہی نہیں۔ سوائے لفظ خدا کے وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے ہیں اور تم بہت چالاک اور ہوشیار ہو سکتے ہو، نظریوں اور فلسفوں کے حوالے سے ہوشیار، کج بحث اور اگر تم سلسلہ جاری رکھو، وہ صرف گہری بوریت کے زیر اثر کہہ اٹھیں گے: "ہاں ہم یقین رکھتے ہیں کہ تم جانتے ہو، تاہم بس بھی کرو۔"

میں نے سنا ہے کہ ایک بار ایسا ہی ہوا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے بال شیم نامی ایک یہودی ہسیڈ ہوا کرتا تھا۔ ایک عالم، ایک ظاہر دار اس سے ملنے آیا۔ اور سارے علما ظاہر دار ہی ہوا کرتے ہیں کیونکہ "عالم" سے میری مراد ہوا کرتی ہے ایسا فرد جو صحیفوں، لفظوں اور زبان کے ذریعے کسی شے سے آگاہ ہوا ہو، جس نے حقیقت کا بذاتِ خود مشاہدہ نہیں کیا ہو۔۔۔ اور اس نے قدیم پیغمبروں کے متعلق گفتگو شروع کر دی ہو اور عہد نامہ قدیم کے متعلق، اور ان پر رائے دینی شروع کر دی ہو۔۔۔ بہرحال ہر شے مستعار، غیر اصلی، اپنے ہونے میں احمقانہ کیونکہ وہ ایک ایسے شخص سے مخاطب تھا جو جانتا تھا۔

بال شیم نے تحمل سے سب کچھ سنا اور تب گویا ہوا "بہت برا، بہت برا، کیا عظیم میمونائیڈز تمہیں جان چکا ہے۔۔۔؟"

میمونائیڈز ایک یہودی فلسفی ہے، ایک بہت عظیم فلسفی، پس وہ ظاہر دار بے حد مسرور ہوا، اس تبصرے سے خوشی سے پھولا نہ سمایا کہ عظیم میمونائیڈز اسے جانتا تھا۔۔۔ لہٰذا وہ بولا: میں بہت خوش ہوں کہ تمہیں میری پہچان ہے اور تم نے مجھے شناخت عطا کی۔ بس ایک شے اور، تم کیوں کہتے ہو کہ "بہت برا، بہت برا، کیا عظیم میمونائیڈز تمہیں جانتا نہیں۔۔۔؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ براہِ مہربانی مجھے بتاؤ، آخر تمہارا مدعا کیا ہے؟

بال شیم بولا: "تب تم نے اسے بور کیا ہے، مجھے نہیں۔"

محض گہری بوریت کے زیر اثر لوگ یقین کرنا شروع کر دیتے ہیں، "ہاں تم جانتے ہو۔۔۔ تاہم خاموش رہو۔" اور مزید یہ کہ تم جانتے نہیں ہو، تم اتنے ہی جاہل ہو جتنے کہ وہ سب۔ فرق بس اتنا ہی ہے کہ تم زیادہ چرب زبان ہو، تم نے زیادہ مطالعہ کیا ہے، تم نے قدرے زیادہ دھول جمع کر لی ہے اور وہ سب بحث نہیں کر سکتے اور تم انہیں ان کے مقام پر رکھ سکتے ہو اور انہیں چپ کرا سکتے ہو۔ انہیں یقین کرنا ہی ہے کہ تم جانتے ہو اور اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم جانتے ہو یا نہیں جانتے ہو۔

خوش ہو جاؤ اگر تم سوچتے ہو کہ تم جانتے ہو تاہم تم ایک ایسی پتھر کی دیوار تخلیق کر رہے ہو جس کا توازن تمہارے لئے مشکل ہو گا۔ کیونکہ اگر تم دوسروں کو قائل کرتے ہو تو تم خود قائل ہو جاتے ہو کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ نام نہاد گرو زیادہ ہو گئے ہیں۔ وہ کچھ بھی تو نہیں جانتے ہیں تاہم ان کے بہت سارے پیروکار ہیں اور ان پیروکاروں کی وجہ سے وہ خود قائل ہو گئے ہیں کہ وہ جانتے ہیں۔ ان کے پیروکاروں کو ہٹا دو اور تم دیکھو گے کہ ان کا اعتماد زائل ہو جائے گا۔

گہرائی میں جاؤ، ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ لوگ صرف اس لئے پیروکاروں کو مجتمع کرتے ہیں کہ خود کو قائل کر سکیں کہ وہ جانتے ہیں۔ پیروکاروں کے بغیر تم خود کو کیونکر متاثر کر سکتے ہو؟ یہاں کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ تم تنہا ہو! اور خود کو براہِ راست فریب دینا دشوار ہے، کسی فرد کے لئے دوسروں کے ذریعے خود کو دھوکا دینا سہل ہے۔ جب تم

کسی سے مخاطب ہوتے ہو اور اس کی آنکھوں میں روشنی دیکھتے ہو تو تم قائل ہو جاتے ہو کہ تم ضرور کچھ نہ کچھ رکھتے ہو، بصورتِ دیگر "اس کی آنکھوں میں اس کے چہرے پر روشنی کیوں آئی؟ وہ متاثر ہوا ہے۔" یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کو متاثر کرنے کے خبط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ذہن لوگوں کو متاثر کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے خود متاثر ہو سکے، اور تب اپنے مستعار علم پر یوں یقین کر سکے گویا یہ الہام ہے۔ اس سے ہوشیار رہو۔ یہ ایک عیارترین چال ہے۔ اگر ایک بار تم اس میں پھنس گئے تو اس سے نکلنا تمہارے لئے دشوار ہوگا۔

> ایک گناہ گار کسی عالم کی نسبت زیادہ آسانی سے حق تک رسائی پا سکتا ہے۔ کیونکہ گناہ گار داخلی طور پر آگاہ ہوتا ہے کہ وہ خطا کار ہے، وہ شرمندہ و نادم ہوسکتا ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے کوئی خطا کی ہے۔ تم کو کوئی ایسا گناہ گار نہیں ملے گا جو بنیادی طور پر مسرور ہو۔ وہ غلطی کا احساس رکھتا ہے۔ اس سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے اور وہ لاشعوری طور پر ندامت رکھتا ہے، وہ اپنی غلطی کی تلافی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور کسی نہ کسی دن وہ توازن برقرار کر لیتا ہے۔ تاہم اگر تم ایک عالم ہو لفظوں، نظریوں اور فلسفوں کے آدمی ہو، ایک عظیم پنڈت ہو، تو پھر یہ دشوار ہے کیونکہ تم کبھی اپنے علاّمیت پر ندامت محسوس نہیں کرتے ہو، تم مسرور ہوتے ہو اور اس حوالے سے انا پرست ہوتے ہو۔

ایک بات یاد رکھو: انا جو کچھ تمہیں عطا کرتی ہے وہ رکاوٹ ہوتی ہے، جو کچھ تمہیں لاانائی عطا کرتی ہے وہ راستہ ہے۔

اگر تم بہت گناہ گار ہو اور احساسِ خطار رکھتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری انا متزلزل ہے۔ گناہ کے ذریعے تم انا کو بڑھوتری نہیں دے سکتے۔ ایسا بہت مرتبہ ہوا ہے کہ ایک گناہگار لمحہ بھر میں ولی بن گیا ہو۔ ایسا ایک ہندوستانی ولی والمیکی کے ساتھ ہوا تھا، جس نے سب سے پہلے رام کی کہانی کہی تھی۔ والمیکی ایک لٹیرا تھا اور قاتل تھا، اور

فقط ایک لمحے میں قلبِ ماہیئت وقوع پذیر ہوگئی۔ ایسا کچھ کبھی کسی پنڈت کے ساتھ واقع نہیں ہوا ہوگا۔ جبکہ ہندوستان پنڈتوں، برہمنوں اور عالموں کا ایک عظیم ملک ہے۔ تم ہندوستانی عالموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو۔ وہ ہزاروں برسوں کے اثاثے کے وارث ہیں، اور وہ لفظوں اور لفظوں اور لفظوں پر ہی جیئے چلے آئے ہیں۔ تاہم ایسا کبھی کسی عالم کے ساتھ نہیں ہوا کہ اس نے فقط ایک لمحے میں جست کی ہو، دھاکہ ہوا ہو اور وہ اپنے ماضی سے ٹوٹ گیا ہو اور بالکل نیا بن گیا ہو۔ اس طور سے کبھی بھی تو نہیں ہوا۔ تاہم ایسا گناہگاروں کے ساتھ متعدد مرتبہ ہوا ہے، بس ایک ہی لمحے میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہوں اس کے حوالے سے اپنی انا کے ساتھ کج بحثی میں پڑنے کے اہل ہی نہیں ہوتے۔ جو کچھ بھی وہ کر رہے ہوتے ہیں وہ انا کو رد کرنا ہوتا ہے۔۔۔ اور انا تو دیوار ہے، پتھر کی دیوار اگر تم محسوس کرتے ہو کہ تم ایک اخلاق پرست ہو، ایک پیوری ٹن ہو، تو تم ایک باریک انا کو تخلیق کر لو گے۔ اگر تم سوچتے ہو کہ تم ایک جاننے والے ہو تو تم ایک باریک انا کو وضع کر لو گے۔ یاد رکھو، انا کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہے، لہٰذا اس کو بڑھوتری مت دو، اور ہاں یہ ہمیشہ جھوٹی چیزوں سے بڑھتی ہے، کیونکہ حقیقی چیزیں اس کو ہمیشہ گھٹایا کرتی ہیں۔ اگر تم حقیقتاً جانتے ہو تو انا معدوم ہو جاتی ہے، اگر تم جانتے نہیں ہو تو یہ بڑھ جاتی ہے اور بڑی اور بڑی اور مضبوط تر ہو جاتی ہے۔ اگر تم حقیقتاً ایک خالص انسان ہو، ایک مذہبی انسان ہو تو انا معدوم ہو جاتی ہے، تاہم اگر تم ایک پیوری ٹن ہو، ایک اخلاق پرست ہو، تو پھر انا مضبوط ہو جاتی ہے۔ یہ ہے وہ پیمانہ جو واضح کرتا ہے کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو وہ خیر ہے یا شر، عمل کو انا سے پرکھو، جانچو۔ اگر انا مضبوط ہوگئی ہے تو پھر عمل شر ہے، جس قدر جلد ممکن ہو تم اسے ترک کر دو، فوراً سے پیش تر رک جاؤ! اگر انا مضبوط نہیں ہوئی ہے تو یہ خیر ہے۔

اگر تم روزانہ مندر جاتے ہو یا ہر اتوار چرچ جاتے ہو اور تم محسوس کرتے ہو کہ انا مضبوط ہوگئی ہے تو چرچ مت جاؤ۔۔۔ رک جاؤ، مندر مت جاؤ، اس میں تمہارا بھلا نہیں ہے، یہ تو زہر ہے۔ اگر چرچ جانے سے تم محسوس کرتے ہو کہ تم ایک مذہبی انسان ہو، تو تم ضرور دوسروں سے کچھ زیادہ غیر معمولی زیادہ برتر، زیادہ خالص ہو رہے ہو، خود

سے زیادہ مقدس ہو رہے ہو، اگر یہ رجحان تم میں پنپ رہا ہے کہ تم خود سے بھی زیادہ مقدس ہو رہے ہو تو پھر اس کو ترک کر دو، کیونکہ یہی رجحان دنیا کا واحد گناہ ہے۔ یہ سب کھیل بچوں کا ہے۔ یہ واحد گناہ ہے۔۔۔ یہ خود سے زیادہ مقدس ہونے کا رجحان۔

وہ کرو جو تمہاری انا کو مضبوط نہ کرے، اور جلد یا بدیر تم صاحب بصیرت بن جاؤ گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انا نہیں ہوتی ہے، خواہ محض ایک لحہ بھر ہی کو یہ تمہیں چھوڑ دے۔۔۔ تو دفعتاً تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم دیکھنے لگو گے۔ ایک بار کا نظارہ، کبھی فراموش نہیں ہونے کا۔ ایک بار کا جلوہ، یہ تمہاری زندگی میں ایک طاقت ور مقناطیس بن جائے گا جو تمہیں دنیا کے مرکز کے نزدیک سے نزدیک تر کھینچتا جائے گا۔ جلد یا بدیر تم اس میں ضم ہو جاؤ گے۔

تاہم انا مزاحمت کرتی ہے، یہ سپردگی کی مزاحمت کرتی ہے۔ یہ محبت کی مزاحمت کرتی ہے، یہ پرستش کی مزاحمت کرتی ہے، یہ مراقبے کی مزاحمت کرتی ہے، یہ خدا کی مزاحمت کرتی ہے۔ انا تو ایک مزاحمت ہے، کُل خلاف ایک جنگ، یہی سبب ہے کہ یہ ایک گناہ ہے۔ اور انا ہمیشہ لوگوں کو متاثر کرنے میں دلچسپی لیتی ہے۔ جس قدر تم لوگوں کو متاثر کر سکتے ہو اس قدر انا کو غذا میسر ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے اگر تم کسی کو بھی متاثر نہیں کر سکتے ہو تو سہارے چھن جاتے ہیں اور انا لڑکھڑانے لگتی ہے۔ یہ حقیقت میں کوئی جڑ بنیاد نہیں رکھتی ہے، یہ دوسروں کی آراء پر انحصار کیا کرتی ہے۔

اب اس حکایت میں داخل ہونے کی کوشش کرو: گستاخ طالب علم۔

یہ ایک تضاد ہے، کیونکہ کوئی طالب علم گستاخ نہیں ہو سکتا، اور اگر وہ ہے تو پھر وہ طالب علم نہیں ہے۔ ایک طالب علم اپوتر نہیں ہو سکتا ہے، وہ بے تمیز نہیں ہو سکتا ہے، وہ ایک انا پرست نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر وہ ہے تو پھر وہ ایک طالب علم نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طالب علم ہونے کا مطلب ہے حاصل کرنے والا، سیکھنے کے لئے آمادہ و تیار۔ اور سیکھنے کی آمادگی کیا ہوتی ہے؟ سیکھنے کی آمادگی کا مطلب ہے: میں جانتا ہوں کہ میں جاہل ہوں۔ اگر میں جانتا ہوں کہ میں جانتا ہوں تو کیونکر میں جان سکتا ہوں؟

دروازے بند ہو گئے ہیں، میں سیکھنے کو آمادہ نہیں ہوں، حقیقتاً تو میں سکھانے پڑھانے کو تیار ہوں۔

ایک زین معبد میں ایک بار ایسا ہی واقعہ ہوا تھا: ایک شخص آیا، وہ آگہی کا خواہاں تھا۔ گرو نے کہا ”ہمارے ہاں آگہی کی دو قسمیں ہیں۔ میرے آشرم میں، معبد میں پانچ ہزار افراد ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں: ایک تو ہیں شاگرد، اور دوسرے ہیں استاد۔ لہٰذا کس درجے میں تم شمولیت چاہتے ہو؟“

وہ شخص بالکل ہی نیا تھا، اسے قدرے ہچکچاہٹ کا احساس ہوا۔ وہ بولا ”اگر ممکن ہے تو پھر میں استاد کے طور پر آگہی پانے کا خواہاں ہوں۔“

گرو تو محض مذاق کر رہا تھا۔ وہ محض مذاق کر رہا تھا۔۔۔ اور چاہتا تھا کہ اس کے لاشعور کی گہرائی میں جھانکے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ استاد بنے، اور اگر تم شاگردی اختیار کرتے بھی ہو تو صرف ایک وسیلے کے طور پر، صرف استاد بننے کے وسیلے کے طور پر۔ تمہیں اس سے لازماً گزرنا ہو گا، یہ تو ایک جال ہے! بصورت دیگر تم کیونکر ایک استاد بن سکتے ہو؟ لہٰذا تمہیں شاگرد بننا ہی ہو گا، تاہم انا کی تلاش تو استاد بننے ہی کی ہے۔ انا پڑھانا پسند کرے گی، پڑھنا نہیں، اور اگر تم پڑھ رہے ہو تو یہ پڑھائی اس خیال کے تحت ہو گی کہ پڑھانے کو کیونکر تیار ہو سکتے ہو۔

تم مجھے سنتے ہو۔ سننے والوں کے میرے نزدیک دو درجے ہیں: تم ایک شاگرد کی طرح سننے والے ہو سکتے ہو، تم ایک استادی کے خواہاں کے مانند سننے والے ہو سکتے ہو۔ اگر تم ایک استادی کے خواہاں کے مانند سنتے ہو تو تم کارِ زیاں کر رہے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اس رجحان کے ساتھ سن نہیں سکتے ہو۔ اگر تم اس کے منتظر ہو، تیار ہو رہے ہو اور حیرت زدہ ہو کہ تم کیونکر ایک جست میں استاد بن گئے ہو اور دوسروں کو پڑھا سکتے ہو تو تم حاصل کرنے والے نہیں ہو سکتے ہو۔ تم صرف تبھی سیکھ سکتے ہو جب کہ تم استاد بننے کی سوچ رکھے بغیر شاگرد بنو۔ یہ مشرق کی قدیم ترین روایت ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک پڑھانا شروع نہیں کر سکتا جب تک اس کا استاد اس امر کی اجازت نہ دے دے۔

گوتم بدھ کا ایک شاگرد تھا جو بہت برس ان کے ساتھ رہا تھا، اس کا نام پورن تھا۔ وہ صاحبِ بصیرت ہو گیا، اور تب بھی وہ گوتم بدھ کے ساتھ ہی رہا۔ حصولِ بصیرت کے بعد بھی وہ ہر روز صبح سویرے گوتم بدھ کا وعظ سننے کے لئے آیا کرتا تھا۔ اب وہ خود ایک بدھ تھا، کسی شے کی کمی نہیں تھی، اب وہ خود استوار تھا مگر اس نے حاضری جاری رکھی۔

ایک روز گوتم بدھ نے پورن سے کہا ''تم کیوں آیا کرتے ہو؟ اب تم رک سکتے ہو؟''

اور پورن بولا: ''جب تک آپ ایسا نہیں کہتے، میں کیونکر رک سکتا ہوں؟ اگر آپ ایسا کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔'' تب اس نے گوتم بدھ کے وعظ میں شرکت کے لئے آنا بند کر دیا۔ تاہم وہ سانگھا کے ساتھ متحرک سائے کے مانند ہی رہا، حکم کا پابند، تب کچھ برسوں کے بعد گوتم بدھ نے پوچھا ''پورن تم میرے پیچھے پیچھے کیوں رہا کرتے ہو؟ جاؤ اور لوگوں کو پڑھاؤ! تمہیں یہاں میرے ساتھ رہنے کی ضرورت نہیں۔''

اور پورن بولا ''میں انتظار کر رہا تھا کہ کب آپ ایسا کہیں گے، اب میں جاتا ہوں۔ میں ایک شاگرد ہوں، پس جو کچھ بھی آپ کہیں گے میں وہی کروں گا۔ اگر آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ لہٰذا میں کہاں جاؤں؟ کس سمت میں جانا چاہئے مجھے؟ مجھے کس کو پڑھانا ہو گا؟ بس آپ مجھے ہدایت کر دیجئے اور میں اس پر عمل کروں گا! میں تو ایک پیروکار ہوں۔''

اس شخص نے گوتم بدھ کو مکمل طور پر سماعت کیا ہو گا۔ کیونکہ جب وہ صاحبِ بصیرت ہو گیا تھا تب بھی شاگرد ہی رہا تھا۔ اور ایسے لوگ ہیں جو کامل طور پر جاہل ہیں ۔۔۔ اور وہ پہلے ہی سے ''گرو'' ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ سن بھی رہے ہوں تو وہ اس رجحان کے تحت سن رہے ہوتے ہیں کہ جلد یا بدیر انہیں پڑھانا ہے۔ تم دوسروں کو صرف یہی بتانے کے لئے سنتے ہو کہ تم نے کیا جان لیا ہے! اس خیال کو مکمل طور پر ذہن سے جھٹک دو کیونکہ اگر یہ خیال ہے، اگر استاد بننے کی خواہش ہے تو شاگرد اس خیال کے ساتھ جی نہیں سکتا ہے، یہ باہم وجود نہیں رکھ سکتے ہیں۔

ایک شاگرد تو بس شاگرد ہوا کرتا ہے۔ ایک روز ایسا ہو گا کہ وہ استاد بن جائے گا ۔۔۔ تاہم اختتام نہیں ہے، یہ تو نتیجہ ہے۔ صرف سیکھنے والا ہو کر ہی کوئی شخص عقل مند ہو سکتا ہے۔ یہ ایک نتیجہ ہے، مقصد نہیں۔ اگر تم بس عقل مند بننے کے لئے سیکھ رہے ہو تو تم کبھی نہیں سیکھو گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل مند ہونا انا کا ایک مقصد ہے، انا کا جال ہے۔ اور اگر تم صرف پکنے کا، پختہ ہونے کا اور استاد بننے کا انتظار کر رہے ہو تو یہ شاگردی محض راہ کٹی ہے ۔۔۔ جتنا جلد اتنا بہتر، اس کو ختم ہونا ہو گا، تم اس میں خوش نہیں ہوتے ہو، تم اس کا اختتام چاہتے ہو ۔۔۔ تب تم ایک شاگرد نہیں رہتے ہو، اور تم کبھی ایک استاد بھی نہیں بن سکتے ہو ۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شاگرد بنتا ہے تو وہ بے ساختگی سے استاد بن جاتا ہے۔ یہ ایسا مقصد نہیں ہے جس کے حصول کی کوشش کی جائے۔ یہ تو ایک ضمنی پیداوار کے طور پر رونما ہوتا ہے!

گستاخ طالبِ علم ۔۔۔ اپوتر، بے تمیز، یہ سوچتا ہوا کہ وہ پیشتر ہی سب کچھ جانتا ہے ۔۔۔ اور یہ واحد اپوتر تا ہے جو کسی ذہن پر وارد ہو سکتی ہے: کہ تم پہلے ہی سے جانتے ہو۔

جب یاماوکا ایک ہوشیار طالبِ علم تھا وہ گروڈو کو ان کی خدمت
میں حاضر ہوا گرو کو متاثر کرنے کی خواہش کے تحت بولا ۔۔۔

ایسے یاماوکا میرے پاس ہر روز آتے ہیں ۔ میں ایسے بہت سوں سے ملا ہوں، یاماوکا ایک سانچہ (ٹائپ) ہے۔ وہ مجھ سے ملنے آتے ہیں اور کبھی کبھی میں لطف اندوز بھی ہوتا ہوں۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا۔ وہ ایک گھنٹا بولتا رہا ۔۔۔ اس نے گُل ویدانت پر بات کی۔ اور یہ شخص وہ تھا جو کئی دنوں سے مجھ سے انٹرویو کے لئے وقت مانگ رہا تھا۔ اس نے مجھے کئی خط لکھے۔ وہ کافی دور سے سفر کر کے آیا تھا۔ اور اس نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ سوالات پوچھنا چاہتا ہے۔ جب وہ آیا تو سوالات کا

بھول ہی گیا۔ اس نے مجھے جواب دینا شروع کر دیئے۔ جبکہ میں نے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔ ایک گھنٹہ تک وہ بولتا رہا اور بولتا رہا اور بولتا رہا، اتنا سا بھی وقفہ نہ کیا کہ میں اسے ٹوک سکتا۔ ناں، وہ تو سنتا تک نہیں تھا، لہٰذا میں ہاں ہاں ہاں کرتا رہا۔ اور میں اسے سنتا گیا اور لطف اٹھاتا رہا۔ اور ایک گھنٹے کے بعد وہ بولا: ''اب میں جاؤنگا، میرا وقت پورا ہو چکا ہے۔۔۔ تاہم میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور میں ساری عمر اس ملاقات کو فراموش نہیں کر پاؤں گا۔ میں اس کی یاد سے لطف اندوز ہوؤں گا۔ ۔۔ اور آپ نے تو میرے سارے ہی مسئلے حل کر دیئے ہیں۔''

حقیقتاً، یہ اس کے لئے مسئلہ تھا کہ وہ مجھ سے باتیں کرنا اور اپنے علم میں سے کچھ مجھے عطا کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ خوش ہوا کیونکہ میں نے اس کو سنا۔ وہ ویسے کا ویسا ہی رہا تاہم وہ خوش ضرور ہو گیا۔

لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھے بتاتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ ''ہر شے برہما ہے۔'' ہندوستان علم سے بے حد لدا پھندا ہوا ہے، اور احمق اس کے بوجھ تلے مزید احمق بن رہے ہیں، کیونکہ وہ سب جانتے ہیں اور وہ یوں بولتے ہیں گویا جانتے ہوں۔ وہ کہتے ہیں سب برہما ہے، حقیقت واحد ہے، اور پھر آخر پر وہ کہتے ہیں ''میرا ذہن بہت تناؤ میں ہے۔ کیا آپ کچھ تجویز کر سکتے ہیں؟''

اگر تم جانتے ہو کہ حقیقت واحد ہے، اگر تم جانتے ہوں کہ دو وجود نہیں رکھتا تو پھر تم تناؤ کا شکار کیوں ہو اور پریشان کیوں ہو؟ اگر تم یہ سب جانتے ہو تو سب پریشانیاں تو رفع ہو جانی چاہئیں، سب رنج مٹ جانے چاہئیں، بے چینی دور ہو جانی چاہئے! تاہم اگر تم انہیں کہتے ہو ''تم نہیں جانتے ہو'' تو وہ نہیں سن پائیں گے۔ اور اگر تم انہیں بس سنتے رہو تو آخر میں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آ جائے گی۔

ایک بار ایک عدالت میں ایسا ہی ہوا تھا۔ ایک آدمی پر الزام تھا کہ اس نے ایک جیبی گھڑی چرائی ہے۔ جس آدمی کی گھڑی چرائی گئی تھی اس کی بینائی تھوڑی سے کم تھی۔ وہ عینک کے بغیر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنی عینک کہیں بھول گیا، اور اسی دوران گلی میں اس آدمی نے اس کی جیب کتری اور گھڑی اڑا لی۔ جب جج نے جرح کی اور پوچھا

''کیا تم اس آدمی کو پہچان سکتے ہو کہ اسی نے تمہاری گھڑی اڑائی ہے؟'' لٹے ہوئے شخص نے کہا ''یہ دشوار ہے، کیونکہ میری بینائی کمزور ہے اور عینک کے بغیر میں درست طور پر دیکھ نہیں سکتا، ہر شے کسی قدر دھندلی دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے یا نہیں تاہم میری گھڑی ضرور چوری ہوئی ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اسی آدمی نے چرائی ہے۔''

لیکن چونکہ وہاں کوئی اور چشم دید گواہ یا اور کوئی ثبوت نہیں تھا تو مجسٹریٹ نے ملزم کو رہا کر دیا۔ وہ بولا ''اب تم جا سکتے ہو، اب تم آزاد ہو۔''

تاہم وہ آدمی قدرے الجھا ہوا سا دکھائی دیا۔ جج نے کہا ''اب تم جا سکتے ہو، تم آزاد ہو!''

وہ آدمی ہنوز پریشان سا دکھائی دے رہا تھا اور جج نے پوچھا ''کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

وہ بولا ''جی ہاں! کیا میں گھڑی اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟ کیا یہ میری ہو گئی؟''

یہ ہے وہ کچھ جو واقع ہو رہا ہے۔۔۔ لوگ بولے چلے جا رہے ہیں، اور اگر تم انہیں سنتے چلے جا رہے ہو تو تم آخر میں پاؤ گے کہ ان کے سارے ویدانت بے سود ہیں، آخر میں وہ ایسا کچھ ضرور کہیں گے جو حقیقت کو عیاں کر کے رکھ دے گا۔ دوسرے محض زبان ہیں، لفاظی ہیں۔

اس یاماواوکا نے گرو ڈوکوان سے ملاقات کی ۔۔۔ ڈوکوان ایک صاحبِ بصیرت انسان تھے، جاپان میں سب سے محبوب اشخاص میں سے ایک، سب سے زیادہ قابلِ احترام اشخاص میں سے ایک۔

گرو کو متاثر کرنے کی غرض سے اس نے کہا۔۔۔

(جب تم کسی گرو کو متاثر کرنے کے خواہش مند ہوتے ہو تو تم حماقت کرتے ہو، تم حقیقتاً ایک احمقِ مطلق ہوتے ہو۔ تم ساری دنیا کو متاثر کرنے کی آرزو رکھ سکتے ہو تاہم

کسی گرو کو متاثر کرنے کی کوشش مت کرو، کم از کم وہاں تو اپنے دل کو کشادہ کر دو۔ بکواس مت کرو، کم از کم وہاں تو سچے بن کر دکھاؤ۔

تم کسی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہو تو اپنی ساری بیماریاں اس کے سامنے عیاں کر دیتے ہو، تم اسے تشخیص کی اجازت دیتے ہو، تم اسے سب کچھ بتا دیتے ہو، جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب، تم کچھ بھی تو پوشیدہ نہیں رکھتے ہو۔ اگر تم ڈاکٹر سے کچھ چھپاؤ گے تو پھر کیسے اسے پہلے درجے پر رکھ سکو گے؟ چھپاؤ! تاہم اگر چھپاتے ہو تو کیسے توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری امداد کر پائے؟

ڈاکٹر کو تم اپنے جسم کے متعلق سب کچھ بتا دیتے ہو، ایک گرو کو اپنی روح کے متعلق سب کچھ بتا دینا ہوگا، بصورتِ دیگر کسی مدد کا امکان فضول ہے۔ جب تم کسی گرو کے حضور حاضر ہوتے ہو تو کاملاً حاضر ہوؤ، اپنے اور اس کے درمیان الفاظ کی رکاوٹ مت کھڑی کرو۔ وہی کچھ کہو جو تم جانتے ہو۔ اگر تم کچھ نہیں جانتے ہو تو کہو "میں نہیں جانتا۔"

جس وقت پی۔ ڈی اوسپنسکی گرجیف سے ملا ہے تو وہ اس وقت ایک عظیم عالم اور پیشتر ہی عالمی شہرت کا حامل تھا۔۔۔ خود گرجیف سے زیادہ دنیا میں جانا جاتا تھا۔ گرجیف ان دنوں ایک گمنام فقیر ہوا کرتا تھا، اسے اوسپنسکی کی معرفت شہرت ملی۔ گرجیف سے ملاقات کے بعد، اوسپنسکی نے ایک عظیم کتاب تصنیف کی۔ وہ کتاب واقعی نایاب تھی کیونکہ اس نے اپنے علم کے مطابق بات کی، اور وہ اس قدر خوش بیان تھا کہ دھوکا دے سکتا تھا۔ اس کتاب کا نام ہے "ٹرٹیئم اورگینم" خیال کی تیسری توپ، اور حقیقتاً دنیا کی شاذ ترین کتابوں میں سے ایک۔ حتیٰ کہ لاعلمی بھی کچھ چیزیں کر دکھاتی ہے، اگر تم ہنر کار ہو تو تم کچھ کر سکتے ہو، اپنی لاعلمی میں بھی۔

اس کتاب میں اوسپنسکی دعویٰ کرتا ہے۔۔۔ اور اس کا دعویٰ سچا ہے۔۔۔ کہ دنیا میں صرف تین حقیقی کتابیں وجود رکھتی ہیں۔ پہلی کتاب ارسطو کی "اورگینم" ہے، خیال کی پہلی توپ، دوسری کتاب بیکن کی "نووم اورگینم" ہے، خیال کی دوسری توپ اور تیسری اس کی کتاب "ٹرٹیئم اورگینم" ہے۔ یہ ہے خیال کی تیسری توپ۔ اور حقیقتاً یہ تینوں

کتابیں شاذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ تینوں کے تینوں مصنف لاعلم تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی سچ کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا، تاہم وہ بڑے ہی خوش بیان انسان تھے۔ حقیقتاً انہوں نے معجزے کر دکھائے ہیں۔ سچ کے متعلق جانے بغیر انہوں نے ایسی خوبصورت کتابیں تصنیف کی ہیں۔ وہ قریباً رسائی پا چکے ہیں۔

جب اوسپنسکی گرجیف سے ملنے کے لئے آیا ہے تو اس وقت وہ ایک نامور شخص تھا جبکہ گرجیف ایک **لاشخص** تھا۔ حقیقت میں وہ اس آگہی کے ساتھ آیا تھا کہ گرجیف ایک ہستی کا انسان تھا۔۔۔ ایسا انسان جس کے پاس علم نہیں تھا بلکہ جو ٹھوس ہستی کا انسان تھا۔ اس نے کیا کیا؟ اس نے ایک خوب صورت کام کیا۔ وہ خاموش رہا۔ اوسپنسکی نے انتظار کیا اور انتظار اور انتظار کرتا رہا، وفاداری کے ساتھ۔ اس شخص کے سامنے پسینہ بہاتے ہوئے کیونکہ وہ تو بس خاموش رہا، اس کو تکتا رہا، اور یہ بہت عامیانہ سا تھا، اور اس کی آنکھیں بہت کھب جانے والی تھیں۔۔۔ اگر وہ چاہتا تو اپنی آنکھوں سے تمہیں جلا سکتا تھا، اور اس کا چہرہ ایسا تھا، کہ اگر وہ چاہتا تو اپنے چہرے سے تمہاری ہستی کو متزلزل کر سکتا تھا۔ اگر وہ تمہارے اندر جھانکتا تو تمہیں بہت بے قراری محسوس ہوتی۔ وہ ایک مجسمے کے مانند رہا اور اوسپنسکی پر کپکپی طاری ہو گئی، اسے بخار سا ہو گیا۔ تب وہ بولا "تم خاموش کیوں ہو؟ تم کچھ بولتے کیوں نہیں ہو؟"

گرجیف نے کہا "سب سے پہلے تو ایک امر کا فیصلہ کر لینا ہوگا، مکمل طور پر فیصلہ، فقط تبھی میں ایک لفظ بھی ادا کروں گا۔ دوسرے کمرے میں جاؤ، تمہیں وہاں ایک کاغذ ملے گا، جو کچھ بھی تم جانتے ہو اس پر لکھو، اور وہ بھی جو تم نہیں جانتے ہو۔ دو کالم بناؤ، ایک تو تمہارے علم کا ہو اور دوسرا تمہاری لاعلمی کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ تم جانتے ہو اس پر میرا بولنا ضروری نہیں۔ ہاں جو کچھ تم نہیں جانتے ہو، اس پر میں بات کروں گا۔"

اوسپنسکی نے بیان کیا ہے کہ وہ کمرے میں گیا، ایک کرسی پر بیٹھ کر کاغذ پنسل سنبھالی۔۔۔ اور اپنی زندگی میں پہلی بار ادراک کیا کہ وہ کچھ بھی تو نہیں جانتا ہے۔ اس آدمی نے اس کا سارا علم تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی بار وہ

جانتے بوجھتے لکھنے کو تھا: میں خدا کو جانتا ہوں۔ کیونکر لکھے اس کو؟ ۔۔۔ کیونکہ وہ تو نہیں جانتا تھا۔ کیونکر لکھے، میں سچ سے آگاہ ہوں؟

اوسپنسکی مصدقہ تھا۔ وہ آدھے گھنٹے کے بعد لوٹ آیا، گرجیف کو صاف کاغذ دیا اور بولا ''اب آپ کی باری ہے۔ میں کچھ بھی نہیں جانتا ہوں۔''

گرجیف نے کہا ''تم نے ٹرٹیئیم اور گینم کیونکر لکھی؟ تم کچھ بھی نہیں جانتے۔۔۔ اور تم نے خیال کی تیسری توپ لکھ ڈالی ہے!''

یہ ایسا ہے گویا لوگ سوتے میں لکھتے ہیں، خوابوں میں لکھتے ہیں، گویا وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ان کے وسیلے سے کیا رونما ہو رہا ہے۔

یاما اوکا نے گرو کو متاثر کرنے کے لئے کہا ''کوئی ذہن نہیں ہے۔
کوئی بہتر نہیں ہے، کوئی بدتر نہیں ہے، کوئی گرو نہیں ہے، کوئی چیلا
نہیں ہے، کوئی عطا نہیں ہے، کوئی قبولیت نہیں ہے جو کچھ ہم
سوچتے ہیں، دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، حقیقی نہیں ہے۔ یہ
ظاہری اشیا حقیقتاً وجود نہیں رکھتی ہیں۔

یہ ہیں اعلیٰ ترین تعلیمات، مطلق سچ۔ یہ ہے گوتم بدھ کی پوری روایت کا جوہر ۔۔۔ کہ گوتم بدھ نے جو کچھ کہا ہے وہ **خالی پن** ہے۔ جب میں سوسن کے متعلق گفتگو کرتا ہوں تو یہی کچھ ہم باتیں کرتے ہیں۔ ہر شے **خالی** ہے، ہر شے نسبی ہے، کوئی مطلق شے وجود نہیں رکھتی ہے۔ یہ ہے اعلیٰ ترین ادراک، تاہم تم اسے ایک کتاب میں پڑھ سکتے ہو۔ اگر تم اسے کتاب میں پڑھتے ہو اور کہتے ہو تو یہ بس حماقت ہی ہوئی۔

''کوئی ذہن نہیں ہے، کوئی جسم نہیں ہے، کوئی بدھا نہیں ہے۔''

گوتم بدھ نے کہا ہے ''میں نہیں ہوں''۔ تاہم جب گوتم بدھ ایسا کہتے ہیں تو اس کا کوئی مفہوم ہوتا ہے۔ جب یاما اوکا یہی کچھ کہتا ہے تو اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا۔ جب

گوتم بدھ کہتے ہیں تو یہ بہت اہم ہوتا ہے کہ ''میں نہیں ہوں۔'' وہ کہتے ہیں ''حتیٰ کہ میں بھی نہیں ہوں لہٰذا مزید چوکس ہوؤ۔۔۔ تم نہیں ہو سکتے ہو۔'' وہ کہتے ہیں ''یہ میرا ادراک ہے۔'' شخصیت تو بس ایک لہر کے مثل ہے، یا پانی پر کھینچے گئے ایک خط کے مثل ہے۔ یہ ایک صورت ہے اور صورت ہر لحظہ مسلسل و متواتر تغیر آشنا ہوتی ہے۔ صورت سچ نہیں ہے۔ صرف بے صورت ہی سچ ہو سکتا ہے۔ صرف غیر متبدل ہی سچ ہو سکتا ہے''۔

''ہو سکتا ہے تمہاری صورت کو معدوم ہونے میں ستر برس لگیں تاہم یہ معدوم ہو جائے گی۔۔۔ اور ایک دن یہ نہیں تھی، اور دوبارہ ایک روز نہیں ہو گی، وسط میں نہیں ہو سکتی۔ میں ایک روز نہیں تھا، میں ایک روز نہیں ہوؤں گا، دونوں پہلوؤں سے کچھ بھی تو نہیں ۔۔۔ اور وسط میں، میں ہوں؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ دو عدم کے درمیان وجود کیونکر موجود ہو سکتا ہے؟ دو خالی پن کے درمیان کچھ ٹھوس کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ ضرور کوئی جھوٹا سپنا ہو گا۔''

صبح کے وقت تم کیوں کہتے ہو کہ سپنا جھوٹا تھا؟ یہ تھا تو، لیکن تم اسے جھوٹا کہتے کیوں ہو؟ اس کے سچ یا جھوٹ ہونے کا پیمانہ کیا ہے؟ تم کیونکر فیصلہ کر سکتے ہو؟ اور صبح کے وقت ہر شخص کہتا ہے ''میں نے سپنا دیکھا اور سپنا جھوٹا تھا۔'' سپنے کا مطلب ہے ''جھوٹا'' ۔۔۔ لیکن کیوں؟ یہ ہے معیار کہ شام کے وقت وہ نہیں تھا، جب میں سونے گیا تو وہ نہیں تھا، جب میں دوبارہ نیند سے بیدار ہوا تو وہ نہیں تھا، لہٰذا وسط میں وہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ کمرہ حقیقی ہے، سپنا جھوٹا ہے ۔۔۔ کیونکہ جب تم سوئے تو کمرہ تھا اور جب تم بیدار ہوئے تو بھی کمرہ تھا۔ کمرہ حقیقی ہے، سپنا جھوٹا ہے، کیونکہ سپنے کے ارد گرد عدم ہیں اور دو عدم کے مابین کچھ بھی وجود نہیں رکھ سکتا۔ تاہم کمرہ برقرار رہتا ہے لہٰذا تم کہتے ہو کہ کمرہ حقیقی ہے، دنیا حقیقی ہے، اور سپنا جھوٹا ہے۔

ایک بدھا اس دنیا سے بیدار ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ ایک سپنے کی طرح تمہاری دنیا بھی جھوٹی ہے۔ وہ اس عظیم سپنے سے بیدار ہو جاتا ہے، جسے تم دنیا کہتے ہو اور تب وہ کہتا ہے ''نہ تو یہ تھی نہ ہی اب یہ ہے، لہٰذا یہ کیونکر وسط میں ہو سکتی ہے؟''

لہٰذا سبھی بدھا، سبھی شنکر کہتے ہیں ''دنیا وہم ہے، یہ ایک سپنا ہے۔'' تاہم تم ایسا

نہیں کہہ سکتے ہو، تم تو صرف لفظ بھی نہیں لے سکتے ہو، نہ دہرا سکتے ہو۔

اس یا ماوکا نے ضرور سنا ہوگا، سیکھا ہوگا، پڑھا ہوگا۔ وہ کسی طوطے کے مانند رٹ رہا ہے۔ ''کوئی ذہن نہیں ہے، کوئی جسم نہیں ہے، کوئی بدھا نہیں ہے، کوئی بہتر نہیں ہے، کوئی بدتر نہیں ہے'' ۔۔۔ کیونکہ یہ سب کے سب نسبی ہیں۔ یاد رکھو گوتم بدھ ہر نسبی شے کو ''جھوٹا'' کہتے ہیں اور ہر مطلق کو ''سچ'' ۔ مطلقیت سچ کا پیمانہ ہے، نسبیت سپنے کا پیمانہ ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ یہی بنیاد ہے۔ تم کہتے ہو تمہارا دوست لمبا ہے۔ ایسا کہنے سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اسے نسبتاً لمبا کہا جا سکتا ہے نہ کہ لمبا۔۔۔ کسی کی نسبت لمبا۔ ہوسکتا ہے کسی کے مقابل وہ بونا ہو، لہٰذا لمبا پن اس میں نہیں ہوتا۔ لمبا پن تو محض نسبت ہے، ایک نسبی مظہر ہے۔ کسی شخص کے مقابلے میں وہ قد آور ہے، کسی شخص کے مقابلے میں وہ بونا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا وہ ہے کیا۔۔۔ آیا وہ ایک بونا ہے یا لمبا آدمی ہے؟ ناں، یہ دونوں نسبی ہیں، بذاتِ خود وہ کیا ہے۔۔۔ لمبا یا بونا؟ بذاتِ خود نہ وہ لمبا ہے اور نہ ہی بونا۔ یہی وجہ ہے کہ گوتم بدھ کہتے ہیں ''بہتر وجود نہیں رکھتا، بدتر وجود نہیں رکھتا۔''

کون گناہ گار ہے اور کون ولی؟ دیکھو!۔۔۔ اگر دنیا میں صرف ولی ہی ہوتے تو کیا کوئی ولی ہوتا؟ اگر دنیا میں سبھی گناہ گار ہوتے تو کیا کوئی گناہ گار ہوتا؟ گناہ گار ولی کے ہونے سے وجود رکھتا ہے، ولی گناہ گار کے ہونے سے وجود رکھتا ہے۔ یہ نسبی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر تم ولی بننا چاہتے ہو تو تمہیں ایک گناہگار تخلیق کرنا ہوگا، تم گناہ گاروں کی عدم موجودگی میں ولی نہیں ہوسکتے ہو۔ لہٰذا آگاہ ہو جاؤ، ولی مت بنو کیونکہ اگر تم ولی بنتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہیں کوئی اس کا متضاد بھی وجود رکھتا ہوگا۔

ولی جھوٹے ہیں، گناہ گار جھوٹے ہیں۔ تم بذاتِ خود کیا ہو؟ اگر تم تنہا ہو تو تم گناہ گار ہوگے یا ولی؟ تب تم کچھ بھی نہیں ہوتے۔ اس حقیقت پر غور کرو کہ کسی رشتے کے

بغیر تم کیا ہو۔ بغیر کسی رشتے کے اپنے اوپر غور کرو۔۔۔ تب تم مطلق سچ کو پا لو گے، بصورتِ دیگر ہر شے ایک نسبی اصطلاح ہے۔ نسبتیں سپنے ہوتی ہیں۔

حقیقت نسبت نہیں ہے، یہ مطلقیت ہے۔ تم کون ہو؟ اگر تم باطن میں اترتے ہو اور کہتے ہو ''میں نور ہوں'' تو تم دوبارہ سپنا دیکھ رہے ہوتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریکی کے بغیر نور کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے؟ نور کا وجود تاریکی سے مشروط ہے! اگر تم کہتے ہو ''اندر سے میں باسعادت ہوں'' تو تم دوبارہ سپنا دیکھ رہے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ سعادت اذیت سے مشروط ہے۔ تم کوئی اصطلاح بھی استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ تمام اصطلاحات نسبی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گوتم بدھ کہتے ہیں کہ ہم کوئی اصطلاح بھی استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔۔۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ داخل میں **خالی پن** ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ **''خالی پن''** ''معموریت'' کا متضاد نہیں ہوتا ہے، یہ تو فقط کہنے کی حد تک ہی ہوتا ہے کہ تمام اصطلاحات **خالی** ہیں۔ مطلق سچ میں، کوئی اصطلاح اطلاق نہیں رکھتی، تم کچھ بھی نہیں کہہ سکتے ہو۔

گوتم بدھ ہندوؤں سے اس معاملے میں متفق نہیں ہیں کہ حقیقت ست، چت، آنند ہوتی ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ست اس لئے وجود رکھتا ہے کہ است وجود رکھتا ہے، چت اچت کی وجہ سے موجود ہے، آنند دکھ کی وجہ سے موجود ہے۔ ست ہستی ہے، خدا کو موجود نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ تب لاموجود ناگزیر ہے۔ اور لاموجود کہاں وجود رکھے گا؟ خدا کو راحت نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ تب اذیت کا ہونا لازم ہوگا۔

گوتم بدھ کہتے ہیں جو لفظ بھی تم استعمال کرتے ہو وہ بے فائدہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متضاد لازم ہوتا ہے۔ اپنے من میں جھانکو۔۔۔ تب تم زبان استعمال نہیں کرسکو گے، فقط **خامشی**۔ محض خاموشی ہی کے وسیلے سے حقیقت کی نشان دہی ہوسکتی ہے۔ اور جب وہ کہتے ہیں ''تمام اصطلاحات **خالی** ہیں، تمام لفظ **خالی** ہیں، تمام اشیاء **خالی** ہیں، تمام خیال **خالی** ہیں، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ نسبی ہیں۔ نسبیت ایک سپنا ہے۔

کوئی بہتر نہیں ہے، کوئی بدتر نہیں ہے، کوئی گرو نہیں ہے، کوئی چیلا نہیں ہے، کوئی عطا نہیں ہے، کوئی قبولیت نہیں ہے، جو کچھ ہم سوچتے ہیں، دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں حقیقی نہیں ہے۔ ظاہری اشیا حقیقت میں موجود نہیں ہیں۔

یہ ہیں گوتم بدھ کی سب سے زیادہ گہری تعلیمات، لہٰذا ایک بات کا یاد رکھنا ضروری ہے، تم سب سے گہرے لفظوں کو دہرا سکتے ہو، اور ہنوز تم ایک احمق ہی ہو سکتے ہو۔ یہ یاما اوکا احمق ہے۔ وہ گوتم بدھ کے الفاظ کو ویسے کا ویسا ہی دہرا رہا ہے۔

لفظ تمہاری ہستی کے حمال ہوتے ہیں۔ جب گوتم بدھ یکساں لفظ کہتے ہیں تو ان کا مفہوم مختلف ہوتا ہے، ان کی خوشبو مختلف ہوتی ہے۔ لفظ گوتم بدھ کے کسی جزو کے حامل ہوتے ہیں، ان کی ہستی کے کسی جزو کے، اروما کے جو ان کی داخلی ہستی کا ذائقہ ہے۔ ان کے داخلی آہنگ کی موسیقی نہاں ہوتی ہے ان لفظوں میں۔ جب یاما اوکا انہیں دہراتا ہے تو یہ مر جاتے ہیں، باسی اور بے لطف ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی ہے۔ وہ کسی شے کے حمال ہوں گے، وہ یاما اوکا اور اس کے برے نظم کے حمال ہوں گے۔

یاد رکھو، یہ مت سمجھو کہ صرف گیتا کو دہرانے سے کوئی شے وقوع پذیر ہونے کو ہے۔ اگرچہ لفظ یکساں ہوتے ہیں اور کرشن نے وہی لفظ کہے تھے جنہیں تم دہرا رہے ہو۔ دنیا بھر میں ہزاروں لاکھوں عیسائی مبلغین وہی الفاظ دہرا رہے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ نے فرمائے تھے۔ یہ الفاظ مردہ ہوتے ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ انہیں دہرایا ہی نہیں جائے کیونکہ جتنا تم انہیں دہراؤ گے اتنے ہی یہ بے لطف اور باسی ہوتے جائیں گے۔ یہی بہتر ہے کہ انہیں چھوا نہیں جائے کیونکہ تمہارا لمس زہریلا ہے۔ انتظار کرنا بہتر ہے۔

جب تم عیسائی شعور پا جاتے ہو یا کرشن شعور یا بدھ شعور پا جاتے ہو تو پھر تم پھول کی طرح کھلنے لگتے ہو، تب اشیاء تم میں سے نمود کرنے لگتی ہیں۔۔۔ جو کبھی پہلے نہیں ہوئی

تھیں۔ ایک گراموفون ریکارڈ مت بنو۔۔۔ کیونکہ تب تم صرف دہرا ہی سکتے ہو، تاہم اس کا مطلب کچھ بھی تو نہیں ہوتا ہے۔

ڈوکوان خاموشی سے بیٹھے اپنے چرٹ کے کش لگاتے رہے۔۔۔

ایک انتہائی خوبصورت انسان۔۔۔ اس نے پریشان نہیں کیا تھا۔ اس نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی، وہ تو بس اپنے چرٹ کے کش لگاتا رہا تھا۔

یاد رکھو، صرف زین گرو ہی چرٹ پی سکتے ہیں، کیونکہ وہ فریبی نہیں ہوتے ہیں۔ وہ اس امر سے پریشان نہیں ہوتے کہ تم ان کے متعلق کیا سوچتے ہو۔۔۔ نہیں ہوتے ہیں وہ پریشان! وہ اپنے آپ میں مطمئن لوگ ہیں۔ تم کسی جین مُنی کو چرٹ پیتے ہوئے تصور بھی نہیں کر سکتے یا کسی ہندو سنیاسی کو چرٹ کے کش لگاتے ہوئے نہیں سوچ سکتے۔۔۔ ناممکن۔ یہ لوگ اصولوں، ضابطوں کے بندے ہیں۔ انہوں نے خود کو ایک نظم کا پابند بنا رکھا ہے۔ اگر تم نہیں چاہتے ہو تو چرٹ کے کش لگانے کی کوئی حاجت نہیں ہے تاہم اگر تم چاہتے ہو تو خود پر کوئی قدغن مت لگاؤ کیونکہ وہ خواہش کہیں چھپی رہے گی اور تکلیف کا باعث بنے گی۔ اور کیوں؟ اگر تم چرٹ پینا چاہتے ہو تو کیوں نہیں پیتے؟ اس میں کیا قباحت ہے؟ تم ویسے ہی مایا ہو جیسا کہ چرٹ اور تمباکو، اور چرٹ اور تمباکو ویسے ہی حقیقی ہیں جیسے کہ تم ہو۔

لیکن کیوں نہیں؟ اندر سے تم غیر معمولی ہونے کی خواہش رکھتے ہو نہ کہ معمولی ہونے کی۔ چرٹ کا پینا تمہیں بہت معمولی بنا دے گا۔ یہ تو وہی کچھ ہے جو عام لوگ کر رہے ہیں، چرٹ کا پینا، چائے اور کافی نوش کرنا اور ہنسنا اور لطیفہ گوئی کرنا۔۔۔ یہ سب تو عام لوگ کر رہے ہیں۔ تم ایک عظیم ولی ہو۔۔۔ تم کیونکر عام انداز سے عام کام کر سکتے ہو؟ تم تو غیر معمولی ہو۔

غیر معمولی پن کی نمائش کے لئے تم بہت سی چیزیں ترک کر سکتے ہو۔ اگر تم انہیں پسند نہیں کرتے ہو تو ان کو ترک کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ اس امر

کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ تم محض **عام** کہلوانے کے لئے چرٹ پینے پر مجبور کرو، کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ اس طرح ذہن جاتا ہے! اگر تم نہیں چاہتے تو کچھ مت کرو، سنجیدہ پن کا نقاب اوڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پس سادہ ہو جاؤ۔ اگر تم سادہ ہو تو کچھ بھی غلط نہیں ہے، اگر تم سادہ نہیں ہو تو ہر شے غلط ہوتی ہے۔

یہ انسان ڈوکوان ضرور کوئی سادہ انسان رہا ہوگا:

ڈوکوان خاموشی سے اپنا چرٹ پیتا رہا

بڑے دھیانی انداز میں، بڑی سہولت میں، اس فریبی کو سماعت کرتے ہوئے۔۔

اور کچھ نہیں بولے۔ دفعتاً انہوں نے اپنا عصا اٹھایا اور یاماوکا کو
زور سے ضرب لگائی۔

زین گرو ایسے لوگوں کے لئے عصا پاس رکھتے ہیں۔ وہ بہت شریف لوگ ہوتے ہیں تاہم نہایت مصدقہ۔ اور ایسے لوگ ہوتے ہیں جو زبان سے نہیں ڈنڈے کی زبان سے سیکھتے ہیں۔ اگر تم ان سے بات کرو گے تو وہ نہیں سنیں گے، وہ مزید باتیں بھی بنائیں گے۔ انہیں صدماتی علاج کی ضرورت ہے۔

دفعتاً انہوں نے اپنا عصا اٹھایا اور یاماوکا کو ایک زور دار ضرب
لگائی،
یاماوکا مشتعل ہو کر اچھلا۔
ڈوکوان نے کہا "جب یہ سب اشیاء حقیقتاً وجود نہیں رکھتی ہیں اور
تمام **خالی پن** ہے تو تمہارا غصہ کہاں سے آیا؟ اس کے
بارے میں غور کرو۔"

ڈوکوان نے ایک صورتِ حال تخلیق کی تھی۔ اور محض صورتِ حال ہی انکشاف انگیز ہوا کرتی ہیں۔ وہ کہہ سکتے تھے "جو کچھ بھی تم کہہ رہے ہو مستعار معلومات ہیں۔" تو

اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ ان کے سامنے جو شخص بیٹھا تھا وہ گہری نیند میں تھا۔ صرف گفتگو سے وہ نیند سے باہر نہیں آ سکتا تھا، بلکہ اس طرح تو اس کی نیند طوالت پکڑ سکتی تھی، وہ بحث پر اتر سکتا تھا۔ ایسا کرنے کی بجائے ڈوکوان نے درست اقدام کیا، انہوں نے عصا سے زور کی ضرب لگائی۔۔۔ اچانک، کیونکہ یاماوکا اس کے لئے تیار نہیں تھا، ضرب غیر متوقع طور پر لگی۔ یہ اس قدر اچانک تھی کہ وہ اس کے مطابق اپنا کردار متعین نہیں کر پایا، وہ کوئی جھوٹا پوز بھی نہیں بنا پایا۔ ایک لمحے کے لئے تو۔۔۔ ضرب پڑی ہی اچانک تھی۔۔۔ نقاب اتر گیا، اور حقیقی چہرہ برآمد ہو گیا۔ محض گفتگو سے تو یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ ڈوکوان بہت رحم دل واقع ہوئے تھے۔ محض ایک لمحے کے لئے غصہ چھلکا اور حقیقت باہر آ گئی۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہر شے **خالی** ہے تو پھر تم مشتعل کیونکر ہو سکتے ہو؟ غصہ آیا تو کہاں سے؟ کون غصے میں ہوگا، اگر بدھا تک نہیں ہے، تم نہیں ہو، کچھ بھی نہیں، محض **خالی پن** ہی وجود رکھتا ہے؟ **خالی پن** میں، غصہ کیونکر ممکن ہے؟

ڈوکوان نے جو کیا وہ یاماوکا کو آگہی عطا کرنے کے لئے تھا۔ اور اس کے لئے انہوں نے زور دار ضرب استعمال کی۔ ایک صورتِ حال مطلوب ہوتی ہے کیونکہ صورتِ حال میں تم دفعتاً حقیقی ہو جاتے ہو، خواہ تم کچھ بھی ہو۔ اگر الفاظ اجازت دیتے، اگر ڈوکوان بولتا اور کہتا "یہ غلط ہے اور وہ صحیح ہے" تو وہ ذہن کے تسلسل کی امداد کرتا۔ تب ایک مکالمہ ہونا تھا، مگر بے فائدہ و لا حاصل۔ وہ ایک دھچکا (شاک) لگاتا ہے، وہ تمہیں واپس اپنی حقیقت میں لے آتا ہے۔ دفعتاً تمام خیالات غائب ہو جاتے ہیں، یاماوکا یاماوکا ہوتا ہے، نہ کہ ایک بدھا۔ وہ ایک بدھ کی طرح گفتگو کر رہا تھا اور محض ایک ضرب سے، بدھا غائب ہو جاتا ہے اور یاماوکا نمودار ہوتا ہے۔۔۔ مشتعل۔

ڈوکوان نے کہا "جب یہ چیزیں حقیقتاً وجود نہیں رکھتیں اور سب خالی
پن ہے، یاماروکا، تو تمہارا غصہ کہاں سے آیا؟ ذرا اس پر غور کرو۔"

''بدھا کے متعلق مت گفتگو کرو، اور حقیقت کے متعلق باتیں نہیں کرو، اور سچ کے متعلق بحث مت کرو۔۔۔ اس غصے کے بارے میں سوچو اور سوچو یہ کہاں سے آیا۔''

اگر تم حقیقتاً غصے کے متعلق سوچتے ہو کہ آیا کہاں سے ہے تو، یہ تو تم **خالی پن** تک پہنچ جاؤ گے۔

اگلی مرتبہ، جب تم غصے میں آؤ۔۔۔ یا اگر تم غصے میں نہیں آ سکتے تو پھر میرے پاس آنا، میں تمہیں ایک زور دار ضرب لگاؤں گا۔ میں دینا جاری رکھوں گا، تاہم میری ضربیں ڈوکوان کی نسبت زیادہ نفیس ہیں۔ میں حقیقی عصا استعمال نہیں کرتا۔۔۔ اس کی ضرورت ہی نہیں، تم اس قدر غیر حقیقی ہو کہ کسی حقیقی عصا کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے جسمانی طور پر تمہیں ضرب لگانا مطلوب نہیں تاہم روحانی طور پر میں تمہیں ضربیں لگاتا رہوں گا۔ میں ایسی صورتِ حالات تخلیق کرنا جاری رکھوں گا جو تمہیں بدھا پن سے واپس یا ماوکا پن کی طرف لے آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا ماوکا تمہارے اندر حقیقی ہے جبکہ بدھا محض ایک نقاب ہے۔ اور یاد رکھو، یا ماوکا کو زندہ رہنا ہے، نقاب نے نہیں، یا ماوکا نے سانس لینا ہے، نقاب نے نہیں، یا ماوکا نے غذا کو ہضم کرنا ہے، نقاب نے نہیں، یا ماوکا محبت میں گرفتار ہو گا، یا ماوکا مشتعل ہو گا، یا ماوکا کو مرنا ہو گا، نقاب کو نہیں۔۔۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم نقاب سے نجات پاؤ اور واپس یا ماوکا پن کی طرف آؤ۔

یاد رکھو، بدھا نقاب نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر یا ماوکا خود میں گہرا جانا جاری رکھتا ہے تو وہ اپنے من کی گہرائیوں میں پائے گا بدھا کو۔ اور اپنے اندر گہرا اترنا کیونکر ممکن ہے؟ اندر سے نمود کرنے والی شے کی پیروی کرو، اس کے پیچھے پیچھے چلو، غصہ آ چکا ہے؟۔۔۔ اپنی آنکھیں بند کرو، یہ ایک خوب صورت لمحہ ہے، کیونکہ غصہ اندر سے آیا ہے۔۔۔ تمہاری ہستی کے عین مرکز سے آیا ہے یہ، لہٰذا بالکل پیچھے دیکھو، بڑھو، بس وہیں دیکھو جہاں سے یہ آیا ہے۔

تم کیا عمومی طور پر کرو گے۔۔۔ اور کیا اس یا ماوکا نے کیا ہے۔ سوچنا ہو گا کہ

غصہ تخلیق ہوا ہے اس ڈوکوان کے باعث۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے تمہیں زور دار ضرب رسید کی ہے، جس کی وجہ سے غصہ تخلیق ہوا۔ تمہیں ڈوکوان کی طرف دیکھنا ہو گا ایک سرچشمے کے مانند۔ ڈوکوان کوئی سرچشمہ تھوڑا ہے، ہو سکتا ہے اس نے تمہیں زور دار ضرب لگائی ہو تاہم وہ سرچشمہ نہیں ہے۔۔۔ اگر وہ بدھا کو زور دار ضرب لگاتا تو وہ غصے میں نہیں آتے۔۔۔ یہ تو یا ماوکا ہے نا۔

پیچھے چلو، سرچشمے کے لئے خارج میں مت دیکھو، بصورتِ دیگر یہ خوب صورت لمحہء اشتعال کھو جائے گا۔۔۔ اور تمہاری زندگی اتنی چھوٹی ہو جائے گی کہ تم ایک پل ہی میں دوبارہ اپنا نقاب اوڑھ لو گے اور تم مسکراؤ گے اور تم کہو گے ''ہاں، گرو جی! آپ نے بہت اچھا کیا۔''

جھوٹا جلدی لوٹ آیا کرتا ہے۔ لہٰذا لمحے کو ضائع مت کرو۔ جب غصہ آ گیا ہو تو جھوٹ کی آمد سے قبل بس ایک ہی پھسلتا ہوا پل ہوتا ہے اور غصہ سچا ہے، یہ تمہارے کلام سے کہیں سچا ہوتا ہے۔۔۔ بدھا کے الفاظ تمہاری زبان پر، جھوٹے ہوتے ہیں۔ تمہارا غصہ سچا ہے کیونکہ یہ تم سے متعلق ہوتا ہے، جو کچھ بھی تم سے متعلق ہے سچا ہے۔ پس تلاش کرو اس غصے کا مرکز، آ کہاں سے رہا ہے یہ بند کرو اپنی آنکھیں اور اندر بڑھو، قبل اس کے کہ یہ کھو جائے سرچشمے کو لوٹ چلو۔۔۔ اور تم **خالی پن** تک پہنچ جاؤ گے۔ مزید پیچھے چلو، مزید اندر بڑھو، زیادہ گہرا، اور ایک لمحہ ایسا آئے گا جب غصہ نہیں رہے گا۔ اندر، مرکز میں غصہ وصہ کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اب بدھا ایک چہرہ، ایک نقاب بھی نہیں رہا۔ اب کوئی شے حقیقی سرایت کر رہی ہے۔

آیا کہاں سے ہے غصہ؟ یہ تمہارے مرکز سے تو کبھی نہیں آتا، یہ انا سے برآمد ہوتا ہے۔۔۔ اور انا ایک جھوٹی ہستی ہے۔ اگر تم گہرے اترو گے تو تم پاؤ گے کہ یہ محیط سے آیا ہے، مرکز سے نہیں۔ یہ مرکز سے آ ہی نہیں سکتا، مرکز میں تو **خالی پن** ہوتا ہے، **مطلق خالی پن** ۔ یہ صرف اور صرف انا سے آتا ہے، اور انا ایک مصنوعی ہستی ہے جسے معاشرے نے تخلیق کیا ہے، یہ تو ایک نسبت ہے، ایک شناخت۔ دفعتاً تمہیں زور

دار ضرب لگتی ہے، اور انا زخمی محسوس کرتی ہے، غصہ آ موجود ہوتا ہے۔ اگر تم کسی کی مدد کرتے ہو، کسی کے لئے مسکراتے ہو، کسی کی تعظیم میں جھکتے ہو، اور وہ مسکراتا ہے تو یہ مسکراہٹ انا سے جنم لیتی ہے۔ اگر تم تحسین کرتے ہو، کسی کو داد دیتے ہو، اگر تم ایک عورت سے کہتے ہو "کس قدر حسین ہو تم!" اور وہ مسکراتی ہے تو یہ مسکراہٹ انا سے جنم لیتی ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکز میں تو نہ حسن و جمال ہے اور نہ ہی بدصورتی اور بدنمائی۔ مرکز میں تو وجود رکھتا ہے مطلق خالی پن، ان ات، لانفسی۔۔۔ اور اس مرکز کو حاصل کرنا ہوگا۔

جب ایک دفعہ تم اس کو جان لیتے ہو تو تم ایک لاوجود کے مثل حرکت کرتے ہو۔ کوئی بھی تمہیں غصہ نہیں دلا سکتا، کوئی بھی تمہیں خوش، ناخوش یا پریشان حال نہیں کر سکتا۔ ناں، اس خالی پن میں تمام دہرے پن معدوم ہو جاتے ہیں، خوش، ناخوش، پریشان حال، باسعادت،۔۔۔ سب معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ ہوتا ہے بدھا پن۔ یہ ہے جو بودھی درخت کے تلے گوتم سدھارتھ کے ساتھ وقوع پذیر ہوا تھا۔ وہ **خالی پن** تک رسائی پا گیا۔ تب ہر شے خاموش ہوگئی۔ تم تضادات سے ماورا ہو چکے ہو۔

ایک گرو نے تمہارے اندر کے **خالی پن** اندر کی خاموشی، اندر کے معبد، تک پہنچنے میں تمہاری مدد کرنی ہے، اور گرو کو طریقے وضع کرنے ہیں۔ صرف زین گرو ہی پیٹتے ہیں، بعض اوقات وہ کسی شخص کو کھڑکی سے باہر پھینک دیتے ہیں، یا وہ ان پر چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ کیونکہ تم اس قدر جھوٹے ہو چکے ہو کہ اس طرز کا خوف ناک طریقہ ضروری ہے۔۔۔ اور خصوصاً جاپان میں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپان تو بہت ہی زیادہ مصنوعی، جھوٹا ہے۔

جاپان میں، ایک مسکراہٹ تصویروں کی سی مسکراہٹ ہوتی ہے۔ ہر شخص مسکراتا ہے۔۔۔ یہ محض ایک عادت ہے، جہاں تک معاشرے کا تعلق ہے تو ایک خوب صورت عادت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم ڈرائیونگ کر رہے ہو اور ٹوکیو کی کسی سڑک پر تم کسی فرد سے ٹکرا جاتے ہو تو وہ کچھ ہوگا جو پہلے کبھی کہیں واقع نہیں ہوا ہوگا، وہ شخص مسکرائے

گا اور جھکے گا اور شکریہ ادا کرے گا۔ صرف جاپان ہی میں ایسا ہو سکتا ہے، اور کہیں نہیں۔ اگر تم جاپانی ہو تو وہ کہے گا، "یہ میری غلطی ہے۔" اور تم کہو گے "یہ میری غلطی ہے"۔ دونوں ہی کہیں گے "یہ میری غلطی ہے" اور دونوں ہی جھکیں گے اور مسکرائیں گے اور اپنی اپنی راہ لیں گے۔ ایک اعتبار سے یہ اچھا ہے، کیونکہ ایک دوسرے پر غصے ہونے اور چیخنے چلانے اور ہجوم اکٹھا کرنے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ کیا کوئی فائدہ ہے؟

اپنے بچپن ہی سے جاپانیوں کو ہمیشہ مسکرانے کی عادت سکھائی جاتی ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں انہیں بہت عیار سمجھا جاتا ہے۔ تم ان پر اعتبار نہیں کر سکتے کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے محسوسات ہیں کیا؟ تم نہیں جان سکتے کہ ایک جاپانی کیا محسوس کرتا ہے، وہ کبھی کسی شے کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیتا۔

یہ ہے ایک انتہا: ہر شے جھوٹی، تصویروں جیسی۔ لہٰذا زین گروؤں کو ایسے خوف ناک طریقے وضع کرنا پڑے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف انہی کے ذریعے جاپانی نقاب اتر سکتی ہے، بصورتِ دیگر یہ تو پڑی ہی رہتی ہے، یہ قریباً ان کی جلد بن چکی ہے، گویا جلد پر منقش ہو۔

اب یہ ساری دنیا کے ساتھ واقع ہو رہا ہے، صرف جاپان ہی میں نہیں۔ ہو سکتا ہے درجے مختلف ہوں تاہم اب یہ ساری دنیا میں مروج ہو چکا ہے۔ ہر شخص مسکراتا ہے، ہنستا ہے، نہ کوئی ہنسی سچی ہے، نہ ہی کوئی مسکراہٹ۔ ہر شخص ایک دوسرے کے متعلق اچھی باتیں کہہ رہا ہے، کوئی بھی ان پر یقین نہیں کرتا، یہ محض ایک سماجی آداب بن چکا ہے۔

تمہاری شخصیت ایک سماجی مظہر ہوتی ہے۔ تمہاری ہستی اس شخصیت کے نیچے کہیں گہرائی میں دفن ہوتی ہے۔ تمہیں دھچکے (شاک) کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ شخصیت کی پرتیں کشادہ ہوں یا چند لمحوں کے لئے تم اس سے مزید ہم آہنگ نہیں رہو اور تم مرکز تک پہنچ پاؤ۔ جہاں ہر شے **خالی** ہوتی ہے۔

مراقبے کا تمام فن ہے شخصیت کو کیونکر سہولت کے ساتھ ترک کیا جائے، مرکز کی

طرف بڑھا جائے اور **ایک شخص** نہ رہا جائے۔ محض **ایک شخص** ہونا یا نہیں ہونا ہی مراقبے کا کُل فن ہے، داخلی مسرت کا کُل فن۔

☆☆☆☆

﴿باب نمبر 3﴾

غصہ

سب سے اذیت ناک انسانی خامی "غصے" کے حوالے سے گرورجنیش کے نادر ونایاب تصورات اور نظریات، ایک بے حد دلچسپ اور افادیت سے معمور لیکچر

.......غصے کے لئے باہر نکلنا بہتر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زہر کو نکال دینا ضروری ہے۔

.......معاشرہ کہتا ہے "خود پر قابو رکھو" جبکہ قابو کرنے کے دوران میں ساری منفی چیزوں کو لاشعور میں گہرا سے گہرا پھینک دیا جاتا ہے اور پھر وہ تمہارے اندر ایک مستقل شے بن جاتی ہیں۔

.......تم غصے میں ہو، کیونکہ تم نے بہت زیادہ غصے کو دبایا ہے۔ اب تم ہر لمحہ غصے میں رہتے ہو۔ تمہاری ساری ہستی دبانے کے عمل سے زہریلی ہوگئی ہے۔

.......دبائے ہوئے غصے میں لوگ زیادہ کھاتے ہیں۔۔۔ زیادہ کھانا تشدد ہے، غصہ ہے۔

.......دبانے سے ذہن منقسم ہو جاتا ہے۔ جو حصہ تم قبول کرتے ہو وہ شعور بن جاتا ہے اور جو حصہ تم مسترد کرتے ہو وہ لاشعور بن جاتا ہے۔

.......معاشرہ تمہیں قابو کرنا سکھاتا ہے، قلبِ ماہیئت نہیں سکھاتا۔

.......غصہ محض ذہنی قے ہے۔

......معاشرہ تمہیں قابو پانا اور مذمت کرنا ہی سکھاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بچہ اسی وقت قابو پائے گا جب وہ کسی شے کو قابلِ مذمت محسوس کرے گا۔

......حساسیت آگہی کے ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ قابو پانے سے تو تم کند اور مردہ ہو جاتے ہو۔

......غصہ خوب صورت ہے، جنس خوب صورت ہے۔ تاہم خوب صورت چیزیں بدنما ہو سکتی ہیں، اس کا انحصار تم پر ہے۔

ایک زین طالب علم بانکی سے ملنے آیا اور بولا: ''گرو جی میرا غصہ بڑا ہی منہ زور ہے، میں کیونکر اس کا علاج کر سکتا ہوں؟''

''ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ نا یہ غصہ'' بانکی نے کہا ''اس کی آواز بڑی مسحور کن ہوتی ہے۔''

''میں فی الحال تو غصہ لا نہیں سکتا'' طالبِ علم بولا ''لہٰذا میں اسے آپ پر کیونکر ظاہر کر سکتا ہوں۔''

''تب پھر جب یہ آئے، تب اسے مجھے دکھانا۔'' بانکی نے کہا۔

''لیکن میں اسے جب یہ آئے ٹھیک اسی وقت نہیں لا سکتا۔'' طالبِ علم نے عذر پیش کیا ''یہ غیر متوقع طور پر ابھرتا ہے اور میں اسے آپ تک لاتے لاتے یقیناً گنوا بیٹھوں گا۔''

''اس صورت میں یہ تمہاری فطرت کا جزو نہیں ہو سکتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو تم مجھے ہر وقت اسے دکھا سکتے۔ جب تم پیدا ہوئے ہو تو تم اس کے حامل نہیں تھے، اور تمہارے والدین نے بھی تمہیں نہیں دیا ۔۔۔ لہٰذا یہ لازماً خارج سے تم میں آیا ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ جب کبھی یہ ابھرے، تم خود کو ایک چھڑی سے اس وقت تک پیٹو جب تک غصہ رفو چکر نہ ہو جائے۔''

سچی فطرت ہی تمہاری ابدی فطرت ہے۔ تم اس کے حامل نہیں ہو سکتے ہو اور نہ ہی تم ہو، یہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو آتی اور جاتی ہو۔۔۔ یہ تو تم ہو۔ یہ کیونکر آ اور جا سکتا ہے؟ یہ تو تمہاری ہستی ہے۔ یہ تو تمہاری عین اساس ہے۔ یہ کبھی کبھار نہیں ہو سکتی، اور نہ کبھی کبھار ہوتی ہے، یہ تو سدا رہتی ہے۔

لہٰذا سچ کے متلاشی کا معیار ہونا چاہیے فطرت، تاؤ: کہ ہمیں اپنی ہستی کی طرف آنا ہو گا جو ہمیشہ ہمیش رہتی ہے۔۔۔ حتیٰ کہ تمہاری پیدائش سے قبل بھی یہ موجود تھی اور یہاں تک کہ تم مر جاؤ گے تو بھی یہ ہو گی۔ یہ تو مرکز ہے۔ محیط تبدیل ہوتا ہے، مرکز قطعی طور پر غیر متبدل رہتا ہے، یہ تو وقت سے ماورا ہے۔ کوئی شے اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے، کوئی شے اس کی تجدید نہیں کر سکتی ہے، کوئی شے حقیقت میں اسے چھو تک نہیں سکتی ہے، یہ خارج کی تمام دنیا کی پہنچ سے ماورا ہوتی ہے۔

سمندر کو جاؤ اور اس کا نظارہ کرو۔ وہاں لاکھوں لہریں ہوتی ہیں تاہم اپنی گہرائی میں سمندر پرسکون اور خاموش ہوتا ہے، گہرے مراقبے میں، افراتفری تو محض سطح ہی پر ہوتی ہے، صرف سطح پر جہاں سمندر خارجی دنیا سے، ہواؤں سے ملتا ہے۔ بصورتِ دیگر بذاتِ خود یہ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے، ہلکا سا ارتعاش بھی نہیں ہوتا، کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

ایسا ہی تم پر صادق آتا ہے۔ محض سطح پر ہی جہاں تم دوسروں سے ملتے ہو، افراتفری ہوتی ہے، اندیشگی (اینگزائٹی) غصہ، طمع، لالچ، ہوس۔۔۔ سب محض سطح پر ہوتا ہے جہاں ہوائیں آتی ہیں اور تمہیں چھوتی ہیں ۔۔۔ اور اگر تم سطح پر ہی رہو گے تو تم اس تغیر آشنا مظہر کو تبدیل نہیں کر سکتے، یہ وہیں کی وہیں ہو گی۔

بہت سے لوگوں نے اسے محیط میں بدلنے کی کوشش کی۔ وہ اس سے لڑے، اور کوشش کی کہ ایک لہر بھی پیدا نہ ہو۔ اور اپنی جنگ کی وجہ سے مزید لہریں پیدا کر بیٹھے، کیونکہ جب سمندر ہواؤں سے لڑتا ہے تو مزید افراتفری پیدا ہوتی ہے، اب نہ صرف ہوا اس میں اضافہ کر رہی ہے بلکہ سمندر بھی شامل ہو گیا ہے۔۔۔ سطح پر حیرت ناک انتشار ہوتا ہے۔

تمام اخلاق پرست انسان کو محیط میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تمہارا کردار محیط ہے، تم دنیا میں کوئی کردار لے کر نہیں آتے ہو، تم مکمل طور پر بے کردار پیدا ہوتے ہو، ایک سادہ صفحہ اور جسے تم اپنا کردار کہہ کر پکارتے ہو وہ دوسروں کی تحریر ہوتی ہے۔ تمہارے والدین، معاشرہ، اساتذہ، تعلیمات ۔۔۔ سب اثر انداز ہوتے ہیں۔ تم ایک سادہ صفحے کے طور پر آتے ہو، لہٰذا جب تک تم دوبارہ سادہ صفحہ نہیں بن جاتے ہو تم فطرت کے متعلق کچھ بھی نہیں جان پاؤ گے، تم برہما کے متعلق نہیں جان پاؤ گے، تم تاؤ کے متعلق نہیں جان پاؤ گے۔

لہٰذا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ایک مضبوط کردار کیونکر پیدا کیا جائے، نہ ہی مسئلہ یہ ہے کہ بے اشتعالی کی کیفیت کیونکر پیدا کی جائے ۔۔۔ نہیں، مسئلہ یہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تمہارے شعور کو محیط سے مرکز تک کیونکر تبدیل کیا جائے۔ تب تم دفعتاً ملاحظہ کرو گے کہ تم سدا پرسکون رہے ہو۔ تب تم محیط کو ایک فاصلے سے دیکھ پاؤ گے اور فاصلہ اس قدر وسیع ہو گا، لامنتہی کہ تم اس طرح مشاہدہ کرو گے گویا یہ تمہارے ساتھ واقع نہیں ہو رہا ہے۔ حقیقت میں یہ تمہارے ساتھ کبھی ہوتا بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جب تم اس میں مکمل طور پر کھو جاتے ہو تو بھی یہ تمہارے ساتھ نہیں ہو رہا ہوتا، تمہارے اندر کوئی شے محفوظ رہتی ہے، تمہارے اندر کوئی شے ماورا ہی رہتی ہے، تمہارے اندر کوئی شے ایک شاہد رہتی ہے۔

لہٰذا ایک متلاشی کی ساری دشواری یہ ہے کہ اپنی توجہ کو محیط سے مرکز کی طرف کیونکر منتقل کرے، اس میں کیونکر جذب ہو جو غیر متبدل ہے، اور اس سے شناخت نہ ہو جو صرف ایک حد بندی ہے۔ حد بندی پر دوسرے بہت اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ حد پر تبدیلی فطری ہے۔ محیط تبدیل ہوتا رہتا ہے ۔۔۔ حتیٰ کہ گوتم بدھ کا محیط بھی تبدیل ہوتا ہے۔

ایک بدھ میں اور تم میں فرق کردار کا نہیں ہوتا ہے ۔۔۔ اس بات کو یاد رکھو، یہ

اخلاقیات کا فرق نہیں ہوتا ہے، یہ فرق تو تمہاری اساس کا ہوتا ہے۔ تمہاری اساس محیط میں ہے، ایک بدھ کی اساس مرکز میں ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہی محیط کو ایک فاصلے سے دیکھ سکتا ہے، جب تم اسے مارو گے تو وہ اسے یوں دیکھے گا گویا تم نے کسی دوسرے شخص کو مارا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکز بہت دور ہوتا ہے۔ یہ اس طرح ہوتا ہے گویا وہ ایک ناظر ہے اور پہاڑ پر کھڑا ہے جبکہ وادی میں کچھ رونما ہو رہا ہے اور وہ اسے دیکھ سکتا ہے۔ یہ ہے وہ پہلی شے جس کا سمجھ لیا جانا ضروری ہے۔

دوسری چیز: قابو کرنا بہت آسان ہوتا ہے، قلبِ ماہیئت بہت دشوار ہوتی ہے۔ قابو کرنا بہت سہل ہے۔ تم اپنے غصے پر قابو پا سکتے ہو، تاہم تم کیا کرو گے؟ تم اس کو دبا دو گے۔ اور کیا وقوع پذیر ہوتا ہے جب تم کسی خاص شے کو دبا دیتے ہو تو؟ اس کی حرکت کی سمت تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ باہر جا رہی تھی اور اگر تم اسے دباتے ہو تو اس نے اندر کا رخ کر لیا۔۔۔ صرف اس کی سمت ہی تبدیل ہوئی ہے۔

اور غصے کے لئے باہر نکلنا بہتر تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ زہر کو نکال دینا ضروری ہے۔ غصے کا اندر کی طرف جانا برا ہوتا ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ اس سے تمہارا سارا جسمانی و ذہنی نظام مسموم ہو گیا ہے۔ اور اگر تم ایسا طویل عرصے تک جاری رکھو تو ۔۔۔ جیسا کہ ہر شخص کر رہا ہے، کیونکہ معاشرہ قابو کرنا سکھاتا ہے، قلبِ ماہیئت کرنا نہیں۔

معاشرہ کہتا ہے "خود پر قابو رکھو" اور قابو کرنے کے دوران میں ساری منفی چیزوں کو لاشعور میں گہرا سے گہرا پھینک دیا جاتا ہے اور پھر وہ تمہارے اندر ایک مستقل شے بن جاتی ہیں۔ اور پھر یہ تمہارے کبھی غصے میں ہونے اور کبھی غصے میں نہ ہونے کا سوال بن جاتا ہے ۔۔۔ تم بس غصہ ور ہو جاتے ہو۔ بعض اوقات تم پھٹ پڑتے ہو اور بعض اوقات تم نہیں پھٹتے کیونکہ کوئی بہانہ نہیں ہوتا، یا تم نے کوئی بہانہ ڈھونڈ لیا ہوتا ہے۔ اور یاد رکھو تم کوئی بہانہ ہر کہیں پا سکتا ہو!

ایک آدمی، میرا ایک دوست اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا، لہٰذا اس نے ایک وکیل سے رابطہ کیا جو ازدواجی معاملات و مسائل کا ماہر تھا اور اس نے وکیل سے کہا

''میں اپنی بیوی کو کن بنیادوں پر طلاق دے سکتا ہوں۔''

وکیل نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا ''کیا تم شادی شدہ ہو؟''

آدمی نے کہا ''ہاں، بالکل۔''

وکیل بولا: ''شادی کی ہی بنیاد کافی ہے۔'' دوسری کسی بنیاد کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر تم طلاق دینا چاہتے ہو تو پھر شادی وہ واحد شے ہے جس کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی عورت کو طلاق دینا ناممکن ہوگا اگر تم غیر شادی شدہ ہو۔ اگر تم شادی شدہ ہو۔۔۔ تو کافی ہے!

اور یہ ہے صورتِ حال تم غصے میں ہو۔ کیونکہ تم نے بہت زیادہ غصے کو دبایا ہے، اب تم ہر لحہ غصے میں رہتے ہو۔ تمہاری ساری ہستی دبانے کے عمل سے زہریلی ہوگئی ہے۔ تم غصے میں کھاتے ہو۔۔۔ اور جب کوئی شخص غصے کے بغیر کھانا کھاتا ہے تو اس کی کیفیت و خاصیت ہی مختلف ہو جاتی ہے۔ اس کو دیکھنا بھی بہت بھلا لگتا ہے، کیونکہ وہ غیر متشددانہ انداز میں کھانا کھاتا ہے۔ ممکن ہے وہ گوشت کھا رہا ہو تاہم وہ غیر متشددانہ انداز میں کھاتا ہے۔ ہوسکتا ہے تم صرف سبزیاں اور پھل ہی کھاتے ہو تاہم اگر غصہ دبایا ہوا ہے تو تم متشدد ہو جاؤ گے۔

فقط کھانے کے ذریعے تمہارے دانت، تمہارا منہ غصے کا اظہار کرتے ہیں۔ تم خوراک کو یوں چباتے ہو گویا دشمن ہے۔ اور یاد رکھو، جب کبھی جانور غصے میں ہوتے ہیں تو کیا کرتے ہیں وہ؟ فقط دو چیزیں ہی ممکن ہوسکتی ہیں۔۔۔ ان کے پاس ہتھیار نہیں ہوتے نہ ہی ان کے پاس کوئی ایٹم بم ہے، وہ کیا کر سکتے ہیں؟ یا تو اپنے ناخنوں سے یا اپنے دانتوں سے تم پر تشدد کریں گے۔

یہ جسم کے قدرتی ہتھیار ہیں۔۔۔ ناخن اور دانت۔ تمہارے لئے اپنے ناخنوں سے کام لینا دشوار ہے کیونکہ لوگ کہیں گے ''کیا تم جانور ہو؟'' لہٰذا اب تمہارے پاس غصے یا تشدد کے اظہار کے لئے جو چیز بچ رہی ہے وہ ہے تمہارا منہ۔۔۔ اور یہ بھی ہے کہ تم کسی کو دانتوں سے کاٹ نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں ''دانت کاٹی روٹی'' وغیرہ۔ تم کھانا تشدد کے ساتھ کھاتے ہو گویا غذا تمہاری دشمن ہے۔ اور یاد رکھو، جب غذا

دشمن ہوتی ہے تو یہ تمہیں صحت مند نہیں بناتی، تمہاری نشوونما نہیں کرتی یہ ہر اس شے کی نشوونما کرتی ہے جو تم میں باطل ہے۔ دبائے ہوئے غصے میں لوگ زیادہ کھاتے ہیں، وہ غیر ضروری چکنائی اپنے جسم میں جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔۔۔ اور تم نے توجہ کی ہے کبھی کہ موٹے لوگ ہر وقت مسکراتے رہتے ہیں؟ غیر ضروری طور پر، یہاں تک کہ بے وجہ بھی، یہ تو نقاب ہے، وہ اپنے غصے اور تشدد سے بہت ڈرے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی لئے وہ مستقل طور پر مسکراہٹ کو چہرے پر سجائے رکھتے ہیں۔۔۔ اور مزید کھاتے چلے جاتے ہیں۔ زیادہ کھانا تشدد ہے، غصہ ہے۔ اور تب یہ ہر راستے سے نکلتا ہے، تمہاری زندگی کے ہر شعبے میں۔ تم محبت کرو گے تو یہ محبت سے زیادہ تشدد ہوگی۔ اس میں زیادہ جارحیت ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے ایک کو دوسرے سے محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ کیا ہو رہا ہے اور تم جان بھی نہیں سکتے کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے کیونکہ تم ہر وقت بے انتہا جارحیت میں ہوتے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ محبت کے ذریعے گہرا اختلاط ناممکن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تم اندر گہرائی میں خوف زدہ ہوتے ہو کہ اگر تم مکمل طور پر بے قابو ہو گئے ہو تو ہوسکتا ہے تم اپنی بیوی یا محبوبہ کو قتل کر بیٹھو، یا ہوسکتا ہے عورت اپنے خاوند یا محبوب کو قتل کر بیٹھے۔ تم اپنے ہی غصے سے خوف زدہ ہو!

اگلی مرتبہ محبت کرو تو دیکھنا کہ تم وہی حرکات کرو گے جو تم جارحیت میں کرتے ہو۔ چہرے کو دیکھو اور گرد آئینے لگا دو تا کہ تم دیکھ سکو کہ تمہارے چہرے پر کیا رونما ہو رہا ہے! غصے اور جارحیت کی تمام تباہ کاریاں چہرے پر ہوں گی۔

کھانا کھاتے ہوئے تم غصے میں آ جاتے ہو۔ کسی شخص کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھو۔ کسی شخص کو محبت کرتے ہوئے دیکھو۔۔۔ غصہ بہت گہرا اتر گیا ہے حتیٰ کہ محبت میں بھی، حالانکہ یہ ایسی سرگرمی ہے کہ جو غصے کا متضاد ہے۔ یہ بھی مسموم ہوگئی ہے۔ پھر تم محض دروازہ کھولتے ہو اور سامنے غصہ ہوتا ہے، تم میز پر ایک کتاب رکھتے ہو اور غصہ وہاں ہوتا ہے، تم جوتے اتارتے ہو اور غصہ وہاں ہوتا ہے، تم ہاتھ ملاتے ہو اور غصہ وہاں ہوتا ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تم مجسم غصہ ہو۔

دبانے سے ذہن منقسم ہو جاتا ہے۔ جو حصہ تم قبول کرتے ہو وہ
شعور بن جاتا ہے، اور جو حصہ تم مسترد کرتے ہو وہ لاشعور بن جاتا
ہے۔ یہ تقسیم فطری نہیں ہے، یہ تقسیم دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوئی
ہے۔ اور تم لاشعور میں ہر وہ کچرا پھینکتے جاتے ہو جس کو معاشرہ
مسترد کرتا ہے۔۔۔ تاہم یاد رکھو، جتنا کچھ تم لاشعور میں پھینکتے ہو
وہ تمہارا ہی جزو بن جاتا ہے، یہ تمہارے ہاتھوں میں چلا جاتا
ہے، تمہاری ہڈیوں میں چلا جاتا ہے، تمہارے خون میں چلا جاتا
ہے، تمہاری دھڑکن میں چلا جاتا ہے۔ اب ماہرینِ نفسیات کہتے
ہیں کہ اسی فیصد بیماریاں دبائے گئے جذبات کی وجہ سے پیدا ہوتی
ہیں۔ بہت زیادہ دل کے دوروں کا مطلب ہے بہت زیادہ غصہ
دلوں میں دبایا گیا ہے۔ بہت زیادہ نفرت، جس نے دلوں کو مسموم
کر دیا ہے۔

کیوں؟ انسان کیوں اتنا دباتا ہے اور بیمار ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ
تمہیں قابو پانا سکھاتا ہے، قلبِ ماہیئت کرنا نہیں سکھاتا، اور قلبِ ماہیئت کا انداز بالکل
مختلف ہے، ایک بات ہے کہ یہ بہرحال قابو کرنے یا پانے کا انداز نہیں ہے، یہ تو اس
کے الٹ ہوتا ہے۔

پہلی بات: قابو پانے میں تم دباتے ہو، قلبِ ماہیئت میں ظاہر کرتے ہو۔ تاہم
کسی شخص پر ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے کیونکہ "کوئی شخص" تو محض غیر متعلق
ہے۔ اگلی مرتبہ تم خود کو غصے میں محسوس کرو تو اپنے مکان کے گرد دوڑتے ہوئے سات
چکر لگاؤ اور اس کے بعد درخت تلے بیٹھ جاؤ اور دیکھو کہ تمہارا غصہ کدھر چلا گیا ہے۔ تم
نے اسے دبایا نہیں، تم نے اس پر قابو نہیں پایا، تم نے اس کو کسی شخص پر نہیں نکالا۔۔۔
کیونکہ اگر تم کسی شخص پر غصہ نکالتے ہو تو ایک زنجیر تخلیق ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ
دوسرے بھی اتنے ہی بے وقوف ہیں جتنے تم ہو، اتنے ہی بے شعور ہیں جتنے تم ہو۔ اگر تم
اسے دوسرے پر نکالتے ہو اور دوسرا کوئی صاحبِ بصیرت شخص ہے تو کوئی مسئلہ نہیں، وہ

تمہیں اس کو نکالنے، اس سے چھٹکارا پانے اور کتھارسس میں تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن
دوسرا بھی اتنا ہی جاہل ہوتا ہے جتنا کہ تم ہو۔۔۔ اگر تم اس پر غصہ نکالتے ہو تو وہ بھی
ردعمل کرتا ہے۔ وہ تم پر زیادہ غصہ نکالے گا، اس نے بھی تو اتنا ہی غصہ دبا رکھا ہے جتنا
کہ تم نے۔ تب ایک زنجیر وجود میں آ جاتی ہے۔ تم اس پر غصہ اتارتے ہو، وہ تم پر اور
یوں تم دونوں دشمن بن جاتے ہو۔ اسے کسی دوسرے پر مت نکالو۔ یہ تو ایسے ہی ہوتا ہے
جیسے کہ تم قے کی کیفیت محسوس کرتے ہو، تم کبھی قے کسی پر نہیں کرتے ہو۔ تم غسل
خانے میں جا کر قے کرتے ہو! اس سے تمہارا سارا جسم صاف ہو جاتا ہے۔۔۔ اگر تم
قے کو دباؤ تو یہ سخت خطرناک ثابت ہو گی اور جب تم قے کر لیتے ہو تو تازگی محسوس
کرتے ہو، تم خود کو بوجھ سے آزاد، بہتر اور صحت مند محسوس کرتے ہو۔ تمہاری غذا میں
کوئی غلط شے ہوتی ہے جسے جسم رد کرتا ہے۔ اس کو اندر دبانے کی کوشش مت کرو۔

غصہ محض ذہنی قے ہے۔ کوئی غلط شے تم اندر لے گئے ہو اور تمہاری ساری نفسیاتی
ہستی اس کو باہر نکال دینا چاہتی ہے، تاہم اس کو باہر کسی شخص پر نکالنا ضروری نہیں۔ اس
کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اسے دوسروں پر نکالتے ہیں۔ معاشرہ انہیں اس کو قابو کرنے کی
تلقین کرتا ہے۔

دوسرے کسی پر غصہ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے غسل خانے میں جا سکتے ہو،
تم لمبی سیر کو جا سکتے ہو۔۔۔ غصے کا مطلب ہوتا ہے کہ تمہارے اندر کوئی شے ہے جو تیز
سرگرمی چاہتی ہے تاکہ وہ رہا ہو سکے، صرف تھوڑی سی جاگنگ کرو اور تم دیکھو گے کہ یہ
رہا ہو گئی ہے، یا تکیئے کو پیٹو، تکیئے سے لڑو اور تکیئے کو دانتوں سے کاٹو حتیٰ کہ تمہارے ہاتھ
اور دانت پرسکون ہو جائیں۔ پانچ منٹ کے کیتھارسس سے تم بوجھ سے آزادی محسوس
کرو گے اور اگر ایک مرتبہ تم اس کو جان گئے تو دوسروں پر کبھی غصہ نہیں نکالو گے کیونکہ
یہ مکمل طور پر احمقانہ عمل ہے۔

قلبِ ماہیئت میں پہلی چیز یہ ہے کہ غصے کا اظہار کرو، لیکن کسی شخص پر نہیں، اس کی
وجہ یہ ہے کہ اگر تم کسی شخص پر اس کو نکالتے ہو تو یہ پورا ظاہر نہیں ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے تم
قتل کرنا چاہو، تاہم یہ ممکن نہیں، ہو سکتا ہے تم دانت کاٹنا چاہو، لیکن یہ ممکن نہیں۔ تاہم

یہ تکئے کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ اس تکئے کا مطلب ہے "پیشتر ہی صاحبِ بصیرت" تکیہ صاحبِ بصیرت ہے، بُدھا ہے۔ تکیہ ردعمل نہیں کرے گا اور تکیہ کسی عدالت میں بھی نہیں جائے گا اور تکیہ تمہارے خلاف کسی معاندت کا بھی اظہار نہیں کرے گا اور تکیہ کچھ بھی تو نہیں کرے گا۔ تکیہ تو خوش ہوگا، اور تکیہ تو تم پر ہنسے گا۔

یاد رکھنے کی دوسری بات: آگاہ رہو۔ قابو پانے میں کوئی آگاہی مطلوب نہیں ہوتی۔ تم بس میکانکی طور پر اسے کرتے ہو، ایک روبوٹ کی طرح۔ غصہ آتا ہے اور ایک میکانزم ہے۔۔۔ دفعتاً تمہاری ساری ہستی تنگ اور بند ہو جاتی ہے۔ اگر تم چوکس ہو تو قابو پانا آسان نہیں ہوسکتا۔

معاشرہ تمہیں چوکس رہنا نہیں سکھاتا، کیونکہ جب کوئی شخص چوکس ہوتا ہے تو وہ بہت کھلا ہوتا ہے۔ یہ آگہی کا جزو ہے۔۔۔ کوئی فرد کشادہ ہو، اور اگر تم کسی شے کو دبانا چاہتے ہو اور تم کھلے ہو تو یہ متناقض ہے۔ معاشرہ تمہیں سکھاتا ہے تم نے خود میں کیسے بند رہنا ہے، کس طرح اندر غار میں محبوس ہونا ہے۔۔۔ ایک کھڑکی کی بھی اجازت نہیں دیتا کسی شے کو باہر نکلنے کے لئے۔

تاہم یاد رکھو، جب کوئی شے باہر نہیں جاتی تو کوئی شے اندر بھی نہیں آتی۔ جب غصہ باہر نہیں نکلتا ہے تو تم بند ہو جاتے ہو۔ اگر تم ایک خوبصورت چٹان کو چھوؤ تو کچھ بھی داخل میں نہیں جاتا، تم کسی پھول کو دیکھتے ہو تو کچھ داخل میں نہیں جاتا: تمہاری آنکھیں مردہ اور بند ہوتی ہیں۔ تم کسی کو چومتے ہو۔ کچھ اندر نہیں جاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بند ہو گئے ہو۔ تم ایک بے حس زندگی گزار رہے ہو۔

حساسیت آگہی کے ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ قابو پانے سے تو تم کند اور مردہ ہو جاتے ہو۔۔۔ جو کہ قابو پانے کے میکانزم کا ایک حصہ ہے۔ اگر تم کند اور مردہ ہو تو پھر کوئی شے تم پر اثر انداز نہیں ہوسکتی گویا جسم ایک حصار، ایک دفاع بن گیا ہے۔ تم پر کوئی شے اثر انداز نہیں ہوتی، نہ تو بے عزتی اور نہ محبت۔

لیکن قابو پانے کی قیمت بہت زیادہ ادا کرنا پڑتی ہے، ایک غیر ضروری لاگت: تب یہ زندگی کی ساری سعی میں ڈھل جاتا ہے، خود کو کیونکر قابو میں لایا جائے۔۔۔ اور

پھر موت! قابو پانے کی ساری سعی تمہاری توانائی لے جاتی ہے اور پھر تم مر جاتے ہو۔ اور زندگی بے کیف اور مردہ شے بن جاتی ہے، جسے تم خواہی نخواہی اٹھائے پھرتے ہو۔

معاشرہ تمہیں قابو پانا اور مذمت کرنا بھی سکھاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بچہ اسی وقت قابو پائے گا جب وہ کسی شے کو قابلِ مذمت محسوس کرے گا۔ غصہ برا ہے، جنس بری ہے، ہر شے جس کو کہ قابو میں لانا ہے بچے کو ایک گناہ بنا کر دکھائی جاتی ہے، شر کے طور پر۔

ملا نصرالدین کا بیٹا پروان پا رہا تھا۔ وہ دس برس کا ہوا تو ملاّ نے سوچا کہ اب وقت آ گیا ہے۔ وہ کافی بڑا ہو گیا ہے اور زندگی کے اسرار و رموز اس پر ضرور واشگاف کئے جانے چاہئیں۔ لہٰذا اس نے بچے کو مطالعہ گاہ میں بلایا اور پرندوں اور مکھیوں کے درمیان جنس کے متعلق آگاہ کیا۔ اور پھر آخر میں اس سے بولا کہ "جب تمہیں محسوس ہو کہ تمہارا چھوٹا بھائی کافی بڑا ہو گیا ہے تو تم اسے بھی یہ ساری باتیں ضرور بتانا۔"

چند منٹوں کے بعد ہی، وہ بچوں کے کمروں کے قریب سے گزرا تو اس نے بڑے والے، دس سالہ لڑکے کو سنا، وہ اپنے کام میں منہمک تھا۔ وہ چھوٹے والے کو بتا رہا تھا "دیکھو تم جانتے ہو لوگ کیا کرتے ہیں، یہ کام لوگ اس وقت کرتے ہیں جب انہیں بچے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابو کہتے ہیں کہ پرندے اور مکھیاں بھی یہی عمل کرتی ہیں۔"

ہر زندہ شے کے متعلق گہری مذمت داخل ہو گئی۔ اور جنس تو سب سے زیادہ زندہ شے ہے۔۔۔ ہونی چاہیے! یہ سرچشمہ ہے۔ اگر ایک بچہ بہر کیف غصے میں نہیں آ سکتا تو وہ زندہ رہنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ تمہیں خاص لمحات میں غصے میں آنا ہی ہوگا۔ بچے کو اس کی ہستی کو دکھانا ہوگا۔ بچے کو خاص لمحات میں اپنی اساس پر کھڑا ہونا ہوگا، بصورت دیگر اس کی ریڑھ کی ہڈی نہیں ہوگی۔

> غصہ خوبصورت ہے، جنس خوبصورت ہے۔ تاہم خوب صورت چیزیں بدنما ہوسکتی ہیں۔ اس کا انحصار تم پر ہے۔ اگر تم انہیں برا بھلا کہو گے تو وہ بدنما ہو جائیں گی اگر تم ان کی قلبِ ماہیئت کر لو تو وہ آفاقی ہو جائیں گی۔

غصہ قلبِ ماہیئت پا کر رحم و ترس میں ڈھل جاتا ہے۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ توانائی وہی رہتی ہے۔ ایک بدھ رحیم ہوتا ہے، اس کا رحم آتا کہاں سے ہے؟ یہ وہی توانائی ہوتی ہے جو غصہ میں سرگرم ہوتی ہے، اب یہ غصے میں سرگرم نہیں، وہی توانائی رحم و ترس میں منقلب ہو گئی ہے۔ محبت کہاں سے آتی ہے؟ ایک بدھ محبت کرنے والا ہوتا ہے، عیسیٰؑ محبت ہیں۔ جو توانائی جنس میں سرگرم ہوتی ہے وہی محبت بن جاتی ہے۔

پس یاد رکھو اگر تم کسی فطری مظہر کی مذمت کرتے ہو تو یہ مسموم ہو جائے گا، یہ تمہیں تباہ کر دے گا، یہ تباہ کن اور خودکشی کروانے والا بن جائے گا۔ اگر تم اس کی قلب ماہیئت کرو گے تو یہ ایک الوہی طاقت بن جائے گا، یہ ایک اکسیر بن جائے گا، تم اس کے وسیلے سے لافانیت حاصل کر سکتے ہو، ایک موت سے ماورا ہستی بن سکتے ہو، لیکن قلبِ ماہیئت ناگزیر ہے۔

قلبِ ماہیئت میں تم قابو نہیں پاتے ہو، تم تو بس زیادہ آگاہ ہو جاتے ہو۔ غصہ آ رہا ہے: تمہیں آگاہ رہنا ہے کہ غصہ آ رہا ہے۔۔۔اس پر نگاہ رکھو! یہ ایک خوب صورت مظہر ہے۔۔۔توانائی سرگرم ہے، گرم ہو رہی ہے!

یہ بادلوں میں نہاں بجلی کے مثل ہوتا ہے۔ لوگ ہمیشہ بجلی سے خوف زدہ رہتے ہیں، پرانے وقتوں میں جب وہ غیر آگاہ تھے تو سوچتے تھے کہ یہ بجلی خدا کے غصے میں ہونے کی علامت ہے، خدا دھمکا رہا ہے، سزا دینے کو ہے۔۔۔خوف تخلیق کر کے لوگوں کو پجاری بنایا گیا، تاکہ لوگ سمجھیں کہ خدا ہے اور وہ انہیں سزا دے گا۔

لیکن اب ہم اس خدا کو خوب جانتے ہیں۔ اب وہ خدا تمہارے پنکھے کو چلاتا ہے، تمہارے ایئر کنڈیشنر میں کام کرتا ہے، فریج میں کام کرتا ہے، جو کچھ بھی تم چاہتے ہو یہ خدا تمہیں پیش کر دیتے ہیں۔ وہ خدا ایک گھریلو طاقت بن چکے ہیں، اب یہ مزید غصہ ور اور دھمکانے والے نہیں رہے۔

ایسا ہی اندرونی طاقتوں کے ساتھ مذہب کے وسیلے سے واقع ہوتا ہے۔

غصہ تمہارے جسم میں بالکل بجلی کے مانند ہے، تم جانتے نہیں ہو کہ اس کو کیسے کام میں لانا ہے۔ یا تو تم کسی کو قتل کر دیتے ہو یا تم اپنے آپ کو قتل کر دیتے ہو۔ معاشرہ کہتا

ہے اگر تم اپنے آپ کو قتل کر دو تو ٹھیک ہے، یہ تمہارا مسئلہ ہے، لیکن کسی دوسرے کو قتل مت کرو۔۔۔لہٰذا یا تو تم جارحیت پسند بن جاتے ہو یا تم دبو بن جاتے ہو۔

مذہب کہتا ہے دونوں غلط ہیں۔ بنیادی چیز جو مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ تم آگاہ ہو جاؤ اور اس توانائی کو، غصے کو اس اندرونی بجلی کے اسرار کو جانو۔ یہ بجلی ہے کیونکہ تم گرم ہو جاتے ہو، جب تم غصے میں ہوتے ہو تو تمہارا درجۂ حرارت بڑھ جاتا ہے، اور تم ایک بُدھا کی ٹھنڈک کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ جب غصہ رحم میں منقلب ہوتا ہے تو ہر شے سرد ہو جاتی ہے۔ ایک گہری ٹھنڈک رونما ہوتی ہے۔ بدھ کبھی گرم نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے، مرکزی رہتا ہے، کیونکہ اب وہ جانتا ہے کہ اندرونی بجلی کو کیونکر استعمال میں لانا ہے۔ بجلی گرم ہوتی ہے۔۔۔یہ رحم و ترس کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔

رحم و ترس ایک داخلی ایئر کنڈیشننگ ہے۔ دفعتاً ہر شے ٹھنڈی اور خوبصورت ہو جاتی ہے اور کوئی شے تمہیں ڈسٹرب نہیں کر سکتی اور کُل ہستی تمہارا دوست بن جاتی ہے۔ اب کوئی دشمن نہیں رہے ہیں۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تم غصے کی آنکھوں سے دیکھتے ہو تو ہر فرد تمہیں دشمن نظر آتا ہے، جب تم رحم و ترس کی آنکھوں سے دیکھتے ہو تو ہر فرد تمہیں دوست نظر آتا ہے، ایک ہمسایہ دکھائی دیتا ہے۔ جب تم محبت کرتے ہو تو ہر کہیں خدا ہوتا ہے، جب تم نفرت کرتے ہو تو ہر کہیں شیطان ہوتا ہے۔ یہ تمہارا ہی موقف ہے جو حقیقت کو بڑھاوا دیتا ہے۔

آگاہی مطلوب ہے، نہ کہ مذمت۔۔۔اور آگاہی کے وسیلے سے قلبِ ماہیئت بیساختگی سے رونما ہوتی ہے۔ اگر تم اپنے غصے سے آگاہ ہوتے ہو تو سرایت ہونے کو سمجھ رہے ہوتے ہو۔ بس دیکھتے رہو، کوئی فیصلہ دیئے بغیر، کوئی تعریف کئے بغیر، کوئی برا بھلا کہے بغیر، بس اپنے داخل کے آسمان کو دیکھو۔ وہاں بجلی چمک رہی ہے، غصہ، تم کو گرمی کا احساس ہوتا ہے، سارا اعصابی نظام مرتعش اور زلزلہ زدہ ہے اور تمہیں سارا بدن کپکپاتا محسوس ہوتا ہے۔۔۔ایک خوب صورت لمحہ، کیونکہ جب توانائی کام کرتی ہے تو تم اسے آسانی کے ساتھ دیکھ سکتے ہو، جب یہ عمل میں نہیں ہوتی ہے تو تم اسے دیکھ سکتے ہو۔

اپنی آنکھیں بند کر لو اور اس پر دھیان دو۔ لڑو مت، بس دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے ۔۔۔ سارا آسمان بجلی سے بھر گیا ہے، بہت زیادہ بجلی، بہت زیادہ خوب صورتی ۔۔۔ بس زمین پر پڑے رہو اور آسمان کو دیکھتے رہو۔ تب یہی کچھ داخل میں کرو۔

وہاں بادل ہوتے ہیں کیونکہ بادلوں کے بغیر بجلی نہیں ہو سکتی ۔۔۔ سیاہ بادل، خیالات وہاں ہیں، کوئی شخص تم پر مسکرایا ہے، کسی نے تمہاری بے عزتی کر دی ہے، کسی نے یوں یا یوں کہا ہے ۔۔۔ بہت سے بادل، اندرونی آسمان پر سیاہ بادل اور بہت زیادہ بجلی ۔۔۔ دیکھو! یہ ایک خوبصورت منظر ہے ۔۔۔ خوفناک بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جانتے نہیں ہو۔ یہ پر اسرار ہوتی ہے اور اگر اسراریت سمجھ میں نہ آئے تو وہ خوف ناک بن جاتی ہے، تم اس سے خوف زدہ ہوتے ہو۔ اور جب کبھی کوئی پر اسراریت نافہم تھی یہ ایک سعادت ایک تحفہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اب چابیوں کے حامل ہو ۔۔۔ اور چابیوں کے ساتھ تم گرو ہوتے ہو۔

تم اس پر قابو نہیں پاتے ہو، تم بس گرو بن جاتے ہو جب تم آگاہ ہوتے ہو۔ اور جتنا تم آگاہ ہوتے جاؤ گے اتنا ہی تم داخل میں سموتے جائیں گے۔ یہ ہمیشہ داخل کو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے اندر کا رجحان رکھتی ہے۔ زیادہ آگاہ، کامل آگاہ، مکمل طور پر اندر، کم آگاہ، زیادہ باہر، تم مکمل طور پر باہر ہوتے ہو، اپنے گھر سے باہر ہوتے ہو۔

لاشعور آوارہ خارج ہوتا ہے، شعور داخل میں گہرا ہوتا ہے۔ لہٰذا دیکھو ۔۔۔ اور جب غصہ نہیں ہوتا ہے تو یہ دشوار ہے کہ دیکھا جائے، کس کو دیکھا جائے؟ آسمان کافی خالی نظر آتا ہے۔ اور تم ہنوز خالی پن کو دیکھنے کے قابل نہیں ہوئے ہو۔ جب غصہ ہو تو دیکھو، نگاہ رکھو اور جلد ہی تم ایک تبدیلی ملاحظہ کرو گے۔ وہ لمحہ جب دیکھنے والا آتا ہے، غصہ پیشتر ہی ٹھنڈا ہونا شروع ہو جاتا ہے، حرارت رفع ہونے لگتی ہے۔ تب تم سمجھ سکتے ہو کہ گرمی تمہاری ہی دی ہوئی تھی، تمہاری اس کے ساتھ ہم آہنگی نے اسے گرم کر دیا، اور وہ لمحہ جب تم نے محسوس کیا کہ یہ گرم نہیں ہے، تو خوف رفع ہو گیا اور تم نے اس سے ہم آہنگی کا احساس بھی جاتا پایا ہو گا، مختلف، فاصلے پر۔ وہ وہاں ہے، بجلی تمہارے اطراف میں ہے، لیکن تم وہ نہیں ہو۔ ایک پہاڑی نے اوپر ابھرنا شروع کر دیا ہے۔ تم

ایک دیکھنے والے بن جاتے ہو۔ نیچے وادی میں، بہت بجلی ہے ۔۔۔ فاصلہ زیادہ سے زیادہ بڑھتا ہے ۔۔۔ اور ایک لمحہ آتا ہے جب دفعتاً تم بہرحال اس سے جڑے نہیں رہتے ہو۔ ہم آہنگی ختم ہو گئی ہے، اور جس لمحے ہم آہنگی ٹوٹتی ہے فوری طور پر سارا گرم عمل ایک ٹھنڈے عمل میں ڈھل جاتا ہے ۔۔۔ غصہ رحم و ترس میں منقلب ہو جاتا ہے۔

جنس ایک گرم عمل ہے۔ محبت نہیں ہے۔ تاہم ساری دنیا میں لوگ ہمیشہ محبت کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ محبت گرم نہیں ہوتی ہے، محبت تو قطعاً ٹھنڈی ہے تاہم سرد نہیں ۔۔۔ یہ سرد نہیں ہے کیونکہ یہ مردہ نہیں ہوتی ہے۔ یہ ٹھنڈی ہوتی ہے، بالکل ٹھنڈی صبا کی طرح۔ تاہم یہ گرم نہیں ہوتی ہے۔ جنس سے ہم آہنگی کی وجہ سے یہ تصور ذہن میں ابھرتا ہے کہ محبت کو گرم ہونا چاہیئے۔

جنس گرم ہوتی ہے۔ یہ بجلی ہے، اور تم اس سے ہم آہنگ ہو۔ جتنی زیادہ محبت اتنی زیادہ ٹھنڈک ۔۔۔ ہو سکتا ہے تمہیں ٹھنڈی محبت سرد محسوس ہو، یہ تمہاری نافہمی ہے کیونکہ تم محسوس کرتے ہو کہ محبت کو گرم ہونا چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتی۔ وہی انرجی جب ہم آہنگ نہیں ہوتی تو سرد پڑ جاتی ہے۔ رحم و ترس ٹھنڈے اور تمہارا رحم ہنوز گرم ہے تو سمجھ لو کہ یہ رحم نہیں ہے۔

ایسے لوگ ہیں جو بے حد گرم ہیں۔ اور وہ سوچتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ رحم کے حامل ہیں۔ وہ معاشرے کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نظام کو بدلنا چاہتے ہیں، وہ یہ کرنا چاہتے ہیں، وہ کرنا چاہتے ہیں، وہ دنیا میں ایک یوٹوپیا لانا چاہتے ہیں، وہ انقلابی ہیں، کمیونسٹ ہیں، یوٹوپین ہیں ۔۔۔ اور وہ بے حد گرم ہیں۔

اور وہ سوچتے ہیں کہ وہ رحم و ترس کے حامل ہیں ۔۔۔ نہیں، ان کے پاس تو فقط غصہ ہے۔ مقصد بدل گیا ہے۔ اب ان کے غصے کے پاس ایک نیا مقصد ہے، غیر ذاتی مقصد ۔۔۔ معاشرہ، معاشرے کا نظام، سٹیٹ، صورتِ حال۔ وہ بہت گرم لوگ ہیں۔ لینن یا سٹالن یا ٹراٹسکی ۔۔۔ وہ گرم لوگ ہیں لیکن وہ خاص طور پر کسی فرد کے خلاف نہیں ہیں، وہ ایک نظام کے مخالف ہیں۔ گاندھی ایک گرم شخص ہے ۔۔۔ برطانوی استعمار کے خلافِ مقصد غیر ذاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تم محسوس نہیں کر پاتے ہو کہ وہ غصے

میں ہے ---لیکن ہوتا وہ غصے میں ہے۔ وہ خارجی دنیا میں کسی شے کو بدلنا چاہتا ہے اور فوری طور پر بدلنے کی خواہش رکھتا ہے، لڑائی کو ہوسکتا ہے بغیر تشدد کے ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، تاہم لڑنا تشدد ہے۔ فقط لڑائی تو تشدد ہے۔ تم لڑائی کے لئے غیر متشددانہ وسیلے اپنا سکتے ہو---عورتیں ہمیشہ انہیں اپناتی ہیں۔ گاندھی نے کچھ نہیں کیا تھا، انہوں نے صرف ایک زنانہ چال اختیار کی تھی۔

اگر ایک خاوند لڑنا چاہتا ہے تو وہ اپنی بیوی کو مارے گا۔ اور اگر عورت لڑنا چاہتی ہے تو وہ اپنے آپ کو مارے گی۔ یہ اتنا ہی قدیم طریقہ ہے جتنا کہ عورت---اور عورت مرد سے زیادہ قدیم ہے! وہ اپنے آپ کو مارنا شروع کر دیتی ہے، یہ ہے اس کی لڑائی کا انداز۔ وہ متشدد ہے، اپنے ہی خلاف متشدد۔ اور یاد رکھو، عورت کو مارتے ہو تم احساسِ خطا کا شکار ہوتے ہو، اور جلد یا بدیر تمہیں جھکنا اور صلح کرنا پڑتی ہے۔ تم خود کو مارتے ہوئے، عورت کبھی غلطی محسوس نہیں کرتی ہے۔ لہٰذا یا تو تم کسی عورت کو مارتے ہو اور غلطی کا احساس کرتے ہو یا وہ عورت خود کو پیٹتی ہے اور تب بھی تمہیں احساسِ جرم ہوتا ہے۔ دونوں معاملوں میں عورت جیتتی ہے۔

برطانوی استعمار اس لئے پسپا ہوا تھا کہ وہ ایک جارحانہ مرد قوت تھا۔ اور وہ گاندھی کی نسائی لڑائی کو کیونکر سمجھ سکتا تھا۔ وہ موت تک روزے سے ہوگا---اور پھر تمام برطانوی ذہن احساسِ جرم میں مبتلا ہوگا۔ اب تم اس آدمی کو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ یہ کسی طور تم سے لڑائی نہیں کر رہا ہے، وہ تو بس اپنی روح کو خالص تر بنا رہا ہے---قدیم نسائی چال، تاہم ہنوز کارآمد۔ گاندھی کو شکست دینے کا واحد راستہ تھا اور وہ ناممکن تھا۔ یہ چرچل کے لئے تھا کہ وہ موت تک ایک روزے میں رہے اور یہ ناممکن تھا۔

خاص طور پر یا تو تم کسی شخص پر گرم ہوتے ہو یا محض عمومی طور پر کسی نظام یا ساخت کے خلاف گرم ہوتے ہو، تاہم گرمی رہتی ہے۔

ایک لینن، کوئی رحم و ترس نہیں ہوتا، نہ ہوسکتا ہے، بدھا رحم و ترس ہوتا ہے---کسی شے سے نہیں لڑتا حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی۔ صرف وجود رکھتا ہے اور چیزوں کو جیسی وہ ہیں ویسی ہونے کی رخصت دیتا ہے، وہ اپنے راستے پر گامزن رہتی ہیں۔

معاشرے اپنے انداز سے بدلتے ہیں، انہیں تبدیل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، وہ اسی طرح تبدیل ہوتے ہیں جیسے موسم آنے پر درخت۔ معاشرے اپنے طور پر تبدیل ہوتے ہیں--- پرانے معاشرے اپنے انداز سے مر جاتے ہیں، انہیں تباہ کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں! اور نئے معاشرے اپنے انداز سے نئے بچوں کے مانند پیدا ہوتے ہیں، کسی اسقاطِ حمل کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، یہ خود بخود، خود کارانہ طور سے ہو جاتا ہے۔

اشیا حرکت پذیر ہیں اور تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ اور استبعاد (پیراڈاکس) یہ ہے کہ وہ حرکت پذیر اور تغیر آشنا ہونے کے باوصف جوں کی توں رہتی ہیں---اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایسے لوگ ہوں گے جو غریب ہوں، اور ایسے لوگ ہوں گے جو امیر ہوں، ایسے لوگ ہوں گے جو بے آسرا ہوں، بے طاقت ہوں اور ایسے لوگ ہوں گے جو ان پر مقتدر ہوں۔ طبقات ختم نہیں ہو سکتے--- یہ اشیا کی فطرت ہی میں نہیں ہے۔ انسانی معاشرہ کبھی لاطبقاتی نہیں ہوسکتا ہے۔

طبقات تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اب روس میں، کوئی امیر اور غریب نہیں ہیں تاہم حاکم اور رعایا ہیں۔ اب ایک نئی طبقاتی تقسیم ابھر آئی ہے: بیوروکریٹس اور عام لوگ، منتظمین (مینجرز) اور زیرِ نظم لوگ--- یکساں، اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر اب تیمر لین سوویت روس میں پیدا ہوتا تو وہ وزیر اعظم بن جاتا۔ اگر فورڈ سوویت روس میں پیدا ہوتا تو کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری ہوتا۔

صورتِ حالات تغیر آشنا رہتی ہیں تاہم ایک نفیس مفہوم میں وہ جوں کی توں ہی رہتی ہیں۔ مینجرز، زیرِ نظم لوگ، حاکم، رعایا، امیر، غریب---سب موجود رہتے ہیں۔ تم اس کو تبدیل نہیں کر سکتے ہو، کیونکہ معاشرہ تناقضات سے متشکل ہوتا ہے۔ ایک حقیقی رحم دل انسان ٹھنڈا ہوگا، وہ حقیقت میں انقلابی نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ انقلاب کے لئے ایک بے حد گرم دماغ اور دل اور جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔

کوئی قابو نہیں، دوسروں پر کوئی اظہار نہیں، زیادہ آگاہی--- اور تب شعور محیط سے مرکز کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اب اس خوبصورت حکایت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

ایک زین طالب علم بانکی کے پاس آیا اور بولا: ''گرو جی! میں
ایک بے قابو غصے کا حامل ہوں۔ میں اس کا علاج کیسے کر سکتا
ہوں؟''

اس نے ایک شے قبول کر لی تھی، کہ وہ ایک بے قابو غصے کا حامل ہے، اب وہ اس کا علاج چاہتا تھا۔ جب بھی کوئی بیماری ہوتی ہے، تو سب سے پہلے یہ کوشش کرو آیا وہ بیماری ہے بھی یا محض کج فہمی ہے؟ کیونکہ اگر بیماری حقیقی ہے تو اس کا علاج ہو سکتا ہے، لیکن اگر حقیقی بیماری نہیں ہے محض کج فہمی ہے تو کوئی دوا کارگر نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے برعکس جو دوا تمہیں دی جائے گی، نقصان رساں ہوگی۔ لہٰذا سب سے پہلے بیماری کے متعلق واضح ہو جاؤ آیا یہ ہے بھی کہ نہیں ہے یا آیا تم محض اس کا تصور ہی کر رہے ہو یا آیا تم محض سوچ رہے ہو کہ یہ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نہ ہی ہو، یہ ایک کج فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ اور انسان جس طور الجھا ہوا ہے، اس کی بہت سی بیماریاں بہر حال وجود نہیں رکھتی ہیں۔۔۔ وہ تو بس یقین رکھتا ہے کہ یہ موجود ہیں۔

تم بھی یکساں کشتی کے سوار ہو، لہٰذا اس کہانی کو گہرائی میں سمجھنے کی کوشش کرو، ہو سکتا ہے یہ تمہارے لئے سود مند ہو۔

طالب علم بولا:

''گرو جی! میں بے قابو غصے کا حامل ہوں۔ میں کیسے اس کا علاج
کر سکتا ہوں؟''

بیماری قبول کر لی گئی ہے۔ اس کو اس میں شک نہیں ہے۔ وہ علاج کا طالب ہے۔ علاج کے طلب گار کبھی مت بنو۔ پہلے یہ جاننے کی کوشش کرو آیا بیماری وجود رکھتی ہے یا نہیں؟ پہلے بیماری کی تشخیص کرو، علاج بعد میں ڈھونڈو۔ صرف سطح پر بیماری کو قبول مت کرو۔ اور سطح تو وہ ہے جہاں دوسرے تم پر عکس انداز ہوتے ہیں اور سطح تو وہ ہے

جہاں دوسرے تمہیں رنگ دیتے ہیں۔ یہ بہرکیف بیماری نہیں بھی ہو سکتی، یہ محض دوسروں کا عکس ہو سکتی ہے۔

یہ بس ایک خاموش جھیل کے مثل ہے اور تم اپنے مالٹئی لبادے کے ساتھ اس کے کنارے پر کھڑے ہو اور تمہارے نزدیک کا پانی تمہیں منعکس کرتے ہوئے مالٹئی ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے جھیل سوچے کہ وہ مالٹئی ہو گئی ہے۔ ہوشیار و چوکس ہو جاؤ، تمہاری بہت سی بیماریاں بغیر کسی دوا کے غائب ہو جائیں گی، کسی دوا کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

''مجھے تو دکھاؤ ذرا غصہ''۔ بانکی نے کہا۔

''اس کی آواز بڑی مسحور کن ہوتی ہے۔''

بانکی جیسا انسان بیماری پر فوراً کام شروع کر دیتا ہے، علاج پر نہیں۔ وہ کوئی نفسیاتی معالج نہیں ہے، ایک ماہرِ تحلیلِ نفسی تو علاج کے لئے کام شروع کرتا ہے۔۔۔ اور یہی فرق ہے۔ اب نفسیات میں نئے رجحانات آ رہے ہیں جو علاج نہیں بلکہ بیماری پر کام شروع کر رہے ہیں۔ نئے رجحانات پنپ رہے ہیں جو حقیقت کے قریب تر ہیں اور زین کے قریب تر ہیں، اور مذہب کے قریب تر ہیں۔ اس صدی کے دوران میں نفسیات مزید مذہبی رنگ اختیار کر لے گی اور تب یہ محض علاج (تھیراپی) ہی نہیں رہے گی بلکہ حقیقتاً ایک صحت بخش طاقت بن جائے گی۔۔۔ کیونکہ تھیراپی دوا کے متعلق سوچتی ہے، اور صحت بخش قوت تمہارے شعور کو بیماری کی طرف لاتی ہے۔

سو بیماریوں میں سے ننانوے تو بس ان کی طرف تمہارا شعور راغب ہونے سے ہی غائب ہو جاتی ہیں۔ یہ جھوٹی بیماریاں ہوتی ہیں۔ یہ اس لئے وجود رکھتی ہیں کہ تم ان سے منہ پھیرے ہوئے ہو۔ ان کا سامنا کرو، اور یہ رفع ہو جائیں گی، غائب ہو جائیں گی۔ یہ ہے ٹاکرے (این کاؤنٹر) کا مفہوم۔ ٹاکرا گروپ مددگار ہو سکتے ہیں، کیونکہ ساری بات چیزوں کا سامنا کرنے کی ہے۔ دوا کا مت سوچو، کچھ کرنے کا مت سوچو، حقیقی شے یہ ہے کہ پہلے یہ جانو کہ ہے کیا؟

ذہن تمہیں بہت سے طریقوں سے فریب میں مبتلا کرتا ہے کہ بیماری سطح پر ابھرتی ہے جبکہ گہرائی میں نہیں ہوتی۔ یا ایک بیماری سطح پر ابھرتی ہے لیکن تم داخل میں جاتے ہو اور وہاں دوسری ہی بیماری پاتے ہو اور یہ سب تمہیں فریب دینے کی محض ایک چال تھی، کوئی حقیقی بیماری نہیں تھی۔

ایک آدمی میرے پاس آیا اور بولا ''میرا ذہن بہت پریشان ہے۔ میں مستقل تناؤ کا شکار ہوں، اندیشگی (اینگزائٹی) ہے، میں سو نہیں سکتا ہوں۔ لہٰذا مجھے مراقبے کی کچھ تکنیکیں دو۔۔۔ کیونکر خاموش اور پرسکون ہوا جاسکتا ہے؟''

میں نے اس سے پوچھا ''حقیقی مسئلہ کیا ہے؟ کیا تم حقیقتاً خود اطمینانی کی کیفیت حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

وہ بولا ''جی ہاں، میں ایک متلاشی ہوں، اور میں شری اروبندو کے آشرم جا چکا ہوں، اور میں شری رامن کے آشرم میں بھی جا چکا ہوں اور میں ہر کہیں جا چکا ہوں اور کہیں سے کوئی بھی افادہ نہ پاسکا۔''

پس میں نے اسے کہا ''کیا تم نے کبھی اس بارے میں غور کیا ہے۔۔۔ کہ اگر کوئی بھی فائدہ مند نہیں ثابت ہوا تو کہیں بیماری ہی جھوٹی نہ ہو؟ یا یہ کہ تم نے اسے غلطی سے بیماری سمجھ لیا ہو؟ یا یہ کہ حمال اس شے کا حامل ہو جو کہ اس پر لکھی نہیں گئی؟ تم نے بآسانی تسلیم کیا ہے کہ شری اروبندو ناکام ہو گئے، شری رامن ناکام ہو گئے اور تم ہر کہیں پھر آئے ہو۔۔۔ اور وہ بہت فتح مندی محسوس کر رہا تھا کہ ہر کوئی ناکام ہو گیا اور کوئی مدد دینے کا اہل نہیں، یہ کہ ہر کوئی بوگس ہے۔ اور تب میں اس سے بولا ''جلد یا بدیر تم جاؤ گے اور میرے بارے میں بھی یہی کچھ کہتے پھرو گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ تم ایک روحانی متلاشی ہو، میں نہیں سمجھتا کہ تم خود اطمینانی حاصل کرنے میں دلچسپی لیتے ہو، ذرا بتاؤ تو مجھے تمہاری اندیشگی کیا ہے؟ تمہارا تناؤ کیا ہے؟ ذرا مجھے بتاؤ تو سہی کہ کس نوع کے خیالات مسلسل تمہارے ذہن میں ابھرتے ہیں اور تم ان کے بارے میں سوچتے کیوں ہو؟'' وہ بولا ''بہت زیادہ نہیں، بس ایک خیال آتا ہے۔ میرا ایک بیٹا ہے، وہ ہنوز زندہ سلامت ہے۔۔۔ مگر وہ میرا بیٹا نہیں بن پایا۔ میں نے اسے دھتکار

دیا ہوا ہے۔ میں ایک امیر آدمی ہوں۔ اور وہ میری ذات سے باہر اور معاشی طور پر کم لڑکی سے محبت کرنے لگا تھا۔ وہ غیر تعلیم یافتہ بھی تھی۔ اور میں نے لڑکے سے کہا ''اگر تم اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو اس گھر میں کبھی واپس مت آنا۔'' اور وہ کبھی واپس نہیں آیا۔

''اور اب میں بوڑھا ہو گیا۔ لڑکا لڑکی کے ہمراہ غربت میں جی رہا ہے، اور میں مسلسل لڑکے کے متعلق سوچتا رہتا ہوں اور یہی ہے میری پریشانی۔ آپ مجھے مراقبے کی کوئی تکنیک سکھا دیجئے۔''

میں نے کہا ''مراقبے کی تکنیک کیونکر امداد کرسکتی ہے؟۔۔۔ کیونکہ مراقبے کی تکنیک لڑکے کو تو واپس گھر نہیں لاسکتی۔ اور یہ تو ایک سیدھا سادہ معاملہ ہے۔ اروبندو کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، نہ ہی شری رامن یا میرے پاس آنے کی ضرورت ہے۔ تمہارے مسئلے کا حل تلوار نہیں، سوئی ہے۔ تم تلوار کی تلاش میں ہو۔ اور تب تلواریں بے کار ثابت ہوتی ہیں کیونکہ تمہاری ضرورت تو فقط سوئی ہے۔ یہ کوئی روحانی مسئلہ نہیں ہے، صرف انا۔ کوئی کمتر معاشی درجے کی لڑکی سے محبت کیوں نہیں کرسکتا؟ کیا محبت کوئی معاشی معاملہ ہے؟ کوئی ایسا معاملہ جو کہ مالیات، معاشیات، زر، دولت، معاشرتی درجے کی اصطلاحوں میں تولا جائے؟''

میں نے اسے ایک کہانی سنائی ''ایک شادی کرنے والا وچولی ایک نوجوان سے ملا اور اسے کہنے لگا ''میرے پاس ایک بہت خوبصورت لڑکی کا رشتہ ہے، بالکل موزوں ہے تمہارے لئے۔''

لڑکا بولا ''مجھے ستاؤ مت، مجھے دلچسپی نہیں ہے۔''

وچولی بولا ''میں جانتا ہوں، تاہم پریشان مت ہو۔ میرے پاس ایک اور لڑکی کا رشتہ بھی ہے جو جہیز میں پانچ ہزار روپے لائے گی۔''

لڑکا بولا ''بکواس بند کرو، میں پیسے میں بھی دلچسپی نہیں لیتا ہوں۔ بس تم چلے جاؤ۔''

وہ آدمی کہنے لگا ''میں جانتا ہوں، پریشان مت ہو! اگر پانچ ہزار ناکافی ہیں تو

میرے پاس ایک اور لڑکی کا رشتہ ہے جو جہیز میں پچیس ہزار روپے لائے گی۔"

لڑکا بولا "بس تم میرے کمرے سے دفع ہو جاؤ نا۔ اگر مجھے شادی کرنا ہوئی تو میں اس کے متعلق سوچوں گا، یہ ایسا معاملہ نہیں جو کسی وچولی پر چھوڑا جائے۔ تم بس چلتے نظر آؤ نا! مجھے غصہ مت دلاؤ!"

وچولی بولا "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اب میں سمجھ گیا ہوں۔ تم نہ تو خوب صورتی میں دلچسپی رکھتے ہو، نہ ہی دولت میں، میرے پاس ایک لڑکی کا رشتہ ہے جو ایک روایتی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، بہت نامور خاندان سے --- ہر شخص اس کے متعلق جانتا ہے، اور ماضی میں اس خاندان سے چار وزیراعظم ہو گزرے ہیں۔ پس تم خاندان میں دلچسپی رکھتے ہو، ٹھیک ہے نا؟"

اب تو لڑکا بہت غصے میں آ گیا اور اس آدمی کو جسمانی طور پر باہر اٹھا پھینکنے کا خواہاں ہوا۔ اور جب وہ اسے جسمانی طور پر اٹھا کر دروازے سے پھینک رہا تھا تو بولا "اگر میں نے کبھی شادی کی تو یہ صرف محبت کی وجہ سے ہو گی اور کسی بھی وجہ سے نہیں۔"

وچولی بولا "تب تم نے پہلے ہی مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میرے پاس اس نوع کی لڑکیوں کے رشتے بھی ہیں۔"

میں نے اس آدمی کو یہ کہانی سنائی۔

محبت بندوبست کی جانے والی شے نہیں ہوتی۔ یہ تو بس واقع ہونے والی شے ہے اور جس لمحے تم اس کا بندوبست کرتے ہو تو ہر شے ضائع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میں نے اس آدمی سے کہا "جاؤ اور اپنے بیٹے سے معافی مانگو --- یہی شے مطلوب ہے۔ کوئی مراقباتی تکنیک، کوئی اروبندو، کوئی رامن، کوئی اوشو، کوئی شخص بھی تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ بس اپنے بیٹے کے پاس جاؤ اور اس سے معافی مانگو --- یہی مطلوب ہے۔ اس کو قبول کرو اور واپس خوش آمدید کہو۔ یہ محض انا ہے جو تمہیں ستا رہی ہے۔ اور اگر انا تمہیں ستا رہی ہو تو بیماری مختلف ہوا کرتی ہے۔ تم مراقبے کی جستجو میں ہو اور تم سوچتے ہو کہ مراقبے کے ذریعے خاموشی ممکن ہے؟ ناں۔"

مراقبہ اس شخص کے لئے مددگار ثابت ہو سکتا ہے جو اپنے اندر کی بیماری کے متعلق

درست طور پر جان گیا ہو، جب وہ جان گیا کہ کونسی بیماری جھوٹی ہے، کونسی بیماری کی غلط تشخیص ہوئی ہے اور کونسی بیماری بہر حال اسے لاحق نہیں ہے --- تو پھر حمال خالی ہو گا۔

جب کوئی شخص آگاہ ہوتا ہے، اپنی بیماریوں کی گہری آگاہی، تب ننانوے فی صد بیماریاں غائب ہو جاتی ہیں --- اس کی وجہ یہ ہے کہ تم کچھ کر سکتے ہو اور وہ غائب ہو جاتی ہیں۔ تب محض ایک ہی شے باقی رہتی ہے اور وہ واحد شے ہے روحانی تلاش --- ایک گہرا ذہنی کرب، اس دنیا سے غیر متعلق، اس دنیا کی کسی بھی شے سے غیر متعلق: بیٹا، باپ، دولت، عزت و وقار، اقتدار --- کچھ بھی تو نہیں۔ یہ ان سے متعلق نہیں ہوتی، یہ تو بس وجودی ہوتی ہے۔ اگر تم گہرائی میں جا کر اس کو نشان زد کر سکو تو یہ ہے خود کو کیونکر جانا جائے۔ میں کون ہوں؟ تب یہ ذہنی کرب تلاش میں ڈھلتا ہے۔ تب مراقبہ مددگار ہوتا ہے --- اس سے قبل تو بالکل نہیں۔ اس سے پیشتر دوسری اشیاء مطلوب ہوتی ہیں۔ سوئیاں کارگر ہوں تو تلواریں اٹھانے کی کیا ضرورت؟ اور جہاں سوئیاں کارگر ہوں وہاں تلواریں ناکام ہوتی ہیں۔ یہ ہے وہ جو دنیا بھر میں لاکھوں افراد کے ساتھ ہو رہا ہے۔ بانکی ایک گرو ہے۔ وہ فوری طور پر مدعا پا گیا۔

"دکھاؤ تو ذرا مجھے یہ غصہ" وہ بولا "اس کی آواز مسحور کن ہوتی ہے۔"

اس کی آواز مسحور کن ہوتی ہے۔ حقیقتاً بانکی نے کیوں کہا کہ اس کی آواز مسحور کن ہوتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سارا معاملہ جھوٹا ہے۔ اس لڑکے، اس طالب علم نے کبھی داخل میں نہیں جھانکا۔ وہ ایک طریقے کی جستجو میں ہے اور وہ تشخیص نہیں کر پایا کہ اس کی بیماری کیا ہے۔

"میں ابھی تو اسے نہیں لا سکتا ہوں۔" طالب علم نے کہا، "لہٰذا میں اسے تمہیں دکھا نہیں سکتا۔"

تم غصہ نہیں لا سکتے ہو، کیا تم لا سکتے ہو؟ اگر میں تمہیں کہوں ''ابھی غصے میں آ جاؤ'' تو تم کیا کرو گے؟ تم اداکاری تو کر سکتے ہو لیکن یہ غصہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اندر سے تم ٹھنڈے رہو گے۔ یہ ہوتا ہے! کیا مطلب ہے اس کا ''یہ ہوتا ہے'' کا؟ اس کا مطلب ہے کہ یہ اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب تم مکمل طور پر لاشعوری حالت میں ہوتے ہو۔ اگر تم اسے لانے کی کوشش کرو گے تو تم شعوری حالت میں ہو۔ جب تم شعوری حالت میں ہوتے ہو تو یہ وقوع پذیر نہیں ہوتا ہے، یہ فقط تبھی وقوع پذیر ہوسکتا ہے جب تم لاشعوری حالت میں ہو۔ لاشعور تو لازمی ہے۔۔۔اس کے بغیر غصہ وقوع پذیر نہیں ہوسکتا۔ تاہم ہنوز طلب علم نے کہا:

''میں ابھی اسے نہیں لا سکتا،
لہٰذا میں تمہیں اسے دکھا نہیں سکتا''
''تب پھر ٹھیک ہے'' بانکی نے کہا ''میرے پاس لانا جب تم اسے رکھتے ہو۔''
''تاہم میں اسے جونہی یہ طاری ہوا لا نہیں سکتا۔'' طالب علم نے احتجاج کیا۔ ''یہ غیر متوقع طور پر ابھرتا ہے، اور میں یقیناً اسے تم تک لانے سے قبل ہی کھو بیٹھوں گا۔''

اب بانکی اسے صحیح راستے پر لایا۔ وہ پہلے ہی منزل کے قریب تھا، کیونکہ اب وہ ان چیزوں سے آگاہ ہوگیا تھا جن کے بارے اسے پہلے کبھی آگاہی نہیں تھی۔ پہلی چیز جس سے وہ آگاہ ہوا یہ تھی کہ وہ اسے فوری طور پر نہیں لا سکتا ہے۔ یہ پیدا نہیں کیا جا سکتا، یہ تبھی وقوع پذیر ہوتا ہے جب وارد ہوتا ہے۔۔۔ یہ ایک لاشعوری قوت ہے، تم اسے شعوری طور پر نہیں لا سکتے ہو۔ اس کا مطلب ہے اگر یہ مزید آگے بڑھا تو اگلا قدم یہ ہوگا کہ وہ شعور میں رہے گا۔ اور اگر تم چوکس اور شعور میں رہے تو یہ وارد نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ جب غصہ طاری ہو رہا ہو تو اگر تم دفعتاً چوکس ہو جاؤ تو یہ ختم ہو جائے

گا۔ کوشش کر کے دیکھو۔ بالکل وسط میں، جب تم بہت گرم محسوس کر رہے ہو اور قتل کرنے کے خواہاں ہو تو دفعتاً آگاہ ہو جاؤ اور تم محسوس کرو گے کہ کوئی شے تبدیل ہوگئی ہے: اندر گویا گیئر۔۔۔تم ایک کھٹکا محسوس کر سکتے ہو۔ کوئی شے ہے جو بدل گئی ہے، اب یہ مزید پہلی سی نہیں رہنے کی۔ تمہاری داخلی ہستی سکوں آشنا ہوگئی ہے۔ ہوسکتا ہے تمہاری خارجی سطح سکوں آشنا ہونے میں تھوڑا وقت لے، تاہم داخلی ہستی پیشتر ازیں سکوں آشنا ہو چکی ہے۔ تعاون کا سلسلہ ٹوٹ چکا ہے، اب ہم آہنگی تم میں نہیں رہی۔

گرجیف اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک بہت خوبصورت چال چلا کرتا تھا۔ تم یہاں بیٹھ رہو، اور وہ ایک صورتِ حال تخلیق کرے گا، وہ تمہیں کہے گا ''کوئی شخص 'الف' آ رہا ہے اور جب وہ آئے گا تو میں اس کے ساتھ ناشائستہ برتاؤ کروں گا، بہت ناشائستہ۔۔۔اور تم سب نے میرا ساتھ دینا ہے۔''

تب الف آتا اور گرجیف اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہتا ہے ''تم ایک مکمل بے وقوف دکھائی دے رہے ہو!'' اور ہر شخص اس آدمی کو تکنے لگتا اور یوں ظاہر کرتا گویا سب اسے ایسا ہی سمجھ رہے ہیں۔ تب گرجیف اس شخص کے متعلق نازیبا کلمات ادا کرنا شروع کر دیتا اور اس کے شاگرد اس کی تائید کرتے۔ وہ شخص غصے میں آنے لگتا، اور گرجیف باز نہ آتا، اور ہر کوئی کامل تائید کیے جاتا، ادھر وہ شخص گرم سے گرم تر ہوتا جاتا۔۔۔اور پھر وہ پھٹ پڑتا۔ اور جب وہ پھٹتا تو دفعتاً گرجیف کہتا ''رک جاؤ اور دیکھو!''

داخل میں کوئی شے سکوں یاب ہوئی ہے، فوری طور پر وہ شخص سمجھ جاتا کہ وہ صورتِ حال میں داخل ہوگیا ہے، وہ غصے ہوگیا تھا۔۔۔اور جس لمحے اسے ادراک ہوا کہ یہ تو ایک صورتِ حال تھی، گرجیف نے اس کے ساتھ چال چلی تھی تو گیئر تبدیل ہو جاتا ہے، وہ چوکس ہو جاتا ہے، آگاہ ہو جاتا ہے۔ جسم کو تو ٹھنڈا ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے تاہم مرکز میں ہر شے ٹھنڈی ہے اور وہ اب اپنے آپ کو دیکھ سکتا ہے۔

طالبِ علم پیشتر ہی راستے پر تھا۔۔۔ بانکی نے فوری طور پر اسے راہ پر ڈال دیا۔ پہلی بات جس سے وہ آگاہ ہوا، یہ تھی:

''میں تمہیں ابھی تو ظاہر نہیں کر سکتا، کیونکہ غصہ ہے جو نہیں۔''

''پھر خوب ہے، تب میرے پاس آنا جب یہ ہو۔''

ایک دوسرا قدم اٹھایا گیا۔

''لیکن میں اسے وقوع پذیر ہوتے ہی نہیں لا سکتا''

طالب علم نے احتجاج سا کرتے ہوئے کہا۔''یہ تو غیر متوقع طور پر ابھرتا ہے۔''

مین نہیں جانتا یہ کب ابھرے گا۔ ہوسکتا ہے میں بہت دور ہوں، ہوسکتا ہے آپ نہ مل سکیں اور مزید یہ کہ اگر میں اسے آپ تک لے آؤں بھی تو جب تک کہ میں آپ تک پہنچوں یہ نہیں رہے گا۔ وہ پیشتر ہی ایک گہری آ گاہی تک رسائی پا چکا تھا۔

تم غصے کو مجھ تک نہیں لا سکتے۔ کیا لا سکتے ہو؟ ---۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے لانے کی کوشش میں تم اس سے آ گاہ ہو جاتے ہو۔ اگر تم آ گاہ ہوتے ہو تو گرفت ختم ہو جاتی ہے، یہ فرو ہونے لگتا ہے۔ جب تک کہ تم مجھ تک پہنچو یہ نہیں ہوگا۔

اور بانکی تک پہنچنا سہل تر تھا، مجھ تک پہنچنا دشوار ہے، تمہیں کامیابی سے مکت ہونا پڑے گا۔ جب تک کہ تم وقتِ ملاقات طے کرو اور پھر مجھ تک پہنچو، یہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا وقتِ ملاقات ---۔ کیونکہ دوسری صورت میں تمہیں ضروری مسئلوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جب تک کہ تم مجھ تک پہنچو، تم اس سے گزر چکے ہو گے، اور اگر تم سمجھتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ جو چیزیں آتی جاتی ہیں وہ کوئی توجہ نہیں پاتی ہیں ---۔ وہ بس آتی جاتی ہی ہیں۔ تم ہمیشہ رہتے ہو، وہ آتی جاتی ہیں۔ تم ایسی چیز ہو جو زیادہ توجہ طلب ہے، نہ کہ چیزیں جو آتی جاتی رہتی ہیں ---۔ یہ تو موسموں کی مثل ہوتی ہیں، آب و ہوا تبدیل ہوتی ہے: صبح میں یہ مختلف تھی، شام میں یہ دوبارہ مختلف ہوتی ہے۔ یہ تبدیل ہوتی ہے۔ اسے پالو جو تبدیل نہیں ہوتا۔

طالب علم تو پہلے ہی ایک خوبصورت آ گاہی تک رسائی پا چکا تھا۔ وہ کہتا ہے:

''غیر متوقع طور پر یہ ابھرتا ہے، اور میں یقیناً اسے آپ تک لانے سے پہلے کھو بیٹھوں گا۔''

''اس صورت میں'' بانکی نے کہا ''یہ تمہاری سچی فطرت کا جزو نہیں ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ سچی فطرت ہمیشہ رہتی ہے۔ یہ نہ تو کبھی ابھرتی ہے اور نہ ہی دبتی ہے، یہ ہمیشہ رہتی ہے۔ غصہ آتا ہے، چلا جاتا ہے، نفرت ابھرتی ہے، ختم ہو جاتی ہے، تمہاری نام نہاد محبت طلوع ہوتی ہے، غروب ہو جاتی ہے۔ تمہاری فطرت سدا رہتی ہے۔

سو اس سب کے متعلق پریشان مت ہو جو آتا جاتا رہتا ہے۔ دوسری صورت میں تم اس سے برسوں تک متعلق رہ سکتے ہو اور جی سکتے ہو پر تم کبھی مدعا نہیں پا سکو گے۔

یہی وجہ ہے فرائیڈ ئین ماہرینِ تحلیلِ نفسی زیادہ کارآمد نہیں ہوتے ہیں۔ مریض کوچ پر برسوں لیٹا رہ سکتا ہے ---۔ تین برس، چار برس، پانچ برس، وہ آتی جاتی چیزوں کے متعلق گفتگو کیے جا سکتا ہے۔ یاد رکھو، کُل فرائیڈ ئین تجزیہ آتی جاتی چیزوں سے متعلق ہوتا ہے، کیا ہوا تمہارے بچپن میں، جوانی میں کیا بیتی، تمہاری جنسی حیات کیسی ہے، دوسروں سے تمہارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے ---۔ یہی سلسلہ جاری رہے گا! یہ جو ہو چکا ہے اس سے تعلق رکھتا ہے، اس سے نہیں جس پر وقوع پذیر ہوا ---۔ اور بانکی اور فرائیڈ میں یہی فرق ہے۔

اگر تم اس سے متعلق رہو جو کبھی وقوع پذیر ہوا ---۔ بہت کچھ ہو چکا ہے۔ اگر تم دیکھو تو چوبیس گھنٹوں میں بہت کچھ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ یہ تو ساری زندگی موسم کے متعلق گفتگو کرنے کے مثل ہے، یہ کیسا رہا، کسی وقت بہت گرم، کبھی بہت ابر آلود، کبھی بارش، کبھی یہ اور کبھی وہ۔ تاہم مدعا بہرحال کیا ہے؟

اور وقوع پذیر کیا ہوتا ہے؟ نفسیاتی تجزیہ کسی مریض کا کیونکر فائدہ کر سکتا ہے؟ اس

کا فائدہ بہت معمولی ہے۔ اس میں بس وقت بہت گزر جاتا ہے۔ تم دو سال کے لئے وقوع پذیر ہو چکی چیزوں کے متعلق بولتے رہو گے۔ یہ دو سال یا ایک سال یا ہو سکتا ہے زیادہ عرصہ تمہیں صرف وقت دیں گے، زخم خود بخود بھر جائیں گے، تم دوبارہ بحال ہو چکے ہو گے۔ بہرحال ایک خاص آگہی بیدار ہوتی ہے، آگہی پیدا ہوتی ہے جب تم واپس جاتے ہو اور آگے آتے ہو، تم اپنی یادداشت میں ایک شٹل کی طرف متحرک ہوتے ہو۔ ایک خاص آگہی ابھرتی ہے، اس لئے کہ تم اپنی یادوں کی بازیافت کرتے ہو۔ اسی مشاہدہ کی وجہ سے۔۔۔ تاہم یہ کوئی مرکزی شے نہیں ہے۔

فرائیڈ تمہاری مشاہدگی سے معاملہ نہیں رکھتا۔ وہ سوچتا ہے کہ صرف تعلق قائم کرنے سے، ماضی بتانے سے، الفاظ کے ذریعے اسے باہر لانے سے، لفاظی سے گہرائی میں کوئی شے تبدیل ہو رہی ہے۔ گہرائی میں کچھ بھی تو نہیں بدلتا۔ تھوڑا سا کچرا باہر نکل جاتا ہے۔ کوئی شخص بھی تمہیں نہیں سنتا اور فرائیڈ اور اس کے ماہرینِ تحلیلِ نفسی تمہیں بہت توجہ سے سنتے ہیں۔ بہرحال تمہیں اس کے لئے پیسے بھی بھرنا پڑتے ہیں۔ وہ تو پیشہ ور سامع ہیں۔ وہ ایک طور سے مدد کرتے ہیں کیونکہ تم کسی سے رازداری سے باتیں کرنا چاہتے ہو۔۔۔ وہ یہی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنی یادوں کے متعلق باتیں کرتے ہیں، وہ قدرے سکون یابی محسوس کرتے ہیں، کوئی تو ہے جو انہیں تحمل سے سن رہا ہے۔ تاہم اب کوئی نہیں سنتا، کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

برٹرینڈ رسل نے ایک چھوٹی سی کہانی لکھی ہے۔ آنے والی صدی میں، یعنی اکیسویں صدی میں ایک عظیم پیشہ ہو گا، پیشہ ور سامعین کا، ہر ہمسائیگی میں، ہر چار یا پانچ گھروں کے ساتھ ایک گھر ہو گا جس پر پیشہ ور سامع کا نشان کندہ ہو گا۔۔۔ یہ ہے تحلیلِ نفسی۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کے پاس وقت نہیں ہو گا، ہر شخص ایک عجلت میں ہو گا۔ بیوی شوہر کے ساتھ گفتگو کرنے کی اہل نہیں ہو گی، شوہر کو بیوی سے بات کرنے کی فرصت نہیں ہو گی، لوگ فون کالز پر محبت کریں گے یا ایک دوسرے کو ٹیلی ویژن سکرین پر دیکھیں گے۔ یہ ہونے والا ہے، کیونکہ کسی دوست کو جا کر ملنے کا کیا فائدہ جب تم اسے ٹیلی ویژن سکرین پر دیکھ سکتے ہو، وہ تمہیں دیکھ سکتا ہے۔ فون کی بھی

سکرین ہو گی تاکہ تم اپنے دوست کو گفتگو کے دوران میں دیکھ سکو، اور وہ تمہیں دیکھے گا۔ اگر تم ایک دوسرے کے روبرو ایک کمرے میں بیٹھو تو اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ یہ پہلے ہی ہو رہا ہے، فاصلے کو ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن نے ختم کر دیا ہے۔ رابطہ ختم ہو گا لہٰذا پیشہ ور سامعین کی ضرورت ہو گی۔

تم ماہرینِ تحلیلِ نفسی کے پاس جاتے ہو اور وہ ایک دوست کی طرح سنتے ہیں۔ بہرحال تمہیں پیسے بھرنے ہیں۔۔۔ اور اب تو تحلیلِ نفسی دنیا میں مہنگا ترین علاج ہے۔ کوئی امیر آدمی ہی اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ لوگوں کو اس کا اشتیاق ہوتا ہے۔ ''میں پانچ سال سے تحلیلِ نفسی کرا رہا ہوں۔ تم کتنے برس رہے ہو اس عمل میں؟'' غریب لوگ اسے افورڈ نہیں کر سکتے ہیں۔

تاہم مشرقی مراقبے کے طریقے ایک مختلف رجحان رکھتے ہیں۔ ان کا اس امر سے تعلق نہیں ہوتا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا، بلکہ یہ جس کے ساتھ وقوع پذیر ہوا، اس سے معاملہ کرتے ہیں۔

ایک فرائیڈین کوچ پر لیٹ کر تم ذہن کے مقاصد سے متعلق ہو جاتے ہو۔ ایک زین معبد میں بیٹھ کر تم اس سے متعلق ہوتے ہو جس کے ساتھ وقوع پذیر ہوتا ہے۔۔۔ خارج نہیں بلکہ داخل۔

> ''اس صورت میں'' بانکی نے کہا ''یہ تمہاری سچی فطرت کا جزو نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ ہے، تو تم اسے ہر وقت مجھے دکھا سکتے۔ جب تم پیدا ہوئے تم تو اس کے حامل نہیں تھے اور تمہارے والدین نے بھی اسے تمہیں نہیں دیا۔ لہٰذا یہ ضرور باہر سے تمہارے اندر آیا ہے۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ جب بھی یہ تمہارے اندر آئے، تم خود کو ایک چھڑی سے پیٹو یہاں تک کہ غصہ نہ رہے۔''

وہ تو بس مذاق کر رہا تھا۔۔۔ کہیں ایسا مت کرنے لگنا، چھڑی سچ مچ نہ اٹھا لینا۔

زین میں، آ گہی کو چھڑی کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے تم اپنے آپ کو پیٹتے ہو۔ اس کے علاوہ خود کو پیٹنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تم کوئی عام چھڑی لے کر مارو گے تو جسم ہی کو چوٹ لگے گی، تمہیں نہیں۔ تم جسم کو قتل کر سکتے ہو، اپنے کو نہیں۔ ایک چھڑی سے پیٹنے کا مطلب ہے: جب تم کو غصہ محسوس ہو، متواتر آ گاہ رہو، اس کی طرف سے خبر رکھو، چوکس رہو، ہوش میں رہو، اور آ گہی کی چھڑی سے داخلی پٹائی جاری رکھو یہاں تک کہ غصہ رفو چکر ہو جائے۔ غصہ صرف آ گاہی کے سامنے نہیں ٹھہرتا۔ صرف جسم کو پیٹنا کافی نہیں۔ یہی تو لوگ کر رہے ہیں ۔۔۔ یا تو دوسروں کے یا اپنے جسموں کو پیٹ رہے ہیں۔ بانکی کا مطلب یہ نہیں تھا ۔۔۔ وہ تو مذاق کر رہا تھا۔ اور وہ زین لوگوں کی اصطلاح استعمال کر رہا تھا جو وہ آ گہی کے لئے بولتے ہیں۔ یہ ہے چھڑی جس سے کسی شخص کو خود کو ضرور پیٹنا چاہیے۔

زین روایت میں، جب کوئی گرو مرتا ہے، تو وہ اپنا عصا اپنے سب سے بڑے شاگرد کو عطا کرتا ہے، اس کو جسے وہ اپنا جانشین منتخب کرتا ہے، یہ وہ شاگرد ہوتا ہے جو اس کی جگہ لے گا۔ وہ اسے اپنا وہ عصا عطا کرتا ہے جسے وہ ساری عمر اٹھائے رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس شخص کو داخلی چھڑی عطا کرتا ہے ۔۔۔ آ گہی۔ گرو کی چھڑی پانا ایک عظیم ترین تحفہ پانا ہے کیونکہ اس کے ذریعے وہ تسلیم کرتا ہے کہ تمہارے اندر بھی ایک چھڑی تخلیق ہو چکی ہے۔ تم اپنے ساتھ ہونے والے واقعات سے آ گاہ ہونے لگے ہو، کس کے ساتھ یہ ہونے لگے ہیں۔ فرق موجود ہے۔ خلا ہے، تکلف ہے، اب محیط اور تمہارا مرکز ہم آہنگ نہیں۔ بانکی نے کہا ''میں تجویز دیتا ہوں کہ جب یہ تم میں آئے، یہ غصہ، تو یہ لازماً خارج سے آئے گا۔ تم پیدائش کے وقت اس کے حامل نہیں تھے، نہ کسی شخص نے، نہ تمہارے والدین نے یا کسی اور نے تمہیں تحفتاً بھی نہیں دیا، پس کہاں سے آ رہا ہے یہ؟ یہ ضرور باہر سے آ رہا ہے، محیط ضرور دیگر محیطوں سے چھو رہا ہے۔ وہاں سے تم امواج اور لہریں حاصل کر رہے ہو۔ لہٰذا ہوشیار ہو جاؤ ۔۔۔ کیونکہ جس لمحے تم ہوشیار ہوتے ہو تم دفعتاً مرکز میں پہنچ جاتا ہو۔

لاعلمی میں تم محیط ہی تک رہتے ہو۔

آ گہی میں تم مرکز میں پہنچ جاتے ہو۔

اور مرکز سے تم دیکھ سکتے ہو کہ محیط میں کیا ہو رہا ہے۔ تب اگر دو لوگ محیط میں چھوتے ہیں تو دونوں محیط میں ہی مشکل کھڑی کریں گے تاہم یہ تمہارے لئے مشکل یا مسئلہ نہیں ہو گا۔ تم ہنس سکتے ہو، تم اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہو، تم کہہ سکتے ہو ''اس کی آواز مسحور کن ہوتی ہے۔''

ایسا ہوا ہے: بدھا ایک بستی کے قریب سے گزر رہے تھے، چند لوگ آئے اور انہیں گندی گندی گالیاں دینے لگے ۔۔۔ مگر وہ خاموش کھڑے سنتے رہے۔ وہ لوگ کچھ پریشان سے ہو گئے کیونکہ انہوں نے کوئی ردِ عمل جو ظاہر نہیں کیا۔ تب ہجوم میں سے کسی نے پوچھا: ''تم خاموش کیوں ہو؟ ہم جو کہہ رہے ہیں اس کا جواب دو!'' بدھا بولے ''تم ذرا دیر سے آئے ہو۔ تمہیں دس سال پیشتر آنا چاہئے تھا، کیونکہ تب میں ردِ عمل کر پاتا۔ تاہم اب میں وہاں نہیں ہوں جہاں تم میرے ساتھ یہ سب کر رہے ہو، ایک فاصلہ پیدا ہو چکا ہے۔ اب میں مرکز میں پہنچ چکا ہوں جہاں تم مجھے چھو تک نہیں سکتے ہو۔ تمہیں ذرا دیر ہو گئی۔ میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ تاہم میں اس سے لطف اندوز ہوا ہوں۔ اب میں عجلت میں ہوں کیونکہ دوسری بستی میں جہاں میں جا رہا ہوں لوگ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر تم اپنا کام نہیں ختم کر چکے ہو تو میں اسی راستے سے دوبارہ گزروں گا۔ تم دوبارہ آ سکتے ہو۔ اس کی آواز بڑی مسحور کن ہے۔''

وہ ہکا بکا رہ گئے۔ ایسے آدمی کے ساتھ بھلا کوئی کیا کرے؟ ہجوم میں سے دوسرا بولا ''کیا تم کچھ بھی نہیں کہو گے؟'' بدھا بولے ''بستی میں میں ابھی ابھی آیا ہوں، لوگ بہت سی مٹھائیاں لئے میرے پاس آئے مگر میں اسی وقت کوئی چیز لیتا ہوں جب مجھے بھوک لگ رہی ہوتی ہے۔ اس وقت میں بھوکا نہیں تھا، لہٰذا میں نے ان کی مٹھائیاں انہیں واپس دے دیں۔ میں تم سے پوچھتا ہوں، انہوں نے کیا کیا ہو گا؟''

آدمی بولا ''وہ لوگ بستی گئے ہوں گے اور دوسروں کو وہ مٹھائیاں پرساد کے طور پر بانٹی ہوں گی۔''

بدھا نے ہنسنا شروع کر دیا اور بولے ''تم سچ مچ پھنس گئے ہو، تم مشکل میں ہو

---کیا کرو گے تم؟ تم ان گندے غلیظ الفاظ کو مجھ تک لائے اور میں کہتا ہوں میں بھوکا نہیں ہوں ---لہٰذا اب انہیں واپس لے جاؤ! اور میں تمہاری بستی کے لئے معذرت خواہ ہوں کیونکہ لوگوں کو ایسی غلیظ چیزیں ملیں گی۔ گندے الفاظ، گالیاں پرساد میں۔

جب تم مرکز میں ہوتے ہو تو اس کی آواز مسحور کن ہوتی ہے---تم اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہو۔ جب تم ٹھنڈے ہوتے ہو تو تم ساری دنیا سے لطف اندوز ہو سکتے ہو۔ جب تم گرم ہوتے ہو تو تم لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ تم ہم آہنگ ہوتے ہو، تم کھوئے ہوئے ہوتے ہو، تم اس میں جذب ہوتے ہو۔ تم اس میں بہت مبتلا ہوتے ہو، تم کیونکر اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہو؟

ہوسکتا ہے اس کی آواز استبعادی ہو تاہم میں تمہیں بتاتا ہوں: صرف ایک بدھا ہی اس دنیا سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ تب ہر شے کی آواز مسحور کن ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

﴿باب نمبر 4﴾

راستہ کون سا ہے؟

محبت، خود شناسی، ترکِ ذات اور بھروسے جیسے اہم موضوعات پر گرورجنیش کا انتہائی غیر معمولی افکار سے لبریز اور بصیرت افروز لیکچر

.......تم پہاڑ ہو اور راستہ پار ہے۔ خود کو پار کرنا بڑا دشوار ہے۔

.......تمہیں لازماً واحد ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے تمہیں لازماً خیالات سے خالی ہونا ہے کیونکہ خیالات تو ایک ہجوم ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں تقسیم کر دیتے ہیں۔

.......کیا تم کسی سے محبت کرتے ہو؟ --- ہاں، اور اندر گہرائی میں نہاں ہوتا ہے ---نہیں۔

.......تم کسی شخص کو چھو سکتے ہو تاہم یہ چھونا خالص نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ محبت میں جب تم کسی کو چھوتے ہو تب بھی تمہارا لمس خالص نہیں ہوتا۔

.......متلاشی ہمیشہ خلوت گزینی اختیار کرتے ہیں، صرف اپنے آپ کا سامنا کرنے کی غرض سے۔

.......اگر تم تنہا ہو تو تم نشوونما پاتے ہو کیونکہ نشوونما کے لئے گنجائش موجود ہوتی ہے ---کوئی بھی روڑے اٹکانے والا نہیں ہوتا۔

.......اور یاد رکھو جب دوسرا نہیں ہوتا تو انا موجود نہیں ہوتی ہے، یہ تو دوسرے کے ہمراہ وجود رکھتی ہے۔

.......یاد رکھو، انا نیوراسس ہوتی ہے۔ انا توجہ کی طالب رہتی ہے۔ اسے توجہ دو اور انا بہتر محسوس کرے گی۔

.......نیوراسس توجہ کی ایک گہری آرزو ہوتا ہے۔

.... تنہائی ایک صحت بخش اثر کی حامل ہوتی ہے، یہ ایک صحت بخش قوت ہے۔

.... بھروسہ بہت اہم ہے، نہ علم، نہ منطق، نہ ہی استدلال کی استعداد۔۔۔ ناں، تاہم ایک گہرا بھروسہ۔۔۔

ایک گرو دنیا کو ترک کر کے ایک پہاڑ پر رہتا تھا۔ ایک درویش نے پوچھا:

''راستہ کون سا ہے؟''

''کس قدر حسین ہے یہ پہاڑ''

گرو نے جواب میں کہا:

''میں آپ سے پہاڑ کے متعلق نہیں پوچھ رہا ہوں۔'' درویش نے کہا: ''بلکہ راستے کے بارے میں۔''

گرو نے جواب دیا: ''تم جب تک پہاڑ سے پرے نہیں جاؤ گے، میرے فرزند! تم راستہ نہیں پا سکو گے۔''

راستہ آسان ہے۔۔۔ لیکن تم پہاڑ ہو اور راستہ پار ہے۔ خود کو پار کرنا بہت دشوار ہے۔ جب ایک مرتبہ تم راستے میں ہوتے ہو تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا ہے تاہم راستہ تم سے بہت دور ہے۔

اور تم ایک تناقضات کے ڈھیر کے مثل ہو۔ تمہارا ایک حصہ مشرق کو جاتا ہے، دوسرا مغرب کو۔۔۔ تم ایک سمت میں سفر نہیں کر رہے ہو، تم ویسے نہیں ہو سکتے جیسے کہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی سمت میں سفر کرنے کے لئے داخلی ارتکاز کی، ایک شفاف ہستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم جیسے ہو نا تو تم ایک ہجوم ہو، بہت سے ہو، تم میں جڑت نہیں ہے، ارتکاز نہیں ہے۔

بہت ہو تو تم کچھ انتظام و انصرام کر لو گے، جیسا کہ ہر شخص نے کر لیا ہوا ہے۔۔۔ اگر تم خود پر قابو پا لو۔ بہت ہو تو تم ایک اسمبلی بن سکتے ہو، ایک ہجوم نہیں، اور تب تم ایک ہندوستانی اسمبلی ہی ہو گے، نہ کہ برطانوی۔ بہت ہوا تو اکثریت تمہارے اجزا کی ایک سمت میں حرکت کر پائے گی تاہم اقلیت ہمیشہ ایسی رہے گی، جو کسی اور سمت سفر کرے گی۔

لہٰذا ایک انتہائی منضبط، منظّم انسان بھی، صاحبِ کردار اور صاحبِ فکر بھی راستے کو نہیں پا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ معاشرے سے تطبیق کرنے کا اہل ہوتا تاہم وہ بھی اس راستے تک رسائی پانے کا اہل نہیں جہاں سے الوہیت کو دروازہ وا ہوتا ہے۔

تم حقیقتاً ایک پہاڑ ہو۔

پہلی بات جو ضرور یاد رکھنی چاہیے یہ ہے کہ ہجوم کو لازماً فرو ہونا چاہیے۔ سہ نفسی ہستی کو لازماً یک نفسی میں بدلنا ہو گا، تمہیں لازماً واحد ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے تمہیں لازماً خیالات سے خالی ہونا ہے کیونکہ خیالات تو ایک ہجوم ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں تقسیم کر دیتے ہیں اور ہر خیال تمہیں الگ کھینچ لے جاتا ہے۔ وہ تم میں انتشار کو تخلیق کرتے ہیں اور ہمیشہ متخالفانہ ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب تم طے کرتے ہو تو ہمیشہ فیصلہ تمہارے اندر کسی جزو کے خلاف پڑتا

ہے، یہ کبھی کامل نہیں ہوتا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ ایسا ہوا تھا: ملا نصر الدین بہت بیمار تھے ۔۔۔ تناؤ کا شکار تھے، نفسیاتی طور پر بیماری میں مبتلا تھے۔ اور بیماری یہ تھی کہ آہستہ آہستہ وہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہو گئے تھے، بڑے تو کیا چھوٹے فیصلے کرنے کے بھی اہل نہیں رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ نہانے کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتے کہ نہائیں یا نہیں۔ انہیں ایک نفسیاتی علاج گاہ لے جایا گیا۔

چھ ماہ کے علاج کے بعد ہر شے درست ہو گئی، اور ڈاکٹروں نے محسوس کیا کہ اب وہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ انہوں نے ایک روز کہا: ''نصر الدین اب آپ بالکل تندرست ہیں۔ آپ دنیا میں واپس جا سکتے ہیں، اپنا کام سنبھال لیں، معمولاتِ حیات میں حصہ لینا شروع کر دیں۔ ہم مطمئن ہیں کہ اب کوئی خرابی نہیں رہی''۔ تاہم نصر الدین کی فیصلے میں ہچکچاہٹ کو بھانپتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا ''پریشان مت ہوں۔ اب آپ دنیا میں لوٹنے اور اپنا کام کاج سنبھالنے کے قابل ہیں۔'' نصر الدین نے کہا ''ہاں، نہیں۔''

یہ ہے صورتِ حال۔ تم صحت مند ہو یا نہیں، سوال یہ نہیں ہے، فرق محض درجے کا ہے ۔۔۔ تاہم مسئلہ داخل میں رہ جاتا ہے، ہاں اور نہیں، دونوں۔

کیا تم کسی سے محبت کرتے ہو؟ ۔۔۔ ہاں، اور اندر گہرائی میں نہاں ہوتا ہے ۔۔۔ نہیں۔ جلد یا بدیر جب تم ہاں سے تھک جاؤ گے تو نہیں ابھرے گی اور تم اسی شخص سے نفرت کرنے لگو گے جس سے کہ محبت کیا کرتے تھے۔ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو تاہم ناپسندیدگی اندر نہاں ہوتی ہے، جلد یا بدیر تم اسی شے کو ناپسند کرنے لگو گے۔

جب تمہیں محبت ہوتی ہے تو تم پاگل ہوتے ہو، جب تم پسند کرتے ہو تو اس سے تم پاگل ہو چکے ہوتے ہو، اور اس وقت بھی تم پاگل ہو گے جب نفرت اور ناپسندیدگی اختیار کرو گے۔ ایسے ہوتے ہو تم ۔۔۔ ہاں اور نہیں، دونوں ۔۔۔ کیونکر تم الوہیت کی طرف سفر کر سکتے ہو؟ الوہیت کے لئے کامل وفا شعاری ناگزیر ہے، ذرا سی بھی کمی کام بگاڑ دے گی۔ لیکن کامل وفا شعاری کیونکر؟ تم ایک کامل ہستی نہیں ہو! یہی تو ہے پہاڑ۔

راستہ تو سہل ہے، تاہم تم راستے پر نہیں ہو، اور اس دنیا کی ساری تکنیکیں اور

طریقے اور سارے گرو سچ تو یہ ہے کہ تمہیں راستہ نہیں دے سکتے ۔۔۔ راستہ تو پیشتر ہی موجود ہوتا ہے۔ ان کے طریقے اور تکنیکیں بس راستے کی طرف تمہیں اشارہ کر دیتی ہیں، یہ خود راستے نہیں ہوتے۔ وہ پہاڑ پر پگڈنڈیاں تخلیق کرتے ہیں تاکہ تم پار جا سکو ۔۔۔ کیونکہ راستہ ادھر ہے، وہاں راستہ تخلیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ تو پیشتر ہی موجود ہے۔ تاہم تم ایک جنگل میں گم ہو گئے ہو۔ تمہیں راستے پر لانا ہو گا۔

لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ جتنا زیادہ تم منقسم ہو گے، اتنا ہی راستے سے دور تر تم ہو گے۔ جتنا زیادہ غیر منقسم ہو گے، اتنا ہی راستہ قریب تر ہو گا۔

خیالات تقسیم کرتے ہیں کیونکہ ان میں ہمیشہ تضادات نہاں ہوتے ہیں۔ محبت نفرت کی حامل ہوتی ہے، دوستی دشمنی کی، پسندیدگی ناپسندیدگی کی۔ سوسن درست کہتی ہے کہ ''پسند اور ناپسند میں بہت حقیر سا فرق ہوتا ہے، تمہاری پسند اور ناپسند میں ذرا سی تبدیلی آسمان اور زمین کو الگ الگ کر دیتی ہے۔'' کوئی تفریق ۔۔۔ اور تم پہنچ گئے ہو ۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بغیر کسی تفریق کے تم واحد ہوتے ہو۔

لہٰذا یاد رکھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ خیالات سے کیونکر چھٹکارہ پانا ہے اور خیالات سے عاری کیسے ہونا ہے؟ خیالات سے عاری مگر چوکس، کیونکہ گہری نیند میں بھی تم خیالات سے عاری ہوتے ہو اور ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تو جسم کے لئے بہتر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ گہری نیند کے بعد تمہارے جسم کو نوجوانی کا سا احساس ہوتا ہے۔ لیکن ذہن تھکا ہوا ہی رہتا ہے حتیٰ کہ صبح میں بھی، کیونکہ ذہن اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے۔ جسم سکوں یاب ہوتا ہے تاہم ذہن کی وجہ سے یہ بھی کامل سکوں یاب نہیں ہوتا، تاہم یہ ہنوز سکوں یاب ہوتا ضرور ہے۔ لہٰذا صبح میں جسم ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے، کم از کم کام کرنے کے اعتبار سے تو ٹھیک ٹھاک ۔۔۔ تاہم ذہن تھکن محسوس کرتا ہے، حتیٰ کہ صبح میں بھی۔ تم سونے کے لئے تھکے ہوئے جاتے ہو، تم صبح میں اٹھتے ہو تو زیادہ تھکن محسوس کرتے ہو کیونکہ ذہن مسلسل کام کر رہا تھا، خواب دیکھ رہا تھا، سوچ رہا تھا۔ منصوبہ بندی کر رہا تھا، خواہش کر رہا تھا، ذہن تو متواتر کام میں مصروف رہا تھا۔

گہری نیند میں چند لمحوں کے لئے جب تم شعور سے مکمل ماورا ہوتے ہو تب تم

واحد ہو جاتے ہو۔ یہی واحدانیت مطلوب ہے شعور اور چوکسی کی حالت میں۔ جیسا کہ تم گہری نیند میں ہوتے ہو۔۔۔ کوئی خیال نہیں، کوئی اچھے برے کا فرق نہیں، کوئی جنت جہنم نہیں، خدا اور شیطان نہیں ہوتے۔ کسی طرح کی کوئی سمت نہیں ہوتی ہے، تم بس ہوتے ہو، تاہم بے شعور۔۔۔ تمہیں اس کیفیت کو پانا ہے شعور اور چوکسی کی حالت میں۔ سمادھی آخری، حتمی، مراقبہ کچھ نہیں سوائے کامل شعور کے ساتھ گہری نیند کے۔ گہری نیند تو تم حاصل کر لیتے ہو لہٰذا جس شے کی ضرورت ہے وہ ہے مزید شعور۔ اگر تم اپنی گہری نیند کے ساتھ مزید شعور کو شامل کر لیتے ہو تو تم صاحبِ بصیرت ہو جاؤ گے۔ پہاڑ معدوم ہو جائے گا اور راستہ کشادہ ہو جائے گا۔۔۔ پہلی بات۔

دوسری بات: تم اپنے اندر ماضی کو اٹھائے پھرتے ہو۔۔۔ جو کثرت کو تخلیق کرتا ہے۔ تم ایک بچے تھے، بچہ ہنوز تم میں مستور ہے، اور بعض اوقات تم ہنوز محسوس کرتے ہو کہ بچہ لاتیں چلا رہا ہے۔ خاص لمحات میں تم پیچھے جاتے ہو اور دوبارہ بچے بن جاتے ہو۔ تم کبھی جوان ہوتے تھے، اب تم بوڑھے ہو گئے ہو، وہ جوان ہنوز تم میں نہاں ہے، اور بعض اوقات ایک بوڑھا آدمی بھی ایک جوان آدمی کا سا احمق بن جاتا ہے۔ تم سارے کا سارا ماضی اٹھائے پھرتے ہو، اس کا ایک ایک لمحہ، اور تم میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں! کوکھ سے لے کر تا ایں دم تم لاکھوں اشخاص رہے ہو، اور وہ سب کے سب تم میں نہاں ہیں۔ تہہ بہ تہہ۔ تم پروان چڑھ گئے ہو، تاہم ماضی غائب نہیں ہوا ہے، ہو سکتا ہے یہ مستور ہو تاہم ہے ضرور۔۔۔ اور نہ صرف یہ ذہن میں ہوتا ہے بلکہ جسم میں بھی۔

اگر جب تم بچے تھے اور تم کو غصہ آیا ہوا تھا اور کسی نے کہا تھا "ٹھہرو! غصہ مت کرو۔" اور تم ٹھہر گئے تھے، تو وہ غصہ ہنوز تمہارے اندر نہاں ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کیونکہ توانائی ناقابلِ فنا ہے، اور جب تک تم سکوں یاب نہیں ہوتے یہ موجود رہتی ہے۔ جب تک تم شعوری طور پر اس توانائی کا چکر پورا نہیں کرتے ہو جو پچاس ساٹھ برس پہلے ایک خاص لمحے میں غصہ بن گئی تھی تو وہ تمہارے اندر ہی نہاں رہتا ہے اور تمہارے تمام افعال کو رنگ دیتا ہے۔

تم کسی شخص کو چھو سکتے ہو، تاہم یہ چھونا خالص نہیں ہوگا۔ تمہارے ہاتھ میں سارا

ماضی ہوتا ہے، سارا دبا ہوا غصہ، تمام دبی ہوئی نفرت اس میں مستور ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ محبت میں جب تم کسی کو چھوتے ہو تب بھی تمہارا لمس خالص نہیں ہوتا ہے، محبت خالص ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ میں غصہ نہاں رہتا ہے۔

ولہیلم رائخ نے اس سوئے ہوئے دباؤ پر کافی کام کیا ہے۔ جسم ماضی کو اٹھائے ہوتا ہے، ذہن ماضی کو اٹھائے ہوئے ہوتا ہے، اس گراں باری کی حالت میں تم حاضر و موجود نہیں ہو سکتے۔ تم نے لازماً اپنا ماضی اٹھا رکھا ہوگا۔

لہٰذا مراقبہ کسی شے کو حاضر و موجود کرنے کا نام نہیں ہے۔ اس سے قبل کہ یہ ممکن ہو تمہیں اپنے ماضی سے معاملہ کرنا ہوگا۔۔۔ تمہیں سارے خمار دھونا ہوں گے، اور یہ تو لاکھوں ہیں۔

جب کوئی بوڑھا بھی ہو جاتا ہے تب بھی وہ بچہ ہوتا ہے، ایک جوان ہوتا ہے اور وہ سب جو کہ کبھی وہ ہوا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نہیں جانتے ہو کہ ہر لمحہ کیونکر مرا جاتا ہے۔

یہ ہے زندگی کا سارا فن۔۔۔ ہر ہر لمحہ مرتے رہنا تا کہ کوئی خمار نہ رہے۔

ایک تعلق ختم ہوا۔۔۔ تم اسے اٹھائے ہوئے نہیں ہو، تم تو بس اس کے لئے مر چکے ہو! تم کیا کر سکتے ہو؟ کوئی شے ہو رہی تھی اور اب یہ نہیں ہو رہی ہے۔ تم اس کو قبول کرتے ہو اور اس کے لئے مر جاتے ہو۔۔۔ تم تو بس اس کو کامل آگہی کے ساتھ ترک کر دیتے ہو اور تب تم نئے لمحے میں نئے ہو جاتے ہو۔ اب تم ماضی کو اٹھائے ہوئے نہیں ہو۔

تم مزید بچہ نہیں ہو، تاہم خود کو مشاہدہ کرو اور تم محسوس کرو گے کہ بچہ تو ہے۔۔۔ اور یہ بچہ مشکل پیدا کرتا ہے! اگر تم حقیقتاً بچہ ہوتے تو کوئی دشواری نہیں ہے تاہم تم جوان یا بوڑھے ہو۔۔۔

میں نے سنا ہے کہ ملا نصرالدین ہسپتال میں داخل تھے۔ وہ 80 برس کے تھے ۔۔۔ اور تب ان کی سالگرہ آ گئی، اور وہ اپنے تین بیٹوں کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ تحفے لے کر آئیں گے۔ وہ آئے ضرور تاہم وہ کوئی شے لے کر نہیں آئے۔۔۔ کیونکہ وہ 80

برس کا بوڑھا جو تھے! ایک بچہ تحفہ پا کر خوش ہوتا ہے، تاہم ایک بوڑھا آدمی، 80 برس کا بوڑھا آدمی؟ اس کا سب سے بڑا بیٹا ساٹھ برس کا تھا۔ پس انہوں نے اس بارے میں تو سوچا تک نہیں تاہم جب وہ آئے اور ملاّ نے انہیں دیکھا کہ وہ خالی ہاتھ ہیں تو وہ غصے ہو گئے اور کہنے لگے ''کیا! کیا تم اپنے بوڑھے باپ کو بھلا بیٹھے ہو، اپنے غریب بوڑھے باپ کی سالگرہ کو؟ یہ میری سالگرہ کا دن ہے!''

بچہ۔۔۔ اس لمحے تم ان کی آنکھوں میں جھانک سکتے اور یہ 80 برس کا بوڑھا آدمی وہاں نہیں تھا، فقط ایک بچہ تھا جو چند کھلونوں کا منتظر تھا۔

ایک بیٹے نے کہا ''ہمیں معاف کر دیجئے، ہمیں قطعی یاد نہیں رہا۔''

ملا نصرالدین نے کہا ''میں تمہیں معاف کر دوں گا کیونکہ ایسا لگتا ہے یہ فراموش گاری ہمارے خاندان میں رواں ہے۔ حقیقتاً میں تمہاری ماں سے شادی بھلا بیٹھا ہوں۔'' وہ سچ مچ غصے میں تھے۔

لہٰذا وہ تینوں ایک ساتھ چلا اٹھے اور کہنے لگے ''کیا! کیا آپ کا مطلب ہے کہ ہم ۔۔۔''

وہ بولے ''ہاں!۔۔۔ اور لعنت ہو تم پر!''

بچہ کہیں نہ کہیں تمہارے اندر رہتا ہے، جب تم روتے ہو تو تم اسے پا سکتے ہو، جب تم ہنستے ہو تو تم اسے پا سکتے ہو، جب کوئی تمہیں تحفہ دیتا ہے تو تم اسے پا سکتے ہو، جب کوئی تمہیں بھلاتا ہے تو تم اس کو پا سکتے ہو، جب کوئی تمہاری تحسین کرتا ہے تو تم اسے پا سکتے ہو۔ جب کوئی تمہاری مذمت کرتا ہے تو تم اسے پا سکتے ہو۔۔۔ حقیقتاً بالغ ہونا دشوار امر ہے۔ جب تک تمہارے اندر کا بچہ مرتا نہیں ہے۔ تم بالغ نہیں ہو سکتے ہو۔۔۔ بصورتِ دیگر یہ تمہارے افعال اور تمہارے تعلقات پر اثر انداز ہوتا رہے گا۔

اور ایسا صرف بچے کے معاملے میں سچ نہیں ہے، ماضی کا ہر لمحہ ہے اور تمہارے حال کو متاثر کر رہا ہے۔۔۔ تمہارا حال بہت گراں ہے۔ اور لاکھوں آوازیں تمہارے جسم اور ذہن سے نکل کر تمہیں ورغلا رہی ہیں، تم کیونکر راستے تک پہنچ سکتے ہو؟

تم تو ایک پہاڑ ہو۔ اس پہاڑ کو معدوم ہونا ہو گا۔ کیا کیا جائے؟ یہ شعور سے

معدوم ہو سکتا ہے۔۔۔ ایک بات ہے کہ تمہارے ماضی کو شعوری طور پر زندہ ہونا ہے۔

یہ شعور کا میکانزم ہے کہ جب کبھی تم شعوری طور پر کوئی شے جیتے ہو تو یہ تم پر بوجھ نہیں بنتی ہے، اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ کبھی تم پر بوجھ نہیں بنتی اگر تم اسے شعوری طور پر جیتے ہو۔

اگر تم بازار سے کچھ خریدنے جاتے ہو اور تم شعوری طور پر چلتے ہو، چیزیں شعوری طور پر خریدتے ہو، کامل یادداشت کے ساتھ، ہوشیار گھر لوٹتے ہو تو یہ کبھی تمہاری یادداشت کا حصہ نہیں بنے گا۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اس کو فراموش کر بیٹھو گے ۔۔۔ یہ بوجھ نہیں ہوگا۔ اگر تم اسے یاد کرنا چاہتے ہو تو تم اس کو یاد کر سکتے ہو، تاہم یہ تمہاری توجہ کو اپنی طرف مستقلاً مائل نہیں رکھے گا، یہ کوئی گراں شے نہیں ہو گا۔

جو کچھ تم شعوری طور پر جیتے ہو کبھی خمار نہیں بنتا ہے۔ جب کبھی تم لاشعوری طور پر جیتے ہو خمار آ گھیرتا ہے۔ کیونکہ تم کبھی اسے کاملاً نہیں جیتے ہو۔ کچھ ادھورا رہ جاتا ہے۔ جب کوئی شے ادھوری رہ جاتی ہے تو اسے اٹھانا ہی ہوتا ہے۔۔۔ اس کے پورے ہونے کا انتظار رہتا ہے۔

تم بچے تھے، اور کسی نے تمہارا کھلونا توڑ دیا تھا، اور تم روئے تھے اور تمہاری ماں نے تمہیں دلاسا دیا تھا، تمہارے ذہن کو کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔ تمہیں کچھ مٹھائیاں دی تھیں، کسی اور شے کے متعلق باتیں کرنے لگی تھیں، تمہیں کہانی سنائی تھی، تمہاری توجہ بٹا دی تھی۔۔۔ اور تم روتے اور چلاتے رہے تھے اور تم بھول گئے۔ یہ نامکمل رہ گئی، یہ موجود ہے، اور جب کبھی کوئی تم سے تمہارا کھلونا چھینے گا۔۔۔ یہ کوئی بھی کھلونا ہو سکتا ہے، ہو سکتا ہے یہ گرل فرینڈ ہو اور کوئی اسے چھین لے۔۔۔ تم رونا شروع کر دو گے۔ اور تم بچے کو موجود پاؤ گے، ادھورا۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی عہدہ ہو، تم ٹاؤن کے میئر ہو اور کوئی یہ عہدہ چھین لے، اور تم دوبارہ رونا چلانا شروع کر دو گے۔

اس کو سمجھو۔۔۔ ماضی میں پلٹو، اس سے دوبارہ گزرو، کیونکہ اب کوئی اور راستہ نہیں بچا، ماضی مزید نہیں رہا ہے، لہٰذا اگر کوئی شے معلق رہ گئی تھی تو واحد راستہ یہ ہے کہ اس کو ذہن میں حیاتِ نو دو، واپس پلٹو۔

ہر رات ایک وقت متعین کر لو ماضی میں ایک گھنٹہ لوٹنے کا، کامل چوکسی کے ساتھ، گویا تم ساری چیزوں کو دوبارہ جی رہے ہو۔ بہت سی چیزیں اچھل پڑیں گی، بہت سی چیزیں تمہاری توجہ کو کھینچیں گی۔۔۔ لہٰذا جلدی مت کرو، اور کسی شے کو ادھوری توجہ مت دو اور دوبارہ مت سفر شروع کرو کیونکہ اس سے دوبارہ ادھورا پن تخلیق ہو گا۔ جو کچھ بھی آتا ہے اسے پوری توجہ دو۔ اسے **دوبارہ جیو**۔ اور جب میں کہتا ہوں اسے دوبارہ جیو تو میرا مطلب ہوتا ہے اسے دوبارہ جیو۔۔۔ نہ کہ بس یاد کرو، کیونکہ جب تم کسی شے کو یاد کرتے ہو تو تم ایک علیٰحدہ ناظر ہوتے ہو، اس سے تو امداد نہیں ہو گی۔ اسے

دوبارہ جیو!

تم دوبارہ ایک بچے ہوتے ہو۔ اس طرح مت دیکھو گویا تم الگ کھڑے ہوئے ہو اور ایک ایسے بچے کو دیکھ رہے ہو جس کا کھلونا چھین لیا گیا ہے۔ ناں! بچے بن جاؤ۔ خارجی طور پر نہیں بلکہ داخلی طور پر بچہ۔۔۔ دوبارہ بچہ بن جاؤ۔ لمحے کو دوبارہ جیو۔ کسی نے کھلونا چھین لیا ہے، کسی نے اسے توڑ دیا ہے، اور تم چلانے لگتے ہو۔۔۔ اور چلاتے ہی جاتے ہو! تمہاری ماں تمہیں دلاسا دینے کی کوشش کرتی ہے۔۔۔ اس سب سے دوبارہ گزرو، مگر اب کسی شے کی وجہ سے منحرف مت ہونا۔ سارے کے سارے عمل کو پورا ہونے دو۔ جب یہ پورا ہو گیا تو دفعتاً تم محسوس کرو گے کہ تمہارا دل ہلکا پھلکا ہو گیا ہے، کوئی بوجھ اتر گیا ہے۔

تم اپنے والد سے کچھ کہنا چاہتے تھے جواب وفات پا چکے ہیں۔ اب ان سے بات کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ یا تم ان سے کسی خاص شے کی معذرت چاہتے ہو جو انہیں ناپسند ہوا کرتی تھی، مگر تمہاری انا آڑے آ گئی اور تم ان سے معذرت نہیں مانگ سکے تھے، اب وہ وفات پا گئے ہیں، اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا کیا جا سکتا ہے؟ ۔۔۔ اور یہ ہے! یہ آئے گی اور آتی چلی جائے گی اور تمہارے سارے تعلقات کو برباد کر چھوڑے گی۔

میں اس سے خوب آگاہ ہوں کیونکہ ایک گرو ہونا ایک خاص مفہوم میں ایک باپ ہونا ہے۔۔۔ وہ بہت کچھ ہوتا ہے مگر اہم امر تو یہ ہے کہ وہ ایک خاص مفہوم میں باپ

ہوتا ہے۔ جب لوگ میرے پاس آتے ہیں، اگر وہ اپنے باپ کے ساتھ تعلق سے لدے ہوئے ہوتے ہیں تو مجھ سے متعلق ہونا کافی دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ میں ہمیشہ محسوس کرتا ہوں کہ ان کے باپ کی آمد ہو گئی ہے۔ اگر وہ اپنے باپ سے نفرت کرتے ہوتے ہیں تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگتے ہیں، اگر وہ اپنے باپ سے لڑنا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے لڑنے لگتے ہیں، اگر وہ اپنے باپ سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے محبت کرنے لگتے ہیں، اگر وہ اپنے باپ کا احترام کرتے ہیں تو وہ میرا احترام کرنے لگتے ہیں اگر وہ اپنے باپ کی ظاہری طور پر عزت کرتے ہیں اور اندر سے عزت نہیں کرتے ہیں تو یہی کچھ میرے ساتھ کرتے ہیں۔۔۔ اور پھر کُل شے عمل میں آ جاتی ہے۔

اگر تم باشعور ہو تو تم مشاہدہ کر سکتے ہو۔ واپس جاؤ، اگرچہ تمہارا باپ اب جی نہیں رہا تاہم **یاد کی آنکھوں کے لئے تو وہ ہنوز وہیں ہے**۔ اپنی آنکھیں بند کرو، وہی بچہ دوبارہ بنو جس نے کچھ کرنے کا عہد کیا تھا، اپنے والد کی رضا کے خلاف کچھ کرو، معافی مانگنے کی خواہش کرو لیکن اس کی جرأت نہ ہو۔۔۔ اب تو تم جرأت مجتمع کر سکتے ہو! تم وہ کچھ کہہ سکتے ہو جو تم کہنا چاہتے تھے، تم دوبارہ اس کے چرن چھو سکتے ہو، یا تم اس پر خفا ہو سکتے ہو اور اسے پیٹ سکتے ہو تاہم بس **کرو**! سارے عمل کو پورا ہونے دو۔

ایک اساسی قانون کو یاد رکھو! جو شے کہ پوری ہو جاتی ہے، ترک ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تب اس کو اٹھائے پھرنے کا کوئی معنی نہیں ہوتا ہے نا، جو شے ادھوری ہے وہ چمٹ جاتی ہے، وہ اپنے پورے ہونے کا انتظار کرتی ہے۔

اور یہ ہستی پوری ہونے کے بعد **ہوتی** ہے۔ ہستیٔ کُل ایک اساسی رجحان رکھتی ہے ہر شے کو پورا کرنے کا۔ یہ نامکمل اشیا کو پسند نہیں کرتی۔۔۔ معلق ہوتی ہیں، جو منتظر ہوتی ہیں، اور ہستی کے لئے کوئی عجلت نہیں ہوتی ہے۔۔۔ وہ لاکھوں برس انتظار کر سکتی ہے۔

ماضی کی طرف سفر کرو۔ ہر رات سونے سے پہلے ایک گھنٹے کے

لئے ماضی میں جایا کرو، **دوبارہ جیا کرو**۔ بہت سی یادیں باری باری نظارہ کرائیں گی۔ بہت سی چیزیں تمہیں حیران کر دیں گی کہ ایسی چنگاری بھی یا رب اپنے خاکستر میں تھی۔۔۔ اور اتنی زندگی اور تازگی کے ساتھ گویا وہ ابھی ابھی واقع ہوئی ہوں! تم دوبارہ ایک بچہ، ایک نوجوان، ایک محبت کرنے والا ہو گے، بہت سی چیزیں آئیں گی۔ آہستہ سفر کرو، لہٰذا ہر شے پوری ہو جائے گی۔ تمہارا پہاڑ چھوٹے سے چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔۔۔ بوجھ ہی تو پہاڑ ہے اور جتنا چھوٹا یہ ہو گا اتنا ہی زیادہ آزاد تم محسوس کرو گے۔ آزادی کی ایک خاص نوعیت تم پر وارد ہو گی، اور ایک تازگی، اور اندر تم یوں محسوس کرو گے کہ تم نے سرچشمۂ حیات کو پالیا ہے۔

تم سدا توانا ہو گے۔۔۔ حتیٰ کہ دوسرے محسوس کریں گے کہ جب تم چلتے ہو تو تمہارے قدم تک بدل گئے ہیں، یہ رقص کرتے محسوس ہوں گے، جب تم چھوؤ گے تو تمہارا لمس بدل گیا ہو گا۔۔۔ یہ کوئی مردہ ہاتھ نہیں ہے، یہ دوبارہ حیات پا چکا ہے۔ اب زندگی بہہ رہی ہے کیونکہ رکاوٹیں معدوم ہو گئی ہیں، اب ہاتھ میں کوئی غصہ نہیں رہا ہے، محبت آسانی سے بہہ سکتی ہے، غیر مسموم، اپنی خالص حالت میں۔ تم مزید حساس، مزید کشادہ ہو گئے ہو۔

جب تم ماضی سے معاملہ کر آتے ہو تو دفعتاً تم خود کو حال میں
حاضر و موجود پاتے ہو تب دوبارہ سفر کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

ہر رات سفر جاری رکھو۔ بار بار یادیں تمہاری آنکھوں کے سامنے جلوہ ریز ہوں گی اور تکمیل پا جائیں گی۔ انہیں **دوبارہ جیو**، پورا کرو، دفعتاً تم محسوس کرو گے کہ وہ ترک ہو گئی ہیں۔ اب مزید کرنے کو کچھ نہیں، کام ختم ہو گیا۔ وقت کے ساتھ کم سے کم یادیں آئیں گی۔ وقفے ہوں گے۔۔۔ تم جینا پسند کرو گے، کوئی شے نہیں آ رہی۔۔۔ اور وہ وقفے خوب صورت ہوں گے۔ اور تب ایک دن آئے گا کہ تم پیچھے کو سفر کرنے کے قابل نہیں ہو گے کیونکہ ہر شے پوری ہو گئی ہو گی۔

جب تم ماضی میں سفر نہیں کر سکتے ہو صرف تبھی تم آگے کو سفر کر
پاتے ہو۔

اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اور آگے کو سفر کرنا راستے تک رسائی پا لینا ہے، کُل شعور ہر لمحہ آگے کو بڑھتا ہے، نامعلوم کے اندر۔

تاہم تمہاری ٹانگیں ماضی کی طرف سے مسلسل پیچھے کو کھینچی جا رہی تھیں، ماضی تم پر بھاری ہے، تم کیوں کر مستقبل میں سفر کر سکتے ہو اور کیونکر حال میں **ہو** سکتے ہو؟ پہاڑ حقیقتاً بڑا ہے، یہ تو ہمالیہ ہے، جس کا نقشہ تک نہیں ہے، کوئی نہیں جانتا کہ اسے کیونکر عبور کرنا ہے۔۔۔ اور ہر شخص ایک ایسا مختلف پہاڑ ہے کہ تم کبھی نقشہ نہیں بنا سکتے ہو کیونکہ یہ ہر شخص میں مختلف ہوتا ہے۔ **تم کو اپنے ہمالیہ خود اٹھانے پڑتے ہیں**، دوسروں کو اپنے ہمالیہ اٹھانے ہوتے ہیں، اور ان پہاڑوں کے ساتھ، تم لوگوں سے ملتے ہو تو صرف ٹکراؤ اور کشمکش ہی جنم لیتے ہیں۔

ساری زندگی جدوجہد میں، ایک پرتشدد جدوجہد میں ڈھل جاتی ہے، اور تم ہر کہیں ٹکراؤ کو دیکھ، محسوس اور سن سکتے ہو۔ جب کبھی کوئی قریب آتا ہے تو تم تناؤ کا شکار ہو جاتے ہو اور دوسرا بھی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔ دونوں ہی تناؤ کے اپنے اپنے ہمالیہ اٹھائے ہوئے ہو جلد یا بدیر دونوں ٹکرا جائیں گے۔۔۔ ہو سکتا ہے تم اسے محبت کہو تاہم وہ جو جانتے ہیں، وہ اسے ٹکراؤ کہتے ہیں۔ اب مصیبت شروع ہونے والی ہے۔ ماضی کے ساتھ کام پورا کر لو۔

جتنا تم ماضی سے آزاد ہوتے ہو اتنا ہی پہاڑ معدوم ہونے لگتا
ہے۔ اور تب تم ایک یکتائی پا لو گے، تم رفتہ رفتہ ایک ہو جاؤ گے۔
اب اس حکایت کو سمجھنے کی کوشش کرو: راستہ کون سا ہے؟

ایک گرو سے، جو دنیا ترک کر کے ایک پہاڑ پر گوشہ گیر تھا، ایک
درویش نے دریافت کیا "راستہ کون سا ہے؟

ہر لفظ کو سمجھا جانا چاہئے کیونکہ ہر ہر لفظ معنی کا حامل ہے:

ایک گرو سے، جو دنیا ترک کر کے ایک پہاڑ پر گوشہ گیر تھا۔۔۔

ایسا سدا ہوتا آیا ہے کہ ایک بدھا پہاڑوں کو چلا جاتا ہے، ایک عیسیٰؑ پہاڑوں کو چلے جاتے ہیں، مہاویرا پہاڑوں کو چلے جاتے ہیں۔ وہ پہاڑوں کو کیوں چلے جاتے ہیں، تنہائی میں کیوں چلے جاتے ہیں؟ وہ خلوت گزیں کیوں ہو جاتے ہیں؟ فقط اپنے داخلی پہاڑوں کا فوری اور براہِ راست سامنے کرنے کے لئے۔ معاشرے میں یہ ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ کُل توانائی تو روزمرہ کاموں میں، روٹین میں، تعلقات ہی میں ضائع ہو جاتی ہے، تمہارے پاس کافی وقت نہیں ہوتا، تمہارے پاس خود سے ٹکرانے کے لئے کافی توانائی نہیں ہوتی۔۔۔ **تم دوسروں سے ٹکرانے میں ختم ہو گئے ہو**۔۔۔ اور خود سے سامنا کرنے کے لئے ایک بہت مصروف زندگی کی ضرورت ہے، کیونکہ خود کا سامنا ایک حیران کن مظہر ہے۔ تمہیں تمہاری ساری توانائیوں کی ضرورت ہوگی۔ یہ ایک ایسا جذب کر لینے والا کام ہے جو ادھورے دل سے نہیں کیا جا سکتا۔

متلاشی ہمیشہ خلوت گزینی اختیار کرتے ہیں، صرف اپنے آپ کا سامنا کرنے کی غرض سے۔ جہاں کہیں بھی وہ جاتے ہیں۔۔۔ سامنا اپنا کرنا ہوتا ہے، اسے غیر پیچیدہ کرنے کو، کیونکہ تعلقات میں یہ پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے اپنے اپنے پہاڑ اور تکلیفیں اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ تم پیشتر ہی بوجھ تلے دبے ہوتے ہو۔۔۔ اور تب دوسرا آ ٹپکتا ہے! اور تب تم ٹکرا جاتے ہو، تب اشیا مزید پیچیدہ ہو جاتی ہیں۔ تب یہ دو بیماریوں کا ملاپ ہوتا ہے، اور ایک بہت پیچیدہ بیماری اس سے جنم لیتی ہے۔ ہر شے الجھی ہوئی ہو جاتی ہے، ایک بھول بھلیاں بن جاتی ہے۔ تم پیشتر ہی ایک بھول بھلیاں ہوتے ہو۔۔۔ بہتر تو یہ ہے کہ پہلے اسے حل کیا جاتا اور تب تم تعلقات قائم کرتے، کیونکہ اگر تم ایک پہاڑ نہیں ہو گے تو پھر دوسروں کی مدد کر سکو گے۔

اور یاد رکھو، تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، اور ٹکراؤ دو پہاڑوں کا ہوتا ہے۔ اگر تم مزید پہاڑ نہیں رہے ہو تو اب تم اس قابل ہو کہ تعلقات بنا سکو۔ اب ہو سکتا ہے دوسرا ٹکراؤ کی کوشش کرے تاہم ایسا نہیں ہو سکے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجا کرتی۔ دوسرا احمق محسوس کرنے لگے گا۔۔۔ اور یہی عقل

کی ابتدا ہے۔

تم مدد کر سکتے ہو اگر بوجھ سے آزاد ہو، تم مدد نہیں کر سکتے ہو اگر بوجھ سے آزاد نہیں ہو۔ تم ایک شوہر ہو سکتے ہو، تم ایک باپ ہو سکتے ہو، ایک ماں اور تم دوسروں کو بھی اپنے وزن سے بھاری کر سکتے ہو۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچے تمہارے پہاڑ اٹھاتے ہیں، وہ تمہارے نیچے کچلے جاتے ہیں۔۔۔ ایسا ہونا ہی ہوتا ہے کیونکہ تم تعلقات قائم کرنے سے پہلے اپنی ہستی کے متعلق واضح ہونے کی چنداں فکر ہی نہیں کرتے ہو۔

یہ ہر چوکس ہستی کی اساسی ذمہ داری ہے کہ پیشتر اس کے کہ میں کوئی تعلق قائم کروں مجھے ضرور بالضرور بوجھ سے آزاد ہونا ہوگا۔ مجھے خمار اٹھائے ہوئے نہیں ہونا چاہیے، تب ہی میں دوسروں کو پروان چڑھنے میں مدد دے سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں میں غالب آنے کی کوشش کروں گا اور دوسرا مجھ پر غلبہ پانے کی سعی کرے گا۔ اور یہ کوئی تعلق داری نہیں ہوگی، یہ محبت نہیں ہو سکتی، یہ باریک سیاست ہوگی۔

تمہاری شادی غلبے کی باریک سیاست ہوتی ہے۔ تمہاری پدریت، مامتا، ایک باریک سیاست ہوتی ہے۔ ماؤں کا مشاہدہ کرو، فقط دیکھو!۔۔۔ اور تم محسوس کرو گے کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ان کی جارحیت، ان کا غصہ ان پر اترتا ہے۔۔۔ وہ کتھارسس کی زد میں ہیں اور اس سے وہ پہلے ہی بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ وہ بہت ابتداء ہی سے زندگی میں پہاڑ اٹھا کر سفر آغاز کریں گے اور وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان بھاری سروں کے بغیر بھی کوئی زندگی ممکن ہے اور وہ کبھی اس آزادی سے آگاہ نہیں ہو سکتے جو ایک بوجھ سے آزاد ہستی کے ہمراہ آتی ہے۔ وہ کبھی نہیں جانیں گے کہ جب تم بوجھ سے آزاد ہوتے ہو تو تمہارے پر اگ آتے ہیں اور تم آسمان پر پرواز کر سکتے ہو اور نامعلوم میں۔

اور خدا تبھی مہیا ہوتا ہے جب تم بوجھ سے آزاد ہوتے ہو۔

تاہم وہ کبھی جانتے نہیں ہیں۔ وہ معبدوں کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں لیکن وہ کبھی نہیں جانتے کہ اصل معبد کہاں واقع ہے؟ اصل معبد ہے آزادی، ماضی کو لمحہ لمحہ ملاتے ہوئے حال میں زندہ ہونا۔ اور آزادی ہے سفر، سفر اندھیرے میں، نامعلوم کے

اندر۔۔۔ یہ ہے الوہیت کا دروازہ!

ایک گرو جو دنیا ترک کر کے پہاڑ پر خلوت گزیں تھا۔۔۔تنہا۔

تم کو لازماً دو لفظوں میں تمیز کرنا ہو گی، تنہائی اور تنہا۔ لغت میں دونوں کے معانی یکساں ہیں، تاہم وہ جو مراقبہ کر چکے ہیں، وہ فرق سے آگاہ ہیں۔ تنہائی تو ایک بدنما شے ہے، وہ یکساں نہیں ہوتے، وہ تو اتنے مختلف ہوتے ہیں جتنا کہ ممکن ہو۔ تنہائی ایک بدنما شے ہے، تنہائی ایک ڈپریس کرنے والی شے ہے۔۔۔ یہ تو اداسی ہے۔ دوسرے کے غیاب کا نام ہے۔ تنہائی دوسرے کے نہ ہونے کا نام ہے۔۔۔ تم دوسروں کا وہاں ہونا پسند کرو گے تاہم دوسرا نہیں ہوتا ہے، اور تم اسے محسوس کرتے ہو اور دوسروں کی کمی سی پاتے ہو۔

تنہائی میں تم تو نہیں ہوتے، دوسرے کی غیر موجودگی موجود ہوتی ہے۔

تنہا۔۔۔ یہ تو بالکل مختلف ہے۔ وہاں تم ہوتے ہو، یہ تمہاری موجودگی ہوتی ہے، یہ ایک مثبت مظہر ہے۔ تم دوسرے کی کمی سی محسوس نہیں کرتے ہو، تم خود سے ملتے ہو۔ تب تم تنہا ہوتے ہو، ایک چوٹی کی طرح تنہا، حیرت ناک حد تک خوب صورت! بعض اوقات تمہیں دہشت کا بھی احساس ہوتا ہے۔۔۔ تاہم اس میں بھی ایک حسن ہوتا ہے۔ لیکن موجودگی ایک اساسی شے ہے، تم اپنے حضور موجود ہوتے ہو۔ تم تنہا نہیں ہو تم تو اپنے ہمراہ ہو۔ تنہا، تم تو بس تنہا ہو۔۔۔ وہاں کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھ نہیں ہوتے ہو اور دوسرے کی کمی سی پاتے ہو۔

تنہائی منفی ہے، غیاب ہے، تنہا ہونا مثبت ہے، موجودگی ہے۔

اگر تم تنہا ہو تو تم نشوونما پاتے ہو، کیونکہ نشوونما کے لئے گنجائش ہوتی ہے۔۔۔ کوئی بھی روڑے اٹکانے والا نہیں ہوتا، کوئی بھی رکاوٹ کھڑی کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی بھی سخت پیچیدہ مسائل پیدا کرنے والا نہیں ہوتا۔ تنہا تم نشوونما پاتے ہو اور جس قدر تم نشوونما پانے کی خواہش کرتے ہو، پوری ہوتی ہے، کیونکہ یہاں کوئی حد نہیں ہوتی ہے

اور تم اپنے ہمراہ ہونے پر مسرور و شاداں ہوتے ہو اور ایک سعادت طلوع ہوتی ہے۔ کوئی مقابلہ نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کوئی دوسرا نہیں ہوتا ہے۔ تم نہ خوب صورت ہوتے ہو اور نہ ہی بدنما، نہ تو امیر ہوتے ہو اور نہ ہی غریب، نہ تو یہ ہوتے ہو اور نہ ہی وہ۔ نہ سیاہ نہ سفید، نہ عورت نہ مرد۔ تنہا، تم کیونکر عورت یا مرد ہو سکتے ہو؟ تنہا، تم عورت ہوتے ہو یا مرد، کیونکہ دوسرا جو نہیں ہے۔ تنہا، تم کوئی بھی نہیں ہوتے، **خالی، دوسرے سے مکمل طور پر خالی۔**

اور یاد رکھو، جب دوسرا نہیں ہوتا ہے، تو انا موجود نہیں ہوتی ہے، یہ تو دوسرے کے ہمراہ وجود رکھتی ہے۔ خواہ موجود ہو یا ناموجود، انا کے لئے دوسرا ناگزیر ہوتا ہے۔ "میں" محسوس کرنے کے لئے دوسرا ناگزیر ہوتا ہے، دوسرے کی حد ضروری ہوتی ہے۔ ہمسایوں سے غیر جانب داری کی باڑھ لگی ہو تو میں "میں" کو محسوس کرتا ہوں۔ جب کوئی ہمسایہ نہ ہو، کوئی باڑھ نہ ہو تو تم کیونکر "میں" کو محسوس کر سکتے ہو؟ تم ہو گے لیکن انا کے بغیر۔ انا تو ایک تعلق داری ہوتی ہے، یہ محض تعلق داری میں وجود رکھتی ہے۔

گرو تنہا رہتا تھا۔۔۔ تارک الدنیا کا مطلب ہوتا ہے تنہا۔۔۔ ایک پہاڑ پر، ہر کونے میں خود کا سامنا کرتے ہوئے، خود سے ملاقات کرتے ہوئے، جہاں کہیں وہ جاتا ہے خود ہی سے ٹکراتا ہے۔۔۔ دوسرے کے بوجھ سے آزاد ہوتا ہے، لہٰذا وہ خوب جانتا ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے، کون ہے؟

اگر تم تنہا ہو تو مسئلے خود بخود سلجھنے لگتے ہیں، حتیٰ کہ پاگل پن جیسا مسئلہ بھی۔ ابھی پچھلی رات ہی میں چند دوستوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ مغرب میں اگر کوئی پاگل ہو جائے، دیوانہ، مخبوط الحواس، نیوراتی ہو جائے تو برسوں اس کا بہت زیادہ علاج کیا جاتا ہے! اور نتیجہ قریباً صفر ہوتا ہے۔ وہ شخص ویسا ہی رہتا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ ایک بار یوں واقع ہوا تھا۔ ایک ماہر نفسیات ایک ایسی عورت کا علاج کر رہا تھا جس کو ایک خبط تھا۔۔۔ اس خبط کو کلپٹو میئیا (چوری کا خبط) کہا جاتا ہے۔ وہ بہت امیر تھی، اسے چیزیں چرانے کی کوئی حاجت نہیں تھی، یہ تو محض خبط ہی تھا۔ اب اس کے لئے نہ چرانا ناممکن تھا۔ جہاں کہیں اسے موقع ملتا وہ چوری کر لیتی تھی،

یہاں تک کہ بے قیمت اشیاء مثلاً سوئی، بٹن وغیرہ۔ برسوں اس کا علاج ہوتا رہا۔ پانچ برس پر محیط طویل معالجے کے بعد۔۔۔ ہزاروں ڈالر موری میں بہا دینے کے بعد۔۔۔ پانچ سال بعد اس ماہرِ نفسیات نے فرائیڈین ماہرِ نفسیات نے جو عورت کا علاج کر رہا تھا، کہا: ''اب تم نارمل لگتی ہو اور اب علاج جاری رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم اس خبط سے آزاد ہو گئی ہو۔ تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

وہ بولی ''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں بہت اچھا محسوس کر رہی ہوں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ تمہارا علاج شروع کرنے سے پہلے مجھے ہمیشہ چرائی ہوئی چیزوں کے حوالے سے احساسِ جرم ستاتا رہتا تھا۔۔۔ اب میں چوری تو کرتی ہوں لیکن احساسِ جرم نہیں ستاتا۔ بہت خوب! سب کچھ ٹھیک ہے۔ تم نے میری بڑی مدد کی ہے۔''

یہ ہے وہ سب جو ہو رہا ہے۔ بس تم عادی ہو جاتے ہو، اپنی بیماری سے ہم آہنگی پا لیتے ہو، اور بس۔

مشرق میں، خصوصاً جاپان میں۔۔۔ زین کی وجہ سے۔۔۔ کم از کم ایک ہزار برس سے ایک قطعاً مختلف طریقِ علاج رائج رہا ہے۔ زین معبدوں میں۔۔۔ جو کسی اعتبار سے ہسپتال نہیں ہوتے، اگر کوئی پاگل یا نیوراتی ہو جائے، تو کہاں جاتا ہے؟ مشرق میں وہ نیوراتی لوگوں کو ہمیشہ گرو کے پاس لے جایا کرتے ہیں کیونکہ اگر وہ نارمل لوگوں سے برتاؤ کر سکتا ہے تو نیوراتیوں کا کیوں نہیں علاج کر سکتا؟ فرق تو محض درجے کا ہوتا ہے نا!

لہٰذا وہ نیوراتی لوگوں کو زین معبد میں گرو کے پاس لے جائیں گے اور کہیں گے ''کیا کیا جائے؟ آپ ہی اس کو سنبھالئے''۔ اور وہ اس کو سنبھال لیتا ہے۔

اور علاج حقیقتاً ناقابلِ یقین ہوتا ہے!۔۔۔ علاج کیا ہوتا ہے؟ بہرکیف کوئی علاج ہی نہیں ہوتا۔ اس شخص کو معبد کے عقب میں، کسی کونے میں، کہیں ایک تنہا کوٹھڑی دے دی جاتی ہے جہاں اس نیوراتی نے رہنا ہوتا ہے۔ اسے غذا دی جائے گی، ہر سہولت۔۔۔ اور بس۔ اور اسے اپنے ہمراہ رہنا ہوتا ہے۔ تین ہفتوں ہی کے اندر، محض تین ہفتوں کے اندر اندر، بغیر کسی علاج کے، نیوراسس غائب ہو جاتا ہے۔

اب بہت سے مغربی ماہرینِ نفسیات اس کا مطالعہ ایک معجزے کے طور پر کر رہے ہیں۔ یہ کوئی معجزہ نہیں ہے۔ بس یہ تو انسان کو محض اپنے آپ کو کھنگالنے کا موقع فراہم کرنا ہوتا ہے! اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چند ہی دن پہلے تو نارمل تھا، وہ دوبارہ بھی نارمل ہو سکتا ہے۔ اس پر کوئی شے بہت گراں ثابت ہو رہی ہے اور اسے نجات چاہیے اور بس۔ اور وہ اسے بہت توجہ بھی نہیں دیں گے جیسا کہ مغرب میں دی جاتی ہے، اس طرح وہ کبھی نارمل نہیں ہوتا ہے کیونکہ پہلے کبھی کسی نے اس کو اتنی توجہ دی جو نہیں ہوتی۔ وہ کبھی نارمل نہیں ہوتا ہے کیونکہ پہلے تو کوئی اس کے بارے میں پریشان نہیں ہوتا تھا اور اب اتنے عظیم ماہرینِ نفسیات پریشان نہیں ہو رہے ہیں۔۔۔ عظیم ڈاکٹر، نام آور، عالمی شہرت یافتہ لوگ، اور وہ اس سے مخاطب ہوتے ہیں، مریض ایک کوچ پر لیٹ رہتا ہے اور ایک عظیم نام ساتھ ہی بیٹھا ہوتا ہے اور جو کچھ بھی وہ کہتا ہے اسے توجہ اور احتیاط سے سماعت کرتا رہتا ہے، ہر ہر لفظ، اس قدر توجہ! نیوراسس تو ایک سرمایہ کاری بن جاتا ہے، کیونکہ لوگ توجہ کے طالب ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ احمقانہ حرکتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ اس طرح معاشرہ انہیں توجہ دینے لگتا ہے۔ ہر قدیم ملک میں، ہر بستی میں تمہیں ایک احمق ملے گا۔۔۔ اور وہ کوئی میڈیا کر (اوسط) آدمی نہیں ہوگا، وہ بہت ذہین ہوتا ہے۔

> احمق قریباً ہمیشہ ذہین ہوا کرتے ہیں، تاہم انہوں نے ایک گُر سیکھ لیا ہے، لوگ انہیں توجہ دیتے ہیں، انہیں غذا دیتے ہیں، ہر شخص انہیں جانتا ہے، وہ کوئی عہدہ حاصل کئے بغیر ہی مشہور ہو جاتے ہیں۔۔۔

ساری بستی ان کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ جہاں کہیں سے بھی وہ گزرتے ہیں، عظیم لیڈروں کے مثل گزرتے ہیں، ایک ہجوم ان کے عقب میں ہوا کرتا ہے۔ بچے اچھلتے کودتے ان پر چیزیں پھینکتے ہیں۔۔۔ اور وہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ یہ احمق پن ان کی سرمایہ کاری ہے، ایک اچھی شے ہے! اور بستی ان کی بڑی پروا کرتی ہے، انہیں اچھا کھلوایا پلوایا جاتا ہے، اچھے لباس پہنوائے جاتے ہیں

۔۔۔انہوں نے تو گر سیکھ لیا ہوا ہے۔ کام کی کیا ضرورت ہے، کسی شے کی بھی ضرورت نہیں ۔۔۔بس احمق بنو اور یہی کافی ہے!

اگر ایک نیوراتی شخص ۔۔۔اور یاد رکھو انا نیوراسس ہوتی ہے اور انا توجہ کی طالب رہتی ہے، اسے توجہ دو، اور انا بہتر محسوس کرے گی۔ کئی لوگ محض اخبارات کی توجہ حاصل کرنے کے لئے قتل تک کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں کیونکہ جب وہ قتل کرتے ہیں تبھی سرخیوں میں ان کا ذکر آ سکتا ہے۔ وہ دفعتاً بہت بہت اہم ہو جاتے ہیں ۔۔۔ان کی تصویریں چھپتی ہیں، ان کے نام، ان کے سوانحی کوائف شائع کیے جاتے ہیں۔ دفعتاً وہ **لا شخص** نہیں رہتے ہیں، وہ **کوئی شخص** بن جاتے ہیں۔

> نیوراسس توجہ کی ایک گہری آرزو ہوتا ہے، اور اگر تم اسے توجہ دیتے ہو تو تم اسے غذا مہیا کرتے ہو ۔۔۔ یہی سبب ہے کہ ماہرین نفسیات ایک مکمل ناکامی ہیں۔

زین معبدوں میں وہ ایک شخص کا تین ہفتوں میں علاج کر دیتے ہیں۔ فرائیڈئین ماہر نفسیات ایسا تیس برسوں میں نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ وہ عین مرکزی نکتے کو فراموش کر دیتے ہیں۔ تاہم زین معبدوں میں نیوراتی اشخاص کو کوئی توجہ نہیں دی جاتی ہے، کوئی شخص نہیں سوچتا کہ وہ اہم شخص ہے۔۔۔ وہ تو بس اسے تنہا چھوڑ دیتے ہیں، محض یہ ہوتا ہے علاج۔ اسے اپنی چیزوں کو خود ہی کھنگالنا ہوتا ہے، کوئی شخص بھی پریشان نہیں کرتا۔ تین ہفتوں کے اندر اندر وہ مکمل طور پر نارمل ہو جاتا ہے۔

> تنہائی ایک صحت بخش اثر کی حامل ہوتی ہے، یہ ایک صحت بخش قوت ہے۔ جب کبھی تمہیں محسوس ہو کہ تم انتشار اور بکھراؤ کی زد میں ہو تو اسے وہیں حل مت کرنے کی سعی کرو بلکہ کچھ دنوں کے لئے معاشرے سے الگ ہو جاؤ، کم از کم تین ہفتوں کے لئے، اور بس خاموش رہو، بس اپنا مشاہدہ کرو، اپنے آپ کو محسوس کرو، بس اپنے ساتھ رہو اور تمہیں ایک حیرت ناک قوت میسر آ جائے گی جو صحت عطا کرے گی۔

لہٰذا مشرق میں، بہت سے لوگ پہاڑوں کو، جنگلوں کو، کہیں تنہا مقام پر چلے جایا کرتے ہیں، کسی ایسی جگہ جہاں پریشان کرنے والا کوئی نہیں ہوتا صرف یکتائی ہوتی ہے ۔۔۔ پس کوئی فرد خود کو براہِ راست محسوس کر سکتا ہے، اور تم دیکھ سکتے ہو کہ اندر کیا کچھ ہو رہا ہے۔

تمہارے علاوہ کوئی تمہارا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے، یاد رکھو۔ اگر تم پاگل ہو تو تم پاگل ہو ۔۔۔ تمہیں ہی اس کو چھانٹنا ہے، یہ تمہاری ذمہ داری ہے! یہی تو ہے جسے ہندو کہتے ہیں کرم۔ اس کا مفہوم نہایت گہرا ہے۔ یہ کوئی نظریہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> جو کچھ بھی تم ہوتے ہو وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، پس اس کو شناخت کرو! کوئی بھی تو تمہارا ذمہ دار نہیں ہے، صرف تم ہو ذمہ دار۔

لہٰذا تنہائی اختیار کرو ۔۔۔ معاملات کو چھانٹنے کے لئے، خود پر اور اپنے مسائل پر دھیان جماؤ۔ اور یہی حسن ہے: حتیٰ کہ اگر تم صرف خاموش ہی ہو رہو، چند دن اپنے ساتھ بسر کرو تو معاملات خود بخود سلجھ جائیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ان سلجھی حالت فطری نہیں ہوتی ہے۔ ایک ان سلجھی حالت غیر فطری ہوتی ہے، تم اسے طویل عرصے تک جاری رکھ سکتے ہو۔ اس کو طوالت دینے کے لئے کوشش کرنا پڑتی ہے۔ بس سکون یاب (ریلیکس) ہو جاؤ اور معاملات کو ہونے دو، اور دیکھتے رہو، اور کسی شے کو بھی بدلنے کی کوئی کوشش مت کرو، یاد رکھو! اگر تم کسی تبدیلی کی کوشش کرو گے تو تم الجھے ہی رہو گے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری کوشش ہی معاملوں کو بگاڑ دے گی۔

یہ دریا کے کنارے بیٹھے رہنے کے مثل ہے۔ دریا رواں رہتا ہے، کیچڑ تہہ نشیں ہوتا رہتا ہے، مردہ پتے سمندر کی طرف بہہ جاتے ہیں، رفتہ رفتہ دریا صاف اور خالص ہو جاتا ہے۔ تمہیں اسے صاف کرنے کے لئے اس کے اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے ۔۔۔ اگر تم اندر اترو گے تو اسے مزید گدلا کر دو گے۔ بس دیکھتے رہو، اور معاملات کو وقوع پذیر ہونے دو۔ یہ ہے کرم کا نظریہ کہ تم خود کو منتشر کر دیتے ہو، لہٰذا تنہائی اختیار کرو۔

لہٰذا تمہیں دوسروں پر اپنے مسائل تھوپنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، تمہیں دوسروں پر اپنی بیماریاں لادنے کی حاجت نہیں ہے ـــ بس تم تنہائی اختیار کرو، خاموشی سے انہیں بھوگو، ان کا مشاہدہ کرو۔ بس اپنے ذہن کے دریا کے کنارے بیٹھے رہو۔ معاملات سلجھ جائیں گے! جب معاملات سلجھیں گے تو تمہیں کشادگی اور روشنی مل جائے گی۔ تب واپس دنیا میں شامل ہو جاؤ ـــ اگر تم ایسا پسند کرو تو۔ اس کی بھی ضرورت نہیں ہے، اسے بھی خبط نہیں بننا چاہیے۔ کوئی شے خبط نہیں بننی چاہیے، نہ تو دنیا اور نہ ہی پہاڑ۔

جو کچھ بھی تم محسوس کرتے ہو فطری ہوتا ہے، جو کچھ تم محسوس کرتے ہو، بہتر ہوتا ہے اور تمہیں صحت بخشتا ہے، جو کچھ بھی تم محسوس کرتے ہو تم سب اسی میں ہوتے ہو، منقسم نہیں ہوتے ـــ یہی راستہ ہے۔ پہاڑ کو عبور کرو۔ اور تم اس پہاڑ کو کئی جنموں سے اونچا کرتے چلے آئے ہو۔ تمہارے کرم، جو کچھ بھی تم نے کیا ہوتا ہے۔ اب یہ تم پر بوجھ ہوتا ہے۔

ایک گرو سے، جو تارک الدنیا ہو کر ایک پہاڑ پر رہتا تھا، کسی
درویش، کسی متلاشی نے دریافت کیا:
"راستہ کیا ہے؟"
"کتنا دلکش پہاڑ ہے یہ!" گرو نے جواب میں کہا۔

یہ لایعنی دکھائی دیتا ہے ـــ کیونکہ بندہ پوچھ رہا ہے راستے کا اور گرو کہہ رہا ہے کچھ پہاڑ کے بارے میں۔ بالکل غیر منطقی دکھائی پڑتا ہے، کیونکہ اس شخص نے تو پہاڑ کے متعلق کچھ دریافت ہی نہیں کیا تھا۔

یاد رکھو، یہی میری صورتِ حال ہے۔ تم الف کے متعلق پوچھتے ہو اور میں ب کے متعلق بات کرتا ہوں، تم راستے کے بارے میں دریافت کرتے ہو اور میں پہاڑ کے متعلق کلام کرتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو صرف جبھی تم محسوس کر سکتے ہو،

اگر تم مجھے صرف سنتے ہی ہو تو پھر میں مہمل ہوں ـــ کیونکہ میں متعلقات میں نہیں کلام کر رہا ہوں۔ اگر میں متعلقہ گفتگو کروں تو تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ مسئلہ تو یہ ہے۔ اگر میں کچھ ایسا کلام کروں جو تم سے متعلق دکھائی پڑتا ہو تو یہ بہت امداد نہیں ہو گی، کیونکہ مسئلہ تو تم ہو، اور اگر میں متعلقات میں گفتگو کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہوا میں تم سے بس نبھاؤ کر رہا ہوں۔ حتیٰ کہ تمہارے لئے میں متعلقہ دکھائی دیتا ہوں، اس کا مطلب ہے کہ کچھ نہ کچھ غلط ہے۔ مجھے اس مظہر کی فطرت کی رو سے تو تم سے غیر متعلق ہونا ہے۔

میں مہمل، غیر منطقی دکھائی پڑتا ہوں۔ اور سوال اور جواب کے درمیان یہ خلا اس وقت پاٹا جا سکتا ہے جب تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ بصورتِ دیگر ایسا نہیں ہو سکتا ـــ اس کو کیونکر پاٹا جا سکتا ہے؟ گرو اور متلاشی کے درمیانی خلا کو، گرو اور چیلے کے درمیانی فاصلے کو، سوال اور جواب کے بیچ خلا کو ـــ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے راستے کے متعلق دریافت کیا ہے اور جواب پہاڑ کے متعلق دیا گیا ہے ـــ اس کو کیونکر پاٹا جا سکتا ہے؟

لہٰذا بھروسہ بہت اہم ہے، نہ علم، نہ منطق، نہ ہی استدلال کی استعداد ـــ ناں، تاہم ایک گہرا بھروسہ ایک غیر متعلق جواب کو پاٹ سکتا ہے، جس کو غیر متعلق ہو کر گہرائی میں دیکھا جا سکتا ہے اور تعلق کا ایک جلوہ دیکھا جا سکتا ہے۔

"کتنا دلکش پہاڑ ہے یہ"
گرو نے جواب میں کہا:
"میں نے پہاڑ کے متعلق آپ سے دریافت نہیں کیا ہے۔"
درویش نے کہا: "بلکہ راستے کے متعلق پوچھا ہے۔"

وہ اپنے سوال سے چمٹا ہوا ہے۔ اگر تم چمٹ جاتے ہو تو گنوا بیٹھتے ہو ـــ کیونکہ تم غلطی پر ہو، تمہارا سوال درست نہیں ہے، یہ تو ناممکن ہے! تم کیونکر ایک درست سوال دریافت کر سکتے ہو؟

اگر تم درست سوال دریافت کر سکتے ہو تو درست جواب زیادہ دور
نہیں ہوتا، یہ تو اسی میں نہاں ہوتا ہے۔

اگر تم درست سوال دریافت کر سکتے ہو تو تم پیشتر ہی درست ہوتے ہو! اور ایسے
ذہن کے ساتھ جو پہلے ہی درست ہو، جواب کیونکر نہاں رہ سکتا ہے؟

ناں، جو کچھ بھی تم دریافت کرتے ہو، جو کچھ بھی تم کہتے ہو، اس
میں تم ہوتے ہو۔

ایسا ہوا ہے۔ ملا نصرالدین موٹے ہوتے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر نے ایک خوراک متعین کر دی۔

دو ماہ بعد ملاّ ڈاکٹر سے ملاقات کرنے گئے۔ ڈاکٹر نے کہا ''خدا کی پناہ! یہ تو معجزہ ہے، آپ تو پہلے سے بھی زیادہ موٹے ہو گئے ہیں ۔۔۔ میں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں کر سکتا! کیا آپ نے میری بتائی ہوئی خوراک پر سختی سے عمل کیا تھا؟ کیا آپ نے وہی کھایا ہے جو میں نے بتایا تھا؟

نصرالدین نے کہا ''اور کچھ بھی تو نہیں! میں نے تمہاری متعینہ خوراک ہی کھائی ہے۔''

ڈاکٹر کو اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بولا ''نصرالدین، مجھے بتایئے، اور کچھ بھی نہیں؟''

نصرالدین نے کہا ''بالکل! سوائے میرے معمول کے کھانوں کے''۔ معمول کے کھانوں نے ڈاکٹر کی متعینہ خوراک کو دھکیل دیا تھا۔ تاہم ایسا ہونا ہی ہوتا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو، تم کہتے ہو، تم سوچتے ہو، اس کو تمہارا ذہن ہی چلاتا ہے ۔۔۔ یہ ہر شے کو رنگتا ہے۔ تم ایک درست سوال دریافت نہیں کر سکتے ہو۔ اگر تم ایک درست سوال دریافت کر سکتے ہو تو پھر پوچھنے کی چنداں حاجت نہیں رہتی ہے۔ کیونکہ **درستی** ہی سب کچھ ہے، نہ سوال اور نہ ہی جواب۔ اگر تم درست ہو تو تم درست سوال دریافت کرتے ہو ۔۔۔ دفعتاً درست جواب وہیں مل جاتا ہے۔ اگر تم ایک درست سوال دریافت کر سکتے ہو تو تمہیں کہیں اور جانے کی چنداں حاجت نہیں رہتی ہے، بس اپنی

آنکھیں بند کرو اور درست سوال دریافت کرو اور تمہیں وہیں درست جواب مل جائے گا۔

مسئلہ درست جواب نہیں ہے، مسئلہ درست راستہ نہیں ہے، مسئلہ تو پہاڑ ہے، مسئلہ تو ذہن ہے، مسئلہ تو تم ہو۔

''کتنا دلکش پہاڑ ہے یہ!''
گرو نے جواب دیتے ہوئے کہا:
''میں نے پہاڑ کے متعلق تو دریافت نہیں کیا ہے۔'' درویش نے
کہا: ''بلکہ راستے کا دریافت کیا ہے۔''
گرو نے جواب دیا: ''جب تک پہاڑ کو عبور نہیں کرتے ہو،
میرے فرزند! تم راستے تک رسائی نہیں پاسکتے۔''

بہت سی باتیں سمجھنے کو ہیں ۔۔۔ بلکہ محسوس کرنے کو ہیں۔

گرو نے جواب دیا ''جب تک تم پہاڑ کو عبور نہیں کر سکتے ہو،
میرے فرزند! تم راستے تک رسائی نہیں پاسکتے۔''

دفعتاً ''میرے فرزند کیوں؟'' اب تک تو گرو نے کوئی پیار بھرا لفظ استعمال نہیں کیا تھا، دفعتاً ''میرے فرزند'' کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب بھروسہ ضروری ہے، اور تم محض کچھ بول دینے ہی سے کسی شخص میں بھروسہ پیدا نہیں کر سکتے، خواہ وہ کامل سچ ہی کیوں نہ ہو۔ بھروسہ تبھی تخلیق ہوتا ہے جب گرو محبت کرنے والا ہو۔ شاگرد کی جانب سے بھروسہ، شردھا، لازمی ہوتا ہے، ایک گہرا یقین ناگزیر ہوتا ہے، تاہم یقین تبھی جنم لیتا ہے، جب گرو کہتا ہے ''میرے فرزند۔''

اب معاملہ مختلف انداز سے وقوع پذیر ہونے لگتا ہے۔ یہ کوئی دانش ورانہ تعلق داری نہیں ہوتی ہے، یہ تو یکے از قلبی تعلقات ہوتی ہے۔ اب گرو، گرو نہیں بلکہ باپ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے، اب گرو دل کی طرف مائل بہ سفر ہوتا ہے۔ اب وہ ایک قلبی

تعلق قائم کر رہا ہوتا ہے۔

اگر تم ذہنی سوال دریافت کرتے ہو اور گرو ان کا جواب دے رہا ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے بظاہر یہ مکالمہ ہوتا ہم یہ مکالمہ ہوتا نہیں۔ تم ساتھ سے گزر تو سکتے ہو لیکن اس راہ پر ملاقی نہیں ہو سکتے۔

> جب لوگ بولتے ہیں تو انہیں سنا کرو، وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن ملتے نہیں ہیں۔ یہ ایک مکالمہ نہیں ہوتا ہے! ہر دو اپنے ہی میں کھبے رہتے ہیں۔ وہ دوسرے تک رسائی پانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے ہیں۔

''میرے فرزند'' گرو کی طرف سے درویش تک رسائی پانے کی ایک کوشش ہے۔ وہ چیلے کے بھروسے کے لئے راہ ہموار کر رہا ہوتا ہے۔

تاہم تب پھر ایک بار مسئلہ کھڑا ہوتا ہے کیونکہ چیلا سوچ سکتا ہے ''یہ تو بہت ہے! میں یہاں محبت کی جستجو میں تو آیا نہیں ہوں، میں تو آیا ہوں علم کی جستجو میں۔'' تاہم ایک گرو تمہیں علم فراہم نہیں کرسکتا ہے، وہ تمہیں دانش و حکمت عطا کرسکتا ہے، اور دانش و حکمت صرف اور صرف محبت کے وسیلے سے آیا کرتی ہے۔ لہٰذا دفعتاً گرو کہتا ہے:

> ''میرے فرزند! جب تک تم پہاڑ کو عبور نہیں کر سکتے ہو، تم راستے تک رسائی نہیں پا سکتے ہو۔''
> ایک بات اور اس نے کہی:
> ''کتنا دلکش ہے یہ پہاڑ!''

ایک صاحبِ بصیرت کے لئے تو پاگل پن بھی دلکش اور خوبصورت ہوتا ہے۔ ایک صاحبِ بصیرت کے لئے بصیرت تک دلکش نہیں ہوتی ہے۔ سارے کا سارا رویہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے ''کتنا دلکش ہے یہ پہاڑ'' ۔ ایک صاحبِ بصیرت کے لئے تو تمہارا نیوراسس بھی دلکش ہوتا ہے، وہ اسے بھی قبول کر لیتا ہے، اس سے ماورا ہونا پڑتا

ہے، تاہم تباہ نہیں کرنا ہوتا ہے۔ کوئی اس سے ورے جا سکتا ہے، تاہم جب یہ ہو تو دلکش بھی ہوتا ہے۔ کوئی کسی بھی جگہ رسائی پا سکتا ہے تاہم منزل کچھ نہیں ہے۔۔۔ کچھ تو ہوتا ہے۔۔۔ ہر لمحہ، جیتی جاگتی منزل حاضر و موجود۔

> صاحبِ بصیرت کے لئے ہر شے خوبصورت ہوتی ہے اور غیر صاحبِ بصیرت کے لئے ہر شے بدنما ہوتی ہے۔ غیر صاحبِ بصیرت کے لئے دو درجے ہوتے ہیں: کم بدنما، زیادہ بدنما۔ کوئی خوبصورتی وجود نہیں رکھتی ہے۔ جب کبھی تم کسی شخص سے کہتے ہو ''تم خوبصورت ہو'' تو درحقیقت تم کہہ رہے ہوتے ہو ''تم کم بدنما ہو'' ۔ جب تم دوبارہ ایسا کہو تو غور کرنا، اور تب تم پاؤ گے کہ تم حقیقت میں کیا کہہ رہے ہو۔ کیا تم حقیقت میں خوبصورت کہہ رہے ہو؟ کیونکہ تمہارے ذہن کے لئے ایسا تو ناممکن ہے، تمہارا ذہن خوبصورتی کو دیکھ ہی نہیں سکتا ہے، تم کافی صاحب ادراک نہیں ہو۔ بہت ہوا تو تم یہ کہنے پر قادر ہوتے ہو کہ یہ شخص دوسروں سے قدرے کم بدنما ہے۔۔۔ اور کم بدنما کسی بھی لمحے زیادہ بدنما ہوسکتا ہے، محض موڈ کی ذرا سی تبدیلی کے ساتھ۔
> تمہارا دوست کچھ نہیں ہوتا ہے سوائے تمہارا کم دشمن ہونے کے۔ تمہیں ایسا ہونا ہی پڑتا ہے کیونکہ تمہارا ذہن بہت منتشر ہے، اس میں اس قدر انتشار اور بکھراؤ ہے کہ ہر شے ابتر اور تیرہ و تار ہوتی ہے۔ تم سیدھا دیکھ نہیں سکتے ہو۔ تمہاری آنکھوں پر لاکھوں پردے پڑے ہوتے ہیں، یہ حقیقتاً ایک معجزہ ہے کہ تم دیکھ کیونکر سکتے ہو، تم تو مکمل طور پر نابینا ہوتے ہو۔

تم سن نہیں سکتے ہو، تم دیکھ نہیں سکتے ہو، تم چھو نہیں سکتے ہو، تم سونگھ نہیں سکتے ہو۔ جو کچھ کہ تم کرتے ہو، ناخالص ہوتا ہے، اس مین بہت سی چیزوں کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ تم محبت کرتے ہو، اور ہزاروں چیزیں اس میں رلی ملی ہوئی ہوتی ہیں، فوری طور پر تو تم

ملکیت پسند ہو جاتے ہو، اور تم کبھی نہیں آگاہ ہوتے کہ:

> ملکیت پسندی نفرت کا جزو ہوتی ہے، محبت کا حصہ نہیں ہوتی۔
> محبت ملکیت نہیں رکھتی ہے۔ محبت دوسرے کو آزادی عطا کرتی
> ہے۔ محبت ایک غیر مشروط تحفہ ہوتی ہے، یہ سودے بازی نہیں
> ہوتی ہے۔

تاہم تمہارے ذہن کے لئے تو محبت نفرت سے کم نہیں ہوتی ہے۔ اور بس۔
بہت ہوا تو تم سوچتے ہو ''میں اِس شخص کو برداشت کر سکتا ہوں، میں اُس شخص کو
برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا میں اُس سے محبت بھی نہیں کر سکتا۔ اِس شخص کو میں برداشت کر
سکتا ہوں۔'' تاہم آنکنا منفی ہی رہتا ہے۔

جب تم بصیرت یاب ہوتے ہو تو آنکنا مثبت ہو جاتا ہے۔ تب ہر شے دلکش ہو
جاتی ہے، یہاں تک کہ تمہارا پہاڑ بھی، تمہارا نیوراسس خوب صورت ہوتا ہے۔۔۔
یہاں تک کہ پاگل پن بھی کوئی خوب صورت شے ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے بھگوان قدرے
گمراہ اور گناہ گار ہوتا ہم رہتا بھگوان ہی ہے۔ لہٰذا صاحبِ بصیرت کے لئے کوئی شے
غلط نہیں ہوسکتی ہے۔ ہر شے درست ہوتی ہے۔۔۔ کم درست، زیادہ درست۔ بھگوان
اور شیطان کا فرق نہیں رہتا ہے، فرق صرف کم یا زیادہ کا رہ جاتا ہے۔ بھگوان اور
شیطان دو قطب نہیں ہیں، عدو نہیں ہیں۔

ہندو بہت خوبصورت الفاظ کے مالک ہیں، کسی اور قوم کو الفاظ کا ایسا ادراک نہیں
ہوا ہے۔ سنسکرت حقیقت میں ایسی شے ہے جو کہیں اور وجود نہیں رکھتی ہے۔۔۔ بہت
اہلِ ادراک لوگ! انگریزی کا لفظ شیطان (DEVIL) کی اصل اور لفظ دیو (DEVA) کی
اصل ایک ہی ہے۔ دیو کا مطلب ہے، بھگوان۔ شیطان اور بھگوان ایک ہی اصل سے
ہیں: دیو کا مطلب ہوتا ہے: روشنی، اسی دیو سے شیطان (DEVIL) نکلا ہے، اور اسی دیو
سے دیوا، دیوتا، الوہی (DIVINE) نکلے ہیں۔ لفظ ڈیوائن اور ڈیول ایک ہی سنسکرت
اصل دیو سے نکلے ہیں۔ یہ ایک ہی مظہر ہے۔ تمہارا زاویہ نگاہ ہوسکتا ہے مختلف ہو، تمہارا
موقف ہوسکتا ہے جدا ہو، تاہم یہ ایک ہی مظہر ہے۔ ایک صاحبِ بصیرت شخص شیطان

کے متعلق بھی کہے گا ''کتنا خوبصورت! کتنا الوہی! کتنا حیرت ناک'' (الفاظ کی یہ تفہیم
گرو رجنیش کی ذاتی رائے ہے، مترجم، پبلشرز اور پرنٹرز اس سے قطعاً متفق نہیں ہیں)

لہٰذا گرو کہتا ہے:
''کتنا دلکش پہاڑ ہے یہ''

ہر شے خوبصورت اور الوہی ہوتی ہے، اس شخص کے لئے جو جانتا ہے۔

''میں پہاڑ کے متعلق آپ سے دریافت نہیں کر رہا ہوں۔''
درویش نے کہا'' بلکہ راستے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تم کبھی اپنے متعلق، پہاڑ کے متعلق سوال دریافت
نہیں کرتے ہو بلکہ ہمیشہ راستے کے متعلق دریافت کرتے ہو؟ لوگ میرے پاس آتے
ہیں اور دریافت کرتے ہیں ''کیا کیا جائے؟ خدا تک کیونکر پہنچا جا سکتا ہے؟ صاحبِ
بصیرت کیونکر ہوا جا سکتا ہے؟'' وہ کبھی نہیں پوچھتے گویا وہ قطعی طور پر درست ہیں۔۔۔
بس راستہ کھویا گیا ہے۔ تم کیا سوچتے ہو؟ تم قطعی طور پر درست ہو، بس فقط راستہ ہی
کھویا گیا ہے؟ لہٰذا کوئی کہہ سکتا ہے: ''دائیں کو جاؤ اور پھر بائیں کو ہو جاؤ اور تم راستے
پر ہو گے!''

یہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ راستہ تو بس تمہارے سامنے ہی ہے۔ تم بہرحال راستے کو
گنوا نہیں رہے ہو۔ تم نے کبھی اسے نہیں گنوایا، کوئی بھی اسے نہیں گنوا سکتا۔۔۔ تاہم تم
اس کو دیکھ نہیں سکتے ہو کیونکہ تم پہاڑ ہو۔

> یہ راستے کو پانے کا مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ ہے خود کو پانے کا، تم ہو
> کون؟ جب تم خود کو جان لیتے ہو، وہی راستہ ہوتا ہے، جب تم
> خود کو نہیں جانتے ہو راستہ نہیں ہوتا۔

لوگ راستہ کا پوچھتے آ رہے ہیں، اور لاکھوں راستے تجویز ہو چکے ہیں۔۔۔ تاہم

ہو نہیں سکتا۔

راستہ تو صرف ایک ہے۔ ایک ہی راستہ بدھا کی نظروں کے سامنے سے گزرتا ہے، ایک ہی راستہ لاؤ تزو کے سامنے سے گزرتا ہے اور ایک ہی راستہ عیسیٰؑ کے سامنے سے۔ لاکھوں راہی ہیں مگر راستہ ایک ہی ہے۔ یہ ہے تاؤ، دھما، ہیراقلیطس کا لوگوس۔ یہ ایک ہے۔

لاکھوں مسافر ہیں مگر راستہ ایک ہی ہے۔ کوئی لاکھوں راستے نہیں ہیں۔ اور نہ ہی تم نے اسے گنوا دیا ہے۔ تاہم تم ہمیشہ راستے کے متعلق دریافت کرتے ہو، اور تم ہمیشہ راستوں میں الجھ جاتے ہو، کیونکہ جب تم پوچھتے ہو، جب احمق لوگ پوچھتے ہیں، تو انہیں جواب دینے والے مزید احمق لوگ ہوتے ہیں۔ جب تم دریافت کرتے ہو اور اس پر اصرار کرتے ہو تو کسی کو تو جواب دینا ہوتا ہے۔۔۔ یہ معاشیات کا اصول ہے۔ تم طلب کرتے ہو، اور رسد مہیا ہو جاتی ہے۔ تم ایک احمقانہ سوال کرتے ہو، اور ایک احمقانہ جواب دیا جاتا ہے کیونکہ سوچو تو تم ایک حتمی احمق ہو۔۔۔ بہتر بھی ہیں۔ چھوٹے چیلے بن جاتے ہیں اور بہتر ''گرو'' بن جاتے ہیں۔ تم پوچھتے ہو، اور وہ جواب کی رسد مہیا کر دیتے ہیں۔

تبھی لاکھوں راستے ہیں، اور ہمیشہ متصادم۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے راستے کی طرف آؤ! وہ حقیقت میں قتل نہیں کرتے ہیں، وہ رشوت دیتے ہیں، وہ ترغیب دیتے ہیں، وہ تمہیں روٹی دیتے ہیں، وہ تمہیں ہسپتال دیتے ہیں، وہ تمہیں دوا دارو دیتے ہیں، اور کہتے ہیں ہمارے راستے پر آؤ! تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ تو تاجر ہیں اور جانتے ہیں کہ لوگوں کو کیسے رشوت دی جا سکتی ہے، انہوں نے لاکھوں کا مذہب تبدیل کروا لیا ہے، صرف انہیں چیزیں دے دے کر۔ ہندو ہیں، وہ کہتے چلے جا رہے ہیں کہ ہمارے پاس پورا سچ ہے۔۔۔ اور وہ اس قدر خود پسند ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی کا مذہب تبدیل کروانا گوارا ہی نہیں کیا۔ یاد رکھو، تم احمق ہو، تمہیں تبدیلیٔ مذہب کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بہت خود پسند ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہمیں راستے کا پتا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو آ سکتے

ہو۔ ہم تمہیں نہ رشوت دیتے ہیں نہ قتل کرتے ہیں۔۔۔ تم اتنے اہم نہیں ہو۔ تم آ سکتے ہو اگر تم چاہتے ہو۔ تاہم ہم کوئی کوشش نہیں کرنے والے۔

اور یوں دنیا میں تین سو مذاہب ہیں، اور ہر مذہب سوچتا ہے کہ یہ واحد راستہ ہے۔ تمام دوسرے جھوٹے ہیں۔

تاہم سوال راستے کا نہیں ہے، مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کون سا راستہ سچا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا تم پہاڑ کو عبور کر چکے ہو؟ سوال یہ ہے کہ کیا تم خود کو ایک فاصلے سے دیکھ سکتے ہو؟ تب، واحد راستہ۔

بدھ اور مہاویر اور کرشن اور عیسیٰؑ۔۔۔ وہ سب ایک ہی راستے پر چلے تھے۔ بدھ مہاویر سے مختلف ہیں، کرشن عیسیٰؑ سے مختلف ہیں تاہم وہ ایک ہی راستے پر گامزن ہیں۔۔۔ کیونکہ راستے بہت سے نہیں ہیں۔ بہت سے کیونکر واحد کی طرف لے جا سکتے ہیں؟ **صرف واحد ہی تمہیں واحد کی طرف لے جا سکتا ہے۔**

لہٰذا راستے کے متعلق مت دریافت کرو اور نہ ہی طریق کے متعلق پوچھو۔ دوا کے متعلق مت دریافت کرو۔ سب سے پہلے بیماری کے متعلق دریافت کرو **جو تم ہو۔** سب سے پہلے ایک گہری تشخیص ضروری ہے، اور کوئی بھی اسے تمہارے لئے تشخیص نہیں کر سکتا ہے۔ تم نے اسے جنم دیا ہے اور جنم دینے والے ہی کو ہر گوشے، کونے کھدرے کا پتا ہوتا ہے۔ تم نے اسے پیدا کیا ہے لہٰذا تم ہی جان سکتے ہو کہ یہ پیچیدگیاں کیونکر پیدا ہوئی ہیں، اور صرف تم انہیں حل کر سکتے ہو۔

ایک حقیقی گرو تمہیں صرف تم تک پہنچنے کی حقیقی امداد دے سکتا ہے۔ ایک بار تم وہاں ہو، راستہ کھل جاتا ہے۔ راستہ دیا نہیں جا سکتا لیکن تم خود تک پہنچ سکتے ہو۔ اور تب حقیقی تبدیلی مذہب واقع ہوتی ہے۔ نہ کوئی ہندو عیسائی بن رہا ہے نہ کوئی عیسائی ہندو، تاہم ایک خارج کو جاتی ہوئی توانائی داخل کو جانے والی توانائی میں ڈھل جاتی ہے۔۔۔ یہی تبدیلی مذہب ہے۔ تم ایک داخل بین ہو گئے ہو۔ تمام توجہ داخل پر مذکور ہو جاتی ہے اور تب تم کُل پیچیدگی کا مشاہدہ کرتے ہو۔۔۔ پہاڑ کو دیکھتے ہو۔ اور تم صرف اسے دیکھتے ہی ہو کہ یہ معدوم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

ابتدا میں یہ پہاڑ دکھائی دیتا ہے آخر میں تمہیں پتا چلتا ہے یہ تو محض چھچھوندر کا ٹیلہ تھا۔ تاہم تم نے کبھی اسے دیکھا جو نہیں تھا کیونکہ یہ تمہارے عقب میں تھا اور بہت بڑا ہو گیا تھا۔ جب تم اس کا سامنا کرتے ہو فوری طور پر یہ گھٹ جاتا ہے، ایک چھچھوندر کا ٹیلہ بن جاتا ہے، تم اس پر ہنس سکتے ہو۔ تب یہ زیادہ دیر بوجھ نہیں رہتا ہے۔ تم اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہو اور یہاں تک کہ بعض اوقات اس پر صبح کی سیر کو جا سکتے ہو۔

☆☆☆☆

﴿باب نمبر 5﴾

کیا وہ مر گیا ہے؟

کائنات کے دو عظیم ترین راز" زندگی اور موت"
ان دو عمیق ترین رازوں پر گرو رجنیش کا ذہنوں کو الوہی روشنی سے جگمگا دینے والا لیکچر

.......زندگی کو جانا جا سکتا ہے، موت کو بھی۔۔۔لیکن ان کے بارے میں بتایا کچھ نہیں جا سکتا۔

.......زندگی اور موت دو سب سے گہرے اسرار ہیں، یہ کہنا بہتر ہو گا کہ یہ دو اسرار نہیں ہیں بلکہ ایک ہی اسرار کے دو پہلو ہیں۔

.......زندگی کو جیا جا سکتا ہے، موت کو بھی جیا جا سکتا ہے۔

.......جزو کُل کا ادراک نہیں کر سکتا ہے۔ کُل کا ادراک کُل بنتے ہوئے ہی کیا جا سکتا ہے۔

.......ہم بزدل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم کسی کے بھی جواب کو قبول کر لیتے ہیں: مہاویر، بدھا، عیسیٰؑ۔۔۔ہم ان کے جوابات قبول کر لیتے ہیں۔ ان کے جوابات ہمارے جوابات نہیں ہو سکتے ہیں۔ کسی کا بھی علم تمہارا علم نہیں ہو سکتا ہے۔

.......تاہم ذہن کبھی قائل نہیں ہوتا ہے، نہ اسے قائل کیا جا سکتا ہے۔ ذہن کچھ بھی نہیں ہے • ئے شک کے ایک عمل کے۔

.... فلسفی مکمل ح ۓ فراموش کر دیتے ہیں کہ زندگی کیا ہے؟

.... پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاں موت ہو وہاں تمہیں بہت مئودب ہونا چاہیے کیونکہ
موت کوئی معمولی مظہر نہیں ہے، یہ دنیا کا سب سے غیر معمولی مظہر ہے۔

.... تم زندگی کی جتنی تعظیم کرتے ہو اتنا ہی موت سے خائف ہو جاتے ہو۔

.... مشرق میں موت قابل احترام ہے اور چونکہ مشرق میں موت قابل احترام ہے
اس لئے موت کا خوف بھی نہیں ہے۔

.... زندگی تو محض ایک جزو ہے، موت عروج ہے۔

.... زندگی صرف سفر ہے، موت رسائی ہے۔

.... موت پھول ہے، زندگی کچھ نہیں ہے سوائے ایک شجر کے۔ اور شجر پھول کے لئے
ہوا کرتا ہے۔ پھول شجر کے لئے نہیں ہوتا۔ شجر کو خوش اور رقصاں ہونا چاہیے جب
پھول کھلے۔

.... موت ایک بے حد خوبصورت مظہر ہے اور سب سے پراسرار کسی کو بھی اسے گنوانا
نہیں چاہیے۔

.... جب کوئی محبت کرنے والا مرتا ہے، محبوب میں بھی کوئی شے مر جاتی ہے۔

.... بنیادی طور پر زندگی موت کی تیاری ہے اور بس۔ اور صرف وہی لوگ عقل مند
ہیں جو اپنی زندگی میں یہ سیکھتے ہیں کہ مرنا کیسے ہے۔

ایک پیر شنر کی وفات پر گرو ڈوگو اپنے شاگرد زین جین کے ہمراہ
غمزدہ خاندان کو پُرسہ دینے گئے۔

ہمدردی کا ایک لفظ بھی ادا کئے بغیر زین جین تابوت تک گیا اور
اسے تھپتھپاتے ہوئے ڈوگو سے دریافت کرنے لگا:

''کیا یہ حقیقتاً مر گیا ہے؟''

''میں نہیں کہوں گا''۔ ڈوگو نے کہا۔

''پھر بھی''۔ زین جین نے اصرار کیا۔

''کہہ تو دیا ہے کہ میں نہیں کہوں گا۔'' ڈوگو نے کہا۔

معبد کی طرف لوٹتے ہوئے مشتعل زین جین ڈوگو کو دھمکانے لگا
''خدا کی قسم، اگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تو میں
تمہیں پیٹوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈوگو نے کہا ''مجھے پیٹو۔''

زین جین نے اسے ایک زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ کچھ عرصے بعد ڈوگو
فوت ہو گیا۔ اور زین جین اپنے سوال کے جواب کی خاطر ہنوز
سخت مضطرب تھا۔ وہ گرو سکیسو کے پاس گیا اور واقعہ سنانے کے
بعد وہی سوال سکیسو سے بھی دریافت کیا۔ سکیسو نے تو گویا ڈوگو
کے ساتھ سازش کر رکھی تھی، اس نے بھی جواب نہیں دیا۔

''پناہ بخدا!'' زین جین چلایا: ''تم بھی؟''

''میں نہیں کہہ رہا ہوں''۔ سکیسو نے کہا، ''اور بس۔''

عین اسی لمحے زین جین کو ایک بیداری کا تجربہ ہوا۔

زندگی کو جانا جا سکتا ہے، موت کو بھی ۔۔۔لیکن ان کے بارے میں بتایا کچھ نہیں جا سکتا۔ کوئی جواب سچ نہیں ہوگا، زندگی اور موت سب سے گہرے اسرار ہیں۔ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ یہ دو اسرار نہیں ہیں بلکہ ایک ہی اسرار کے دو پہلو ہیں، ایک ہی راز کے دو دروازے۔ تاہم ان کے متعلق کچھ نہیں بتایا جا سکتا ہے۔ کچھ بھی کہو، تم مدعا نہیں بیان کر سکو گے۔

زندگی کو جیا سکتا ہے، موت کو بھی جیا جا سکتا ہے۔ یہ تجربے ہیں۔۔۔ فرد کو ان سے گزرنا اور انہیں جاننا ہی پڑتا ہے۔ کوئی بھی تمہارے سوالوں کے جواب نہیں دے سکتا ہے۔ زندگی کیونکر جواب میں سموئی جا سکتی ہے؟ یا موت؟ جب تک تم جیتے نہیں ہو، جب تک تم مرتے نہیں ہو، کون جواب دے گا؟

تاہم بہت سے جوابات دیئے بھی گئے ہیں۔۔۔ اور یاد رکھو، تمام جوابات جھوٹے ہیں۔ انتخاب کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ جواب درست ہے اور وہ جواب غلط ہے، سب کے سب جوابات غلط ہیں۔ انتخاب کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ تجربہ، نہ کہ جواب، جواب فراہم کر سکتا ہے۔

لہٰذا سب سے پہلی یاد رکھنے کی بات یہی ہوتی ہے جب تم ایک حقیقی اسرار کے نزدیک ہوتے ہو، نہ کہ انسان کے تخلیق کئے ہوئے معمے کے۔ اگر یہ انسان کا تخلیق کردہ معمہ ہے تو اس کا جواب دیا جا سکتا ہے، کیونکہ تب تو یہ ایک کھیل ہوا، ایک ذہنی کھیل۔۔۔ تم ہی سوال اٹھاتے ہو، تم ہی جواب دیتے ہو۔ تاہم اگر تم کسی ایسی شے کا سامنا کر رہے ہو جو تم نے تخلیق ہی نہیں کی ہے، تو تم کیونکر اس کا جواب دے سکتے ہو، انسانی ذہن کیونکر اس کا جواب دے سکتا ہے؟ انسانی ذہن کے لئے یہ ناقابل فہم ہے۔ جزو کُل کا فہم و ادراک نہیں کر سکتا ہے۔ کُل کا ادراک کُل بنتے ہوئے ہی کیا جا سکتا ہے۔ تم اس میں جست کر سکتے ہو اور جذب ہو سکتے ہو۔۔۔ اور جواب مل جائے گا۔

میں تمہیں ایک ایسی حکایت سناتا ہوں جو رام کرشن سنانا محبوب جانتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے: ''ایک بار ایسا ہوا کہ ساحلِ سمندر پر ایک عظیم میلہ برپا کیا گیا۔ ہزاروں لوگ وہاں اکٹھے تھے کہ دفعتاً سب کو ایک سوال نے الجھا لیا۔۔۔ آیا سمندر

ناقابلِ پیمائش ہے یا قابلِ پیمائش، آیا اس کی تھاہ ہے یا نہیں؟ اتفاق سے ایک ایسا آدمی بھی وہاں موجود تھا جو مکمل طور پر نمک کا بنا ہوا تھا۔ وہ بولا ''تم انتظار کرو اور گفتگو کرو میں سمندر کے اندر اترتا ہوں اور گہرائی معلوم کرتا ہوں کیونکہ کوئی فرد اندر اترے بغیر کیونکر جان سکتا ہے؟''

لہٰذا نمک کے آدمی نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ گھنٹے گزر گئے، دن گزر گئے، پھر مہینے گزر گئے اور لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے بہت کافی انتظار کر لیا تھا، اور وہ نمک کا آدمی واپس نہیں آیا تھا۔

نمک کا آدمی، جس لمحے سمندر میں اترا تھا، گھلنا شروع ہو گیا تھا،
اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ تھاہ تک پہنچا تو وہ نہیں تھا۔
اسے معلوم تو ہو گیا تھا۔۔۔ لیکن وہ واپس نہیں آ سکتا تھا۔ اور وہ
جو نہیں جانتے تھے، اس کے بارے میں طویل عرصے تک گفتگو
کرتے رہے۔ ہو سکتا ہے وہ بعض نتائج تک پہنچ گئے ہوں،
کیونکہ ذہن نتائج تک پہنچنے سے محبت کرتا ہے۔

جونہی نتیجے تک رسائی ہوتی ہے، ذہن راحت محسوس کرتا ہے۔۔۔ لہٰذا بے انتہا فلسفے وجود پذیر ہوئے ہیں۔ سب کے سب فلسفے ایک ہی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے وجود پذیر ہوئے ہیں۔ ذہن سوال دریافت کرتا ہے اور ذہن سوال کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہے، اسے بے چینی محسوس ہوتی ہے، سوال کے ساتھ رہنا دقت کا باعث ہوتا ہے۔ ایک جواب مطلوب ہوتا ہے۔۔۔ خواہ یہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو، ذہن کو سکون مل جاتا ہے۔

جانا اور سمندر میں جست لگا دینا خطرناک ہوتا ہے۔ اور یاد رکھو رام کرشن سچے ہیں کہ جہاں تک سمندر کا تعلق ہے تو ہم سب نمک کے آدمی ہیں۔ ہم نمک کے آدمی ہیں لہٰذا ہم سمندر میں گھل جائیں گے۔ ہم اس کے بنے ہوئے ہیں، اس کے ذریعے بنے ہیں۔ ہم تحلیل ہوں گے!

لہٰذا ذہن سمندر میں اترنے سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے، یہ نمک کا بنا ہوا ہے، تحلیل

ہونا اس کی مجبوری ہے۔ یہ خوفزدہ رہتا ہے، لہٰذا یہ کنارے پر ہی رہتا ہے، بحثیں کرتا ہے، دلیلیں دیتا ہے، نظریات گھڑتا ہے: سب جھوٹ۔۔۔ کیونکہ ان کی بنیاد خوف پر ہوتی ہے۔ ایک جرأت مند انسان جست لگا دے گا اور ہر اس جواب کو قبول کرنے میں مزاحمت کرے گا جو خود اس کے علم میں نہ ہو۔

ہم بزدل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم کسی کے بھی جواب کو قبول کر لیتے ہیں۔ مہاویر، بدھا، عیسیٰؑ ۔۔۔ ہم ان کے جوابات قبول کر لیتے ہیں۔ ان کے جوابات ہمارے جوابات نہیں ہو سکتے ہیں۔ کسی کا بھی علم تمہارا علم نہیں ہو سکتا ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے انہیں جانکاری ہو گئی ہو تاہم ان کی جانکاری تمہارے لئے محض اطلاع کا درجہ رکھتی ہے۔ تمہیں ہی جاننا پڑے گا۔ تبھی یہ تمہارا ذاتی علم ہو گا بصورت دیگر یہ تمہیں پر عطا نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس یہ تمہارے گلے میں پتھروں کی طرح لٹکتا رہے گا، تم اس کے غلام بن جاؤ گے۔ تم نجات حاصل نہیں کرو گے، تم اس کے ذریعے آزاد نہیں ہو پاؤ گے۔

عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ ''سچ آزادی عطا کرتا ہے۔'' کیا تم کبھی کسی کو نظریات کے توسط سے آزادی پاتے ہوئے دیکھتے ہو؟ تجربہ آزادی عطا کرتا ہے، ہاں، تاہم ہر تجربے کے متعلق نظریات؟ ناں، کبھی نہیں؟ لیکن ذہن خوفزدہ ہے جست لگانے میں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن اسی مادے سے بنا ہے جس سے کائنات بنی ہے، اگر تم جست لگاؤ گے تو کھو جاؤ گے۔ تمہیں علم ہو گا تاہم تمہیں تبھی علم ہو گا جب تم نہیں ہو گے۔

نمک کا آدمی علم رکھتا ہے۔ وہ عین گہرائی کو چھوتا ہے۔ وہ عین مرکز تک رسائی پاتا ہے لیکن وہ واپس نہیں آ پاتا۔ حتیٰ کہ اگر وہ آ سکے تو بیان کیونکر کر سکے گا؟ اگر وہ لوٹ آتا ہے تو اس کی زبان مرکز سے علاقہ رکھتی ہو گی، گہرائی سے اور تمہاری زبان کا تعلق ساحل سے ہے، محیط سے ہے۔

ترسیل (کمیونیکیشن) کا کوئی امکان نہیں ہے۔ وہ کوئی بات بامعنی طور سے نہیں کہہ سکتا ہے۔ وہ بامعنی طور پر محض خاموش رہ سکتا ہے۔ اگر وہ کچھ کہے گا تو اسے احساسِ خطا ہو گا کیونکہ فوری طور پر اسے پتا چلے گا جو کچھ وہ جانتا ہے اسے لفظوں کے ذریعے ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کا تجربہ ان کہا ہی رہ جائے گا۔ محض لفظ ہی تم تک پہنچ پاتے ہیں،

مردہ، باسی، خالی۔ الفاظ کی ترسیل تو ہو سکتی ہے سچ کی نہیں۔ اس کی طرف محض اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ نمک کا آدمی تمہیں کہہ سکتا ہے ''تم بھی آ جاؤ۔۔۔'' وہ تمہیں دعوت ہی دے سکتا ہے۔۔۔ ''اور میرے ہمراہ سمندر کے اندر جست لگا دو۔''

تاہم تم بہت چالاک ہو۔ تم کہو گے ''پہلے سوال کا جواب دو'' بصورتِ دیگر میں کیونکر جان پاؤں گا کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟ پہلے مجھے غور و فکر کرنے دو، سوچنے دو، تب میں تمہاری پیروی کروں گا۔ جب میرا ذہن قائل ہو گا، تب میں جست لگاؤں گا۔''

تاہم ذہن کبھی قائل نہیں ہوتا ہے، نہ اسے قائل کیا جا سکتا ہے۔ ذہن کچھ بھی نہیں ہے سوائے شک کے ایک عمل کے۔ اسے قائل نہیں کیا جا سکتا ہے، یہ لامختتم حد تک بحث کئے جائے گا، کیونکہ جو کچھ بھی تم کہو یہ اس کے اردگرد دلائل و مباحث کا تانا بانا بُن دیتا ہے۔

ایک بار میں ملا نصرالدین کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ ایک سٹیشن پر ایک نووارد کمپارٹمنٹ میں آیا۔۔۔ شاید وہ نصرالدین کا شناسا تھا۔ وہ بولا ''ہیلو'' انہوں نے ایک دوسرے کو سلام دعا دی اور پھر اس نے پوچھا: ''نصرالدین تم کیسے ہو؟''

نصرالدین نے کہا: ''بہت اچھا! بالکل ٹھیک ٹھاک!''

تب اس آدمی نے کہا: ''اور تمہاری بیوی کیسی ہے؟''

نصرالدین نے کہا: ''وہ بھی ٹھیک ہے۔''

''اور تمہارے بچے کیسے ہیں؟''

نصرالدین نے کہا: ''وہ سب ٹھیک ہیں۔''

میں بہت حیران ہوا۔ جب وہ شخص ایک دوسرے سٹیشن پر اتر گیا تو میں نے نصرالدین سے پوچھا: ''معاملہ کیا ہے؟۔۔۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ نہ تو تمہاری بیوی ہے اور نہ ہی بچے ہیں۔''

نصرالدین نے کہا: ''میں بھی جانتا ہوں۔۔۔ لیکن کیوں ایک بحث کھڑی کی جائے؟''

بہت مرتبہ بُدھا تمہارے سامنے اثبات میں سر ہلا دیں گے، صرف اس لئے کہ

بحث کھڑی نہ ہو۔ وہ بحث سے بچنے کی خاطر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ بہت زیادہ نہیں بولتے ہیں تاہم جو کچھ وہ کہہ گئے ہیں اس پر کافی بحث مباحثہ برپا رہا ہے۔ تم اسے پسند کرتے ہو۔ تم نظریات بنتے ہو، تم فلسفے گھڑتے ہو، اور تم ان میں اس قدر منہمک ہوتے ہو کہ تم بالکل فراموش کر بیٹھتے ہو کہ سمندر قریب ہی ہے۔ تم فراموش کر بیٹھتے ہو کہ سمندر وجود رکھتا ہے۔

فلسفی مکمل طور پر فراموش کر دیتے ہیں کہ زندگی کیا ہے؟ وہ سوچتے رہتے ہیں، سوچتے رہتے ہیں۔ سوچتے رہتے ہیں اور بکھر کر رہ جاتے ہیں کیونکہ ذہن تو سچ سے ایک دوری ہے۔ جتنا تم ذہن میں ہوتے ہو اتنا ہی تم سچ سے دور ہو جاتے ہو، ذہن میں جتنا کم، اتنا ہی قریب تر۔ اگر ذہن نہ ہو، خواہ ایک لمحے ہی کے لئے سہی تو تم جست لگا سکتے ہو۔۔۔ پھر تم سمندر سے مل کر واحد ہو گے۔

لہٰذا یاد رکھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ اگر یہ تمہارا اٹھایا ہوا سوال ہے جو کائنات کے وجودی اسرار سے ربط نہیں رکھتا ہے تو پھر اس کا جواب مل سکتا ہے۔ حقیقتاً صرف ریاضیاتی سوالوں ہی کے جواب دیئے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ریاضی ایک صاف صریح سائنس ہے کیونکہ کُل شے انسان کی تخلیق کردہ ہے۔ ریاضی کائنات میں وجود نہیں رکھتی، اس لئے ریاضی خالص سائنس ہے۔۔۔ تم اس کے متعلق یقین رکھ سکتے ہو، تم ہی نے سارا کھیل وضع کیا ہے۔

درخت ہیں مگر ایک درخت نہیں یا دو، تین درخت نہیں، چار درخت نہیں۔۔۔ اعداد وجود نہیں رکھتے ہیں۔ اعداد کو تم تخلیق کرتے ہو، تم عین بنیاد کو تخلیق کرتے ہو اور پھر تم پوچھتے ہو "کتنے؟ اگر دو میں دو جمع کئے جائیں تو نتیجہ کیا ہو گا؟" تم جواب دے سکتے ہو "چار" اور یہ جواب درست ہو گا کیونکہ تم ہی نے سارا کھیل تخلیق کیا ہے۔ تمام اصول اور ضوابط کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ لیکن ہستی کے لئے یہ درست نہیں کیونکہ ہستی کے لئے کوئی ریاضی وجود نہیں رکھتی ہے۔۔۔ یہ مکمل انسان ساختہ معاملہ ہے۔ لہٰذا تم زیادہ سے زیادہ سوچ سکتے ہو اور ریاضی تخلیق کر سکتے ہو، جتنی چاہو اتنی ریاضی۔

کبھی لوگ سوچتے تھے کہ صرف واحد ریاضی وجود رکھتی ہے، اب وہ جانتے ہیں

کہ بہت سی ہو سکتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان انہیں وضع کر سکتا ہے۔ کبھی لوگ جانتے تھے کہ جیومیٹری بس ایک ہی ہے۔ یوکلائڈ کی، اب وہ جانتے ہیں کہ تم جتنی چاہو اتنی جیومیٹریاں وضع کر سکتے ہو، کیونکہ یہ انسان ساختہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا اب یوکلائڈی جیومیٹری ہے اور غیر یوکلائڈی جیومیٹری۔

بہت سے ریاضی داں اعداد سے کھیلتے ہیں۔ لائبنیز تین اعداد سے کام لیا کرتا تھا: ایک، دو، تین۔ لائبنیز کی ریاضی میں دو جمع دو چار نہیں ہوتے ہیں کیونکہ چار وجود ہی نہیں رکھتا ہے۔ ایک، دو، تین۔۔۔ محض تین اعداد ہی ہیں، لہٰذا لائبنیز کی ریاضی میں دو جمع دو مساوی ہوتے ہیں دس کے، کیونکہ تین کے بعد دس آتا ہے۔ چار وجود ہی نہیں رکھتا۔ آئین سٹائن دو اعداد سے کام لیا کرتا تھا: ایک اور دو، لہٰذا آئین سٹائن کی ریاضی میں دو جمع دو گیارہ ہوں گے۔ اور وہ ٹھیک ہوتے ہیں، کیونکہ سارا کھیل انسان ساختہ جو ہے۔ یہ تم پر ہے۔

> نو یا دس اعداد پر یقین رکھنے کی کوئی داخلی حاجت نہیں ہے۔
> سوائے اس کے کہ انسان دس انگلیاں رکھتا ہے لہٰذا لوگوں نے
> انگلیوں پر گننا شروع کر دیا۔ اسی لئے دس دنیا بھر میں بنیادی
> اکائی بن گیا، بصورت دیگر حاجت کوئی نہیں ہے۔

ریاضی خیال کی پیداوار ہے۔ تم ایک سوال دریافت کر سکتے ہو اور تمہیں ایک درست جواب دیا جا سکتا ہے۔۔۔ تاہم ریاضی کے علاوہ ہر شے اسرار میں تحرک پذیر ہوتی ہے۔ اگر اس کا تعلق زندگی سے ہے تو کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اور جو کچھ بھی تم کہو گے تباہ کن ہو گا کیونکہ کُل کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ الفاظ میں نہیں سمو سکتے، یہ ناممکن ہے۔

یاد رکھنے کی دوسری بات، جب تم کسی گرو سے کوئی شے دریافت کرتے ہو۔۔۔ گرو کوئی فلسفی نہیں ہوتا ہے، وہ کوئی مفکر نہیں ہوتا ہے، وہ آگاہ ہے کہ وہ ایک غیب داں ہے۔۔۔ جب تم کسی گرو سے کچھ دریافت کرتے ہو تو اس کے جواب کا انتظار مت کرو، کیونکہ جواب تو وہ خود ہے۔ جب تم کچھ دریافت کرتے ہو تو جواب کی طرف متوجہ

مت ہوؤ! متوجہ ہوؤ گرو کی طرف ، کیونکہ جواب تو وہ ہے۔ وہ تمہیں کوئی جواب نہیں دینے والا ، اس کی موجودی ہی جواب ہے۔ تاہم یہیں ہم غلطی کر بیٹھتے ہیں۔

تم جانتے ہو اور ایک سوال دریافت کرتے ہو، تمہارا سارا ذہن جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تم جواب کے منتظر رہتے ہو۔۔۔لیکن گرو، اس کی ساری ہستی، اس کی موجودی جواب ہوتی ہے۔ اگر تم اسے دیکھو، اگر تم اس کا مشاہدہ کرو تو تمہیں ایک اشارہ موصول ہو گا۔۔۔ اس کی خاموشی، جس طور وہ برتاؤ کرتا ہے، جس طور وہ خاموش رہتا ہے یا بات کرتا ہے۔ گرو ہی جواب ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک اشارے میں نہاں ہوتا ہے۔ گرو تمہیں سچ کا مشاہدہ کروا سکتا ہے، لیکن اسے کہہ نہیں سکتا۔ اور تمہارا ذہن ہمیشہ جواب کے خبط میں مبتلا ہوتا ہے کہ ''وہ کیا کہنے والا ہے؟''

اگر تم کسی گرو کے پاس جاؤ تو اس کی موجودی کی طرف متوجہ ہونا سیکھو، بہت زیادہ ذہن اساسی (ہیڈ اورینٹڈ) مت بنو۔۔۔ اور اصرار مت کرو، کیونکہ ہر جواب دیا جائے گا جب وقت آئے گا۔ اصرار مت کرو کیونکہ یہ تمہارے اصرار کا معاملہ نہیں ہے، ایک درست شے تبھی دی جائے گی جب تم تیار ہو گے، جب تم پک جاؤ گے۔ لہٰذا جب تم کسی گرو کے قریب ہو تو تم دریافت کر سکتے ہو۔۔۔ تاہم انتظار کرو پھر۔ تم سوال دریافت کر چکے ہو، پھر بھی وہ جانتا ہے کہ تمہیں اندر سے کیا شے ستا رہی ہے؟ تاہم وہ فی الفور تمہیں کچھ نہیں دے سکتا ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے تم تیار نہ ہو، اور اگر تم تیار نہیں ہو اور کوئی چیز دے دی گئی تو وہ تم تک پہنچے گی نہیں کیونکہ ایک خاص تیاری ہی میں خاص چیزیں تم میں سرایت کرتی ہیں۔ جب تم پکے ہوئے ہوتے ہو تب تم سمجھ سکتے ہو۔ جب تم تیار ہوتے ہو جب تم کشادہ ہوتے ہو، آمادہ ہوتے ہو۔ جواب دیا جائے گا لیکن الفاظ میں نہیں، گرو اسے بہت سے طریقوں سے منکشف کر سکتا ہے۔ وہ ایسا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ وہ اس کو بیان کرنے کے بہت سے طریقے وضع کر سکتا ہے، لیکن تب تمہیں تیار ہونا ہو گا۔

چونکہ تم نے سوال دریافت کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم تیار بھی ہو۔ تم سوال اٹھا سکتے ہو۔۔۔ یہاں تک کہ:

ایک بچہ بھی ایسے پراسرار سوالات اٹھا سکتا ہے کہ کوئی بدھا بھی
جواب دینے کی اہلیت نہیں رکھتا ہو گا۔

تاہم محض چونکہ تم نے سوال دریافت کیا ہے، محض چونکہ تم سوال گھڑنے میں زیادہ لسانی مہارت رکھتے ہو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم تیار بھی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوالات کے سرچشمے تو بہت سے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تم محض متجسس ہوتے ہو۔ ایک گرو تمہارے تجسس کی تسکین کے لئے نہیں ہوتا ہے، کیونکہ یہ بچگانہ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو یہ بالکل بے معنی ہوا کرتے ہیں۔ بس یونہی تم نے انہیں پوچھ لیا ہوتا ہے، تم اپنی بے اعتنائی ظاہر کرتے ہو اور یہ کہ تمہیں جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی مر گیا ہے اور تم محض دریافت کر لیتے ہو ''موت کیا ہوتی ہے؟''۔۔۔اور اگلے ہی لمحے تم اپنے سوال کو فراموش کئے بیٹھے ہوتے ہو۔

تجسس ایک شے ہے۔۔۔ یہ بچگانہ ہوتا ہے اور کوئی گرو اپنے سانس تمہارے تجسس پر ضائع نہیں کرے گا۔ جب تم کوئی خاص شے دریافت کرتے ہو تو ہو سکتا ہے یہ محض دانش ورانہ ہو، فلسفیانہ ہو، تم دلچسپی کا اظہار کرتے تو ہو لیکن دانش ورانہ طور پر ۔۔۔تم جواب کے خواہاں تو ہوتے ہو مگر صرف علم میں اضافے کے مقصد کے پیش نظر، جبکہ تمہاری ہستی غیر متاثر ہی رہتی ہے۔ ایسے میں گرو کوئی دلچسپی نہیں لیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے تو صرف تمہاری ہستی سے دلچسپی ہوتی ہے۔ جب تم اس انداز سے سوال دریافت کرتے ہو گویا تمہاری حیات و موت کا انحصار اسی پر ہے تب اگر تمہیں جواب نہیں مل پاتا تو تمہارا زیاں ہو گا، تمہاری کُل ہستی اس کے لئے تشنہ رہے گی، تم پیاسے ہو، تمہاری کُل ہستی اسے پانے کے لئے تیار ہے، اور اگر جواب دے دیا جائے اور تم اسے جزوِ جاں بنا لو ، یہ تمہارے خون میں جذب ہو جائے اور تمہاری ہڈیوں میں اور تمہارے دل کی ہر دھڑکن میں شامل ہو جائے، تب ہی کوئی گرو تمہارے سوال کا جواب دینے پر راضی ہو گا۔

تم ایک سوال دریافت کرتے ہو۔۔۔ تب گرو جواب پانے کے لئے تمہیں تیار کرنے میں تمہاری امداد کرے گا۔ ہو سکتا ہے تمہارے سوال اور گرو کے جواب کے

درمیان بہت بڑا خلا ہو۔ تم آج پوچھو اور ہوسکتا ہے وہ بارہ برس بعد جواب دے، کیونکہ تمہیں اس کے لئے تیار ہونا پڑے گا، تمہیں کشادہ ہونا پڑے گا، نہ کہ بند اور تمہیں اپنی ہستی کی عین گہرائی میں اسے جذب کرنے کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔

اب اس حکایت کو سمجھنے کی کوشش کرو:

ایک پیر شنر کی وفات پر گروڈوگو اپنے شاگرد زین جین کے ہمراہ سوگوار خاندان سے تعزیت کرنے گیا۔ ہمدردی کا ایک لفظ بھی ادا کئے بغیر زین جین تابوت تک گیا اور اسے تھپتھپاتے ہوئے ڈوگو سے پوچھنے لگا:

''کیا یہ حقیقتاً مر گیا ہے؟''

پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاں موت ہو وہاں تمہیں بہت مئودب ہونا چاہیے کیونکہ موت کوئی معمولی مظہر نہیں ہے، یہ دنیا کا سب سے زیادہ غیر معمولی مظہر ہے۔ موت سے زیادہ کوئی شے پراسرار نہیں ہے۔ موت ہستی کے عین مرکز تک رسائی پاتی ہے، اور جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو تم تقدس کی بنیاد پر ہر کام سرانجام دیتے ہو، یہ ممکن حد تک پاکیزہ ترین لمحہ ہوتا ہے۔ ناں، عمومی تجسس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ناقابل احترام ہوتا ہے۔

مشرق میں خصوصی طور پر موت کو زندگی سے زیادہ تعظیم دی جاتی ہے ۔۔۔ اور مشرق اس نتیجے پر مدتوں پہلے پہنچ چکا تھا۔ مغرب میں زندگی کو موت سے زیادہ تعظیم دی جاتی ہے جس کا نتیجہ ہے بے پناہ تناؤ، بہت زیادہ پریشانی، اور بے قراری اور بہت زیادہ پاگل پن۔

کیوں؟ اس لئے کہ جتنا تم زندگی کی تعظیم کرتے ہو اتنا ہی تم موت سے خوف زدہ ہو جاتے ہو اور یوں موت معاندانہ دکھائی پڑتی ہے، دشمن لگتی ہے، اور اگر موت دشمن ہو تو تم ساری زندگی

تناؤ کا شکار رہتے ہو، کیونکہ موت تو کسی بھی لمحے وارد ہوسکتی ہے۔

تم اسے قبول نہیں کرتے ہو، تم اسے رد کرتے ہو۔۔۔ تاہم تم اس کو فنا نہیں کر سکتے ہو۔ موت کو فنا نہیں کیا جا سکتا۔ تم اسے رد کر سکتے ہو، تم اس سے انکاری ہو سکتے ہو، تم خوف زدہ ہو سکتے ہو، سہم سکتے ہو، تاہم یہ تو ہے، بالکل گوشے میں، سائے کی طرح ہمیشہ تمہارے ساتھ ساتھ ۔ تم اپنی ساری زندگی لرزتے کپکپاتے رہتے ہو۔۔۔ اور تم لرز رہے ہو۔ اور خوف میں، ہر ایک خوف میں اگر گہرائی میں تلاش کیا جائے تو تم پاؤ گے موت کا خوف۔

جب کبھی تم خوف زدہ ہوتے ہو، تو کوئی شے تمہیں موت کا اشارہ دے رہی ہوتی ہے۔ اگر تمہارا بینک دیوالیہ ہو جائے تو تم خوف سے معمور ہو جاتے ہو اور لرزنے لگتے ہو، مضطرب ہو جاتے ہو۔۔۔ ایسی ہی اندیشگی و اضطراب موت کی ہوتی ہے، کیونکہ تمہارا بینک بیلنس کچھ نہیں ہے سوائے موت کے خلاف ایک بچاؤ کے۔ اب تم مزید کشادہ ہوتے ہو، مہیا ہوتے ہو۔ اگر موت دروازے پر دستک دے تو کون تمہاری تعظیم کرے گا؟ اگر تم بیمار ہو جاتے ہو، بوڑھے ہو جاتے ہو تو تمہاری دیکھ ریکھ کون کرے گا؟ گارنٹی بینک میں ہے، اور بینک دیوالیہ ہو رہا ہے۔

تم وقار، اقتدار اور عہدے سے چمٹ جاتے ہو کیونکہ جب تم کسی عہدے پر فائز ہوتے ہو تو تم اتنے اہم ہو جاتے ہو کہ تم دوسرے لوگوں سے زیادہ محفوظ ہوتے ہو۔ جب تم اقتدار میں نہیں ہوتے ہو تو تم اس قدر بانجھ ہو جاتے ہو کہ کوئی شخص بھی تمہیں کسی بھی طرح سے پریشان کرسکتا ہے کہ **تم ہوتے کون ہو؟**

جب تم اقتدار میں ہوتے ہو تو تمہارے دوست ہوتے ہیں، خاندان ہوتا ہے، پیروکار ہوتے ہیں۔ جب تم اقتدار میں نہیں ہوتے، ہر شخص تمہیں چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں ایک تحفظ ہے، کوئی شخص ہے جو تحفظ دیتا ہے، اب کوئی شخص بھی پروا نہیں کرتا۔

تمہیں جس شے کا بھی خوف ہے تم اس کی گہرائی میں تلاشو گے تو تمہیں ہمیشہ موت کا سایہ ہی کہیں نہ کہیں ملے گا۔

تم ایک شوہر سے چمٹی ہوئی ہو، تمہیں ڈر ہے کہ ہوسکتا ہے وہ تمہیں چھوڑ دے یا تم ایک بیوی سے چمٹے ہوئے ہو اور خوف زدہ ہو کہ کہیں وہ تمہیں چھوڑ نہ دے۔ یہ خوف کیا ہے؟ کیا حقیقت میں یہ طلاق ہی کا خوف ہے یا یہ موت کا خوف ہے؟ یہ موت ہی کا خوف ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کے بعد تم تنہا ہو جاتے ہو۔ دوسرا ایک تحفظ دیتا ہے، ایک احساس کہ تم اکیلے نہیں ہو، کوئی ہے جو تمہارا ساتھی ہے۔ ان لمحوں میں جب کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے تم کسی ساتھی کو ڈھونڈو گے۔ لیکن بیوی چھوڑ چکی ہے یا خاوند چھوڑ گیا ہے، اور اب تم تنہا رہ گئے ہو، ایک اجنبی۔ کون تمہیں تحفظ دے گا؟ جب تم بیمار ہو گے تو کون تمہارا خیال رکھے گا؟

جب لوگ نوجوان ہوتے ہیں تو اس سے انہیں بیوی یا خاوند کی اتنی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے، لیکن جب عمر زیادہ ہوتی ہے تو ضرورت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ نوجوانی میں یہ ایک جنسی رشتہ ہوتا ہے۔ جتنا تمہاری عمر بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی یہ ایک جیون رشتہ بنتا جاتا ہے۔

کیونکہ اب اگر دوسرا تمہیں چھوڑ دیتا ہے تو موت فوری طور پر گویا آ موجود ہوتی ہے۔ جب کبھی تم خوف زدہ ہوؤ، دریافت کرنے کی کوشش کرنا اور تم پاؤ گے کہ اس کے پیچھے موت ہے۔

سارے خوف موت کے ہیں۔ خوف کا واحد سرچشمہ موت ہے۔

مغرب میں لوگ بے حد پریشان، ہراساں اور مضطرب ہیں کیونکہ تمہیں مسلسل موت کے خلاف لڑنا پڑتا ہے۔ تم زندگی سے محبت کرتے ہو، تم زندگی کی تعظیم کرتے ہو۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں بوڑھوں کا احترام نہیں کیا جاتا ہے۔ نوجوان قابل احترام ہوتے ہیں کیونکہ بوڑھے ان کی نسبت موت کی طرف زیادہ بڑھ چکے ہیں، وہ تو پہلے ہی اس کی گرفت میں ہیں۔ مغرب میں جوانی کی تعظیم ہوتی ہے۔۔۔ جبکہ جوانی ایک عبوری مظہر ہے، یہ تو پیشتر ہی تمہارے ہاتھوں سے گزرے چلی جا رہی ہے۔

مشرق میں بوڑھوں کا احترام کیا جاتا ہے کیونکہ مشرق میں موت قابل احترام ہے۔ اور چونکہ مشرق میں موت قابل احترام ہے اس لئے موت کا خوف بھی نہیں ہے۔ زندگی تو محض ایک جزو ہے، موت عروج ہے۔ زندگی محض ایک پروسیس ہے، موت نقطہ عروج ہے۔ زندگی صرف سفر ہے، موت رسائی ہے۔ اور دونوں ایک ہیں! لہٰذا تم کس کی زیادہ تعظیم کرو گے، راستے کی یا منزل کی؟ پروسیس کی یا تکمیل کاری کی؟

موت پھول ہے، زندگی کچھ نہیں ہے سوائے ایک شجر کے۔ اور شجر پھول کے لئے ہوا کرتا ہے، پھول شجر کے لئے نہیں ہوتا۔ شجر کو خوش اور رقصاں ہونا چاہیے جب پھول کھلے۔

لہٰذا مشرق میں موت قابل قبول ہے، نہ صرف قابل قبول بلکہ اس کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ یہ ایک الوہی مہمان ہے۔ جب یہ دروازے پر دستک دیتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ کائنات تمہیں واپس قبول کرنے پر تیار ہے۔

مشرق میں ہم موت کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور یہ جوان زین جین بنا کسی ہمدردی یا تعظیم کے لفظ کو ادا کئے بغیر آ گیا۔ اس نے بس تجسس کا اظہار کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے بہت بے ادبی کا مظاہرہ کیا۔۔۔ اس نے تابوت کو تھپتھپایا اور ڈوگو سے دریافت کیا "کیا یہ حقیقت میں مر گیا ہے؟" اس کا سوال خوبصورت ہے تاہم وقت درست نہیں تھا۔ سوال تو درست ہے لیکن جو وقت اس نے چنا تھا وہ غلط تھا۔ موت کے سامنے متجسس ہونا بچگانہ پن ہے۔ فرد کو مؤدب اور خاموش ہونا ہوتا ہے۔ یہ ہے واحد راستہ مظہر سے اتصال کا۔

جب کوئی شخص مرتا ہے تو یہ حقیقتاً ایک انتہائی گہرا واقعہ ہوتا ہے۔ اگر تم بس بیٹھ رہنے پر قادر ہو اور مراقبہ پر تو کئی باتیں تم پر منکشف ہوں گی۔ سوال کرنا احمق پن ہے۔ جب موت ہے تو مراقبہ کیوں نہ کیا جائے؟ سوال کرنا ہوسکتا ہے معاملے سے فرار کی ایک چال ہو، ہوسکتا ہے یہ محض موت کو براہِ راست نہ دیکھنے کا ایک حفاظتی اقدام ہو۔

میں نے لوگوں کو دیکھا ہے جب وہ کسی کو جلاتے ہیں یا کسی کا انتم سنسکار کرتے ہیں۔۔۔ وہ وہاں بہت زیادہ باتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ شمشان بھومی میں بہت سے فلسفیانہ موضوعات پر بحث کرتے ہیں۔ اپنے بچپن میں میں ہر کسی کی پیروی کرنا بہت

پسند کرتا تھا۔ جو کوئی بھی مرتا میں وہاں پہنچ جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میرے والدین خوف زدہ ہو گئے، وہ کہنے لگے ''تم کیوں جایا کرتے ہو؟ ہم تو اس شخص کو جانتے تک نہیں ہیں۔ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

میں کہتا ''بات یہ نہیں ہے۔ مجھے بندے سے کوئی غرض نہیں ہے۔ موت --- یہ ایک بے حد خوبصورت مظہر ہے اور سب سے پر اسرار۔ کسی کو بھی اسے گنوانا نہیں چاہیے۔'' پس جس لمحے مجھے پتا چلتا کہ کوئی شخص فوت ہو گیا ہے، میں وہاں پہنچ جاتا، ہمیشہ یہ دیکھتا رہتا کہ کیا واقع ہو رہا ہے؟

اور میں کیا دیکھتا تھا؟ میں دیکھتا تھا لوگوں کو بحث و مباحثہ کرتے ہوئے، ایسے ایسے فلسفیانہ سوالات کہ موت کیا ہے؟ اور کوئی کہا کرتا ''کوئی بھی مرتا نہیں ہے۔ انتہائی داخلی ذات لافانی ہوتی ہے۔'' وہ اپنشدوں اور گیتا پر بحث و مباحثہ کرتے اور نامی لوگوں کے حوالے دیتے۔ میں محسوس کرنے لگا ''وہ فرار چاہتے ہیں۔ بحث میں الجھ کر وہ اس مظہر سے بچ رہے ہیں جو کہ رونما ہو رہا تھا۔ وہ مردہ انسان کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ اور شے تو وہیں تھی! موت وہیں تھی، اور تم اس پر گفتگو کر رہے ہو! کتنے احمق ہو!''

تمہیں خاموش ہونا ہے۔ جب موت موجود ہو اور تم خاموشی اختیار کر سکتے ہو تو تمہیں دفعتاً بہت سی چیزیں دکھائی دیں گی۔ کیونکہ موت فقط کسی شخص کا سانس لینا بند کرنا نہیں ہوتی۔ بہت سی باتیں ہو رہی ہیں۔ جب کوئی شخص مرتا ہے تو اس کا اورا (AURA) سمٹنے لگتا ہے۔ اگر تم خاموش ہو تو اسے محسوس کر سکتے ہو--- ایک توانائی، ایک حیاتی توانائی کا میدان، سمٹتا ہوا، مرکز کو لوٹتا ہوا۔

جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو فقط تضاد رونما ہوتا ہے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اورا پھیلنے لگتا ہے، وہ ناف کے قریب سے آغاز ہوتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے تم کبھی جھیل میں کنکر پھینکتے ہو تو لہریں سی اٹھنے لگتی ہیں اور دائرہ سا پانی میں پھیلنے لگتا ہے--- اور پھیلتا چلا جاتا ہے، پھیلتا چلا جاتا ہے--- جب کوئی بچہ جنم لیتا ہے تو سانس کنکر کے مثل ہوتی ہے، جب بچہ سانس لیتا ہے تو

ناف، مرکز پر ضرب پڑتی ہے۔ خاموش جھیل میں پہلا کنکر پھینکا جاتا ہے، اور دائرہ نما لہریں پھیلنا شروع ہو جاتی ہیں۔

اپنی پوری زندگی میں تم پھیلتے رہتے ہو۔ قریباً پینتیس برس کی عمر میں تمہارا اورا مکمل ہوتا ہے، اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ پھر وہ سمٹنے لگتا ہے۔ جب کوئی مرتا ہے تو وہ ناف کو لوٹ جاتا ہے۔ جب وہ ناف تک پہنچ جاتا ہے تو وہ ایک مرتکز توانائی میں ڈھل جاتا ہے، ایک مرتکز نور میں مبدل ہو جاتا ہے۔ اگر تم خاموش ہو تو اسے محسوس کر سکتے ہو، تمہیں ایک کشش محسوس ہو گی۔ اگر تم کسی مردہ انسان کے قریب بیٹھے ہو تو تمہیں اس کی جانب سے ایک ٹھنڈی ہوا آتی محسوس ہو گی اور تم اس کی طرف کھنچتے جاؤ گے۔

مردے کے اطراف میں بہت سی باتیں وقوع پذیر ہونے لگتی ہیں۔ اگر وہ کسی شخص سے بہت گہری محبت کرتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اس شخص کو اپنی قوت حیات کا ایک حصہ دے دیا تھا، اور جب کوئی شخص مرتا ہے تو فوری طور پر اس کا وہ حصہ جو اس نے دوسرے شخص کو دے دیا تھا اس سے الگ ہو کر مردہ انسان کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے۔ اگر تم یہاں مرتے ہو اور تمہارا محبوب ہانگ کانگ میں رہتا ہے تو کوئی شے تمہارے محبوب کو فوری طور پر چھوڑ دے گی--- کیونکہ تم نے اپنی زندگی کا حصہ دیا تھا اور وہ حصہ تمہاری طرف واپس آئے گا۔ اسی سبب سے جب کوئی پیارا فوت ہوتا ہے تو تمہیں محسوس ہوتا ہے کوئی چیز تم سے جدا ہو گئی ہے۔ کوئی چیز تمہارے اندر بھی مر گئی ہے۔ اب ایک گہرا زخم، گہرا خلا وجود پذیر ہو گیا ہے۔

جب کوئی محبت کرنے والا مرتا ہے، محبوب میں بھی کوئی شے مر جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے میں گہرائی تک جذب ہوتے ہیں۔ اور اگر تم بہت سے لوگوں سے محبت کرتے ہو--- مثلاً اگر ڈوگو جیسا کوئی شخص مرتا ہے یا بدھا جیسا تو --- ساری کائنات میں سے توانائی مرکز کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ ایک کائناتی مظہر ہوتا ہے کیونکہ وہ بہت سارے لوگوں میں جذب ہوتے ہیں، لاکھوں زندگیوں میں اور ہر

کہیں سے اس کی توانائی واپس آئے گی۔ ارتعاشات جو اس نے بہت سوں کو عطا کئے تھے انہیں چھوڑ دیں گے، وہ حقیقی سرچشمے کو سفر کریں گے، وہ دوبارہ ناف کے قریب مرتکز ہوں گے۔

اگر تم مشاہدہ کرو تو محسوس کرو گے کہ لہریں ایک بالعکس نظم کے تحت لوٹ رہی ہیں اور جب وہ ناف میں مکمل طور پر مرتکز ہوتی ہیں، تم ایک حیرت ناک توانائی کا مشاہدہ کر سکتے ہو، ایک حیرت ناک نوری قوت۔ اور پھر وہ مرکز جسم کو چھوڑ دیتا ہے۔ جب کوئی شخص ''مرتا'' ہے تو یہ بس سانس کا رکنا ہی ہوتا ہے، اور تم سوچتے ہو کہ وہ مر گیا ہے۔ وہ مرا نہیں ہوتا، اس میں تو وقت لگتا ہے۔ بعض اوقات، اگر شخص لاکھوں زندگیوں میں شامل ہو تو اسے مرنے میں بہت سے دن لگ جاتے ہیں۔۔۔ ایسا خصوصاً مشرق میں اولیاء اور درویشوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے، ہم کبھی ان کے جسم جلاتے نہیں ہیں۔ صرف ولیوں کے بدن جلائے نہیں جاتے ہیں، بصورت دیگر ہر شخص کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ دوسرے کی شمولیت بہت زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ منٹوں میں توانائی مجتمع ہو جاتی ہے اور وہ مزید اس ہستی کا جزو نہیں رہتے ہیں۔

تاہم ولیوں کے معاملے میں توانائی وقت لیتی ہے۔ بعض اوقات یہ آئے چلی جاتی ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تم شردی، سائی بابا کے گاؤں جاؤ تو تمہیں محسوس ہو گا ہنوز کوئی بات ہو رہی ہے۔ ہنوز توانائی چلی آ رہی ہے، وہ اس قدر جذب تھا کہ بہت سے لوگوں کے لئے وہ ہنوز زندہ ہے۔ سائی بابا کا مزار مردہ نہیں ہے۔ وہ ہنوز زندہ ہے۔ تاہم یہی بات تم بہت سے مزاروں کے قریب محسوس نہیں کرو گے۔۔۔ وہ مر گئے ہیں۔ ''مردہ'' سے میری مراد یہ ہے کہ وہ اپنی شمولیت کو سمیٹ چکے ہیں، وہ معدوم ہو چکے ہیں۔

> جب میں مروں تو میرے جسم کو مت جلانا۔ مت جلانا اسے کیونکہ میں تم میں، تم میں سے بہت سوں میں شامل ہوں۔ اور اگر تم محسوس کر سکتے ہو تو محسوس کرو کہ ایک مجذوب بہت برس زندہ رہتا ہے، بعض اوقات ہزاروں برس۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

> زندگی صرف جسم کی نہیں ہوتی ہے۔ زندگی تو ایک مظہر توانائی ہے۔ یہ شمولیت پر منحصر ہوتی ہے، اس پر کہ وہ کتنے لوگوں میں شامل تھا اور بدھا جیسا کوئی شخص نہ صرف اشخاص میں شامل ہوتا ہے بلکہ وہ تو درختوں، پرندوں، جانوروں میں بھی شامل ہوتا ہے، اس کی شمولیت اس قدر گہری ہوتی ہے کہ اگر وہ مرتا بھی ہے تو اس کی موت کو پانچ ہزار برس لگتے ہیں۔

بدھا نے کہا ہے ''میرا مذہب صرف پانچ ہزار برس تک ایک زندہ قوت ہو گا۔'' اور معنی عیاں ہیں کہ وہ پانچ ہزار برس سے ایک زندہ قوت ہے۔ اسے شمولیت سے مکمل طور پر باہر نکلنے میں پانچ ہزار برس کا عرصہ لگتا ہے۔

جب موت واقع ہو تو خاموشی اختیار کرو۔ دیکھو!

دنیا بھر میں، جب کبھی تم کسی مردہ انسان کی تعظیم کرتے ہو، تم خاموشی اختیار کرتے ہو، تم دو منٹ کے لئے خاموش ہو جاتے ہو۔۔۔ یہ جانے بغیر کہ کیوں؟ یہ روایت دنیا بھر میں مروج چلی آ رہی ہے۔ خاموشی کیوں؟

یہ روایت پُراز معانی ہے۔ ہو سکتا ہے تم نہیں جانتے ہو کہ کیوں؟ ہو سکتا ہے تم آگاہ نہ ہو اور تمہاری خاموشی ممکن ہے کہ داخلی گفتگوئے مسلسل سے معمور ہو، یا ہو سکتا ہے تم اسے محض رسم سمجھ کر ادا کرتے ہو۔۔۔ اس کا انحصار تو تم پر ہے۔ تاہم کوئی راز ہے ضرور۔

> کوئی ہمدردی کا لفظ ادا کئے بغیر، زین جین تابوت تک گیا اور اسے تھپتھپاتے ہوئے ڈوگو سے پوچھنے لگا:
>
> ''کیا وہ حقیقتاً مر گیا ہے؟''

اس کا سوال تو درست تھا لیکن وقت موزوں نہیں تھا۔ اس نے غلط موقع کا انتخاب کیا تھا۔ یہ اس کے متعلق بات کرنے کا نہیں، اس کے ساتھ **ہونے** کا وقت تھا۔ اور جو

شخص فوت ہوا تھا وہ ضرور کوئی بہت گہرا انسان رہا ہوگا بصورت دیگر ڈوگو اس کی تعظیم میں وہاں نہیں جاتا۔ ڈوگو ایک صاحب بصیرت انسان تھا۔ شاگرد جو فوت ہوا تھا ضرور کوئی شے رہا ہوگا۔ اور ڈوگو وہاں اس کے لئے مزید کچھ کرنے گیا ہوگا۔ جب تم زندہ ہوتے ہو تو گرو تمہاری امداد کرنے کی مقدرت رکھتا ہے۔ اور گرو موت میں تمہاری زیادہ امداد کرنے پر قادر ہوتا ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت میں ایک گہرا سقوط وقوع پذیر ہوتا ہے۔

زندگی میں تم ہمیشہ مزاحمت کرتے لڑتے رہے ہو، یہاں تک کہ اپنے گرو سے بھی، سقوط اختیار نہیں کیا یا کیا تو نصف دلی سے۔۔۔ جس کا مطلب نہ کرنا ہی ہوتا ہے۔ تاہم جب تم مر رہے ہو، سقوط سہل ہوتا ہے، کیونکہ موت اور سقوط یکساں پروسیس ہیں۔ جب سارا جسم مر رہا ہو تو تم سہولت کے ساتھ سقوط کر سکتے ہو۔ لڑنا دشوار ہوتا ہے، مزاحمت مشکل ہوتی ہے۔ پیشتر ہی تمہاری مزاحمت ٹوٹتی رہی ہے، تمہارا بدن زوال آمادہ رہا ہے، یہی تو موت ہوتی ہے۔

ڈوگو وہاں خصوصی طور پر موجود تھا، اور یہ شاگرد سوال دریافت کر رہا تھا! سوال تو درست تھا تاہم وقت درست نہیں تھا۔

''میں نہیں بتاؤں گا۔'' ڈوگو نے کہا۔

''پھر بھی''۔ زین جین نے اصرار کیا۔

''میں نہیں بتانے جا رہا۔ بس کہہ جو دیا۔'' ڈوگو نے کہا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ موت کے متعلق کہا بھی کیا جا سکتا ہے؟ تم موت کے متعلق کیونکر کچھ کہہ سکتے ہو؟ یہ کسی لفظ کے بس کی بات نہیں کہ وہ موت کے معانی کا حامل ہو سکے۔ اس لفظ ''موت'' کا کیا معنی ہوتا ہے؟ درحقیقت اس کا مطلب کچھ نہیں ہے۔ جب تم لفظ موت استعمال کرتے ہو تو تمہارا کیا مطلب ہوتا ہے؟ یہ محض ایک دروازے دور ہوتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کیا وقوع پذیر ہوا ہے؟ ہم ایک شخص کو ایک دروازے

کے اندر غائب ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، ہم بس دروازے تک ہی دیکھ پاتے ہیں اور پھر وہ آدمی بس غائب ہو جاتا ہے۔ تاہم حقیقت میں ہوتا کیا ہے دروازے سے پرے؟ ۔۔۔ کیونکہ دروازہ کوئی چیز ہی نہیں ہے۔

دروازہ تو گزرنے کے لئے ہے۔ پھر کیا گزرتی ہے اس شخص پر جس کو ہم دروازے سے غائب ہوتا ہوا دیکھتے ہیں کیونکہ پرے تو ہم دیکھ ہی نہیں سکتے؟ اس کے ساتھ ہوتا کیا ہے؟ اور یہ دروازہ کیا ہے؟ محض سانس کا رک جانا؟ کیا سانس ہی کُل زندگی ہے؟ کیا تم سانس سے بڑھ کر کسی شے کے حامل نہیں ہوتے ہو؟ سانس رکتی ہے ۔۔۔ جسم کُل سڑ جاتا ہے۔۔۔ اگر تم جسم ہی ہو اور صرف سانس لیتے ہو، تب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تب موت کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کسی طرف کھلنے والا دروازہ نہیں ہے۔ یہ محض اختتام ہے، معدومیت نہیں۔ یہ تو بس ایک گھڑی کی طرح ہے۔

گھڑی ٹِک ٹِک کرتی ہوئی کام کر رہی ہے، پھر یہ رک جاتی ہے، تم نہیں پوچھتے کہ ٹِک ٹِک کہاں گئی۔۔۔ کیونکہ ایسا بے معنی و مہمل ہوگا! وہ کہیں نہیں جاتی ہے۔ وہ تو جاتی بھی نہیں ہے، وہ تو بس رک جاتی ہے، وہ تو بس ایک میکانزم ہے اور میکانزم میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہے۔۔۔ تم میکانزم کی مرمت کر سکتے ہو، پھر یہ دوبارہ ٹِک ٹِک کرنے لگے گی۔ کیا موت محض ایک گھڑی کے رکنے کے مانند ہوتی ہے؟ بالکل ویسی ہی؟

اگر ایسا ہے تو حقیقت میں یہ کوئی اسرار تو نہ ہوا۔ تاہم زندگی اس قدر آسانی سے کیونکر معدوم ہو سکتی ہے؟ زندگی میکانکی نہیں ہوتی ہے۔ زندگی آگاہی ہوتی ہے۔ گھڑی آگاہ نہیں ہوتی۔۔۔ ٹِک ٹِک تم سن سکتے ہو۔ یہ سامع کون ہے؟ اگر صرف دھڑکن ہی زندگی ہے تو پھر یہ سامع کون ہے؟ اگر سانس ہی زندگی ہے تو تم اپنی سانس سے کیونکر آگاہ ہو؟ یہی سبب ہے کہ تمام مشرقی مراقبے کی تکنیکوں میں سانس کی آگہی کو نفیس تکنیک کے طور پر برتا جاتا ہے۔۔۔ کیونکہ اگر تم اپنے سانس لینے کے عمل سے آگاہ ہو جاؤ تو پھر یہ آگاہی کیا ہوئی؟ یہ ضرور سانس سے ورا کوئی شے ہے کیونکہ تم اس کا مشاہدہ کر سکتے ہو جبکہ مشاہد تو کبھی شے نہیں ہو سکتا ہے۔ تم اس کو دیکھ سکتے ہو، تم اپنی

آنکھیں بند کر سکتے ہو اور تم اپنی سانس کو اندر جاتا اور باہر آتا ہوا دیکھ سکتے ہو۔ یہ سیر کیا ہے، یہ مشاہدہ، یہ نظارہ کیا ہے؟ یہ ضرور کوئی جدا قوت ہے جس کا انحصار سانس پر نہیں ہے۔ جب سانس رکتی ہے تو یہ گھڑی کا رکنا ہوتا ہے، تاہم یہ آگاہی کہاں چلی جاتی ہے؟ یہ آگاہی کدھر کا رخ کرتی ہے؟

موت ایک دروازہ ہے، یہ ایک ٹھہراؤ نہیں ہے۔ آگاہی جاتی ہے لیکن تمہارا جسم دروازہ ہی رہتا ہے۔۔۔ بالکل ایسے جیسے تم یہاں آئے ہو اور اپنے جوتے دروازے کے باہر چھوڑ آئے ہو۔ جسم معبد کے باہر رہ جاتا ہے، اور تمہاری آگاہی معبد میں داخل ہوتی ہے۔ یہ انتہائی نفیس مظہر ہے، زندگی اس سے قبل کچھ بھی تو نہیں ہوتی ہے۔

> بنیادی طور پر زندگی موت کی تیاری ہے اور بس۔ اور صرف وہی لوگ عقل مند ہیں جو اپنی زندگی میں یہ سیکھتے ہیں کہ مرنا کیسے ہے۔ اگر تم مرنا نہیں جانتے ہو تو تم زندگی کے سارے معانی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہو۔ یہ تو ایک تیاری ہے، یہ تو ایک تربیت ہے، یہ تو ایک نظم (ڈسپلن) ہے۔

زندگی مقصد و منتہیٰ نہیں ہے، وہ تو بس مرنے کا فن سیکھنے کا ایک ڈسپلن ہے۔ تاہم تم خوف زدہ ہو، تم سہمے ہوئے ہو، موت کا لفظ سنتے ہی تم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہنوز زندگی سے نا آشنا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کبھی مرتی نہیں ہے۔ زندگی مر ہی نہیں سکتی ہے۔ کسی جگہ تم جسم کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہو، میکانزم کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہو۔ میکانزم نے تو مرنا ہوتا ہے، میکانزم ابدی نہیں ہو سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میکانزم کا انحصار کئی چیزوں پر ہوتا ہے، یہ ایک مشروط مظہر ہے۔ آگاہی غیر مشروط ہوتی ہے، یہ کسی بھی شے پر انحصار نہیں رکھتی ہے۔ یہ تو بادل کے مانند آسمان پر اڑ سکتی ہے، نہ تو اس کی جڑیں ہوتی ہیں، نہ اس کا کوئی سبب ہوتا ہے، نہ یہ کبھی پیدا ہوئی ہے لہٰذا یہ کبھی مر نہیں سکتی ہے۔

جب کبھی کوئی مرتا ہے تو تمہیں اس کے قریب مراقبہ کرنا چاہیے کیونکہ ایک معبد بہت قریب ہوتا ہے اور یہ مقدس سرزمین ہے۔ بچہ مت بنو، تجسس مت ابھرنے دو،

خاموشی اختیار کرو تا کہ تم دیکھ سکو، مشاہدہ کر سکو۔ ایک نہایت بامعنی شے وقوع پذیر ہو رہی ہے۔۔۔ اس لمحے کو ضائع مت کرو۔ اور جب موت موجود ہو، تو اس کے متعلق دریافت کیا کرنا؟ کیوں نہ اس کا مشاہدہ کیا جائے؟ کیوں نہ اس کا نظارہ کیا جائے؟ کیوں نہ اس کے ہمراہ چند ایک قدم چلا جائے؟

"میں نہیں بتاؤں گا"۔ ڈوگو نے کہا۔

"پھر بھی"۔ زین جین نے اصرار کیا۔

"میں نے کہہ جو دیا کہ میں نہیں بتاؤں گا۔" ڈوگو نے کہا۔ معبد کو واپس لوٹتے ہوئے، مشتعل زین جین ڈوگو کی طرف مڑا اور دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا "اگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تو میں تمہیں پیٹوں گا۔"

زین میں ایسا ممکن ہے، کہ ایک شاگرد بھی اپنے گرو کو پیٹ سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زین زندگی کے متعلق بہت سچا ہے اور بہت مصدقہ ہے۔ کوئی زین گرو اپنے اطراف میں اس نوع کا کوئی مظہر تخلیق نہیں کرتا ہے کہ "میں تم سے زیادہ مقدس ہوں۔" جو شخص رسائی پا چکا ہو وہ کیونکر کہے گا کہ "میں برتر ہوں اور تم کمتر و کہتر ہو۔" شاگرد تو سوچ سکتا ہے کہ وہ برتر ہے تاہم گرو کسی نوع کی برتری کا دعوے دار نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

> برتری کا دعویٰ تو فقط کمتری کیا کرتی ہے۔ برتری کا دعویٰ صرف انا کرتی ہے جو بانجھ ہے، کمتر ہے۔ طاقت کا دعویٰ صرف کمزوری کیا کرتی ہے، جب تم غیر یقینی میں مبتلا ہوتے ہو تب تم یقین کا دعویٰ کرتے ہو، جب تم بیمار ہوتے ہو تب تم صحت کا دعویٰ کرتے ہو۔ جب تم کچھ نہیں جانتے ہو تب تم علم کا دعویٰ کرتے ہو۔ تمہارے دعاوی بس سچ کو ہی چھپاتے ہیں۔

گرو کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ وہ کہہ ہی نہیں سکتا کہ "میں برتر ہوں۔" یہ تو حماقت ہوتی ہے۔ ایک عقل مند انسان کیونکر کہے کہ "میں برتر ہوں۔"

لہٰذا ایک زین گرو اپنے شاگرد تک کو پیٹنے کی اجازت دے سکتا ہے اور وہ اس سب سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ دنیا میں کسی نے بھی ایسا نہیں کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ زین گرو شاذ کا درجہ رکھتے ہیں۔۔۔ تم ان کے جیسے کمیاب پھول کہیں نہیں پا سکتے ہو۔

گرو تو حقیقت میں اس درجہ برتر ہوتا ہے کہ وہ تمہیں خود کو پیٹنے تک کی اجازت دے سکتا ہے، اس کی برتری کو اس سے کوئی زک نہیں پہنچتی ہے۔ تم اسے کسی طور نیچا نہیں دکھا سکتے ہو، نہ ہی چیلنج کر سکتے ہو۔ وہ مزید ادھر نہیں ہوتا ہے۔ وہ تو ایک خالی گھر ہوتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ ایک شاگرد محض بے وقوف ہو سکتا ہے۔ کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی کیونکہ شاگرد غیر آگاہ اور لاعلم ہے۔

ہمدردی مطلوب ہوتی ہے اور لاعلمی میں شاگرد تو ایسی حرکتیں کرنے پر مجبور ہوتا ہے، ایسی حرکتیں جو مناسب نہیں ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نامناسب نہیں ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک نامناسب و ناموزوں شخص کیونکر مناسب و موزوں کام کر سکتا ہے؟ اور اگر تم کسی ناموزوں شخص پر موزوں کام تھوپ دیتے ہو تو وہ سخت نقصان پہنچائے گا، اس کی آزادی منقطع ہو جائے گی۔ اور گرو تمہیں آزاد ہونے میں امداد کرتا ہے۔۔۔ لہٰذا مارنے پیٹنے کی آزادی ہے۔ درحقیقت یہ بے حرمتی و گستاخی نہیں ہوتی ہے، حقیقت میں شاگرد بھی گرو سے بے حد محبت کرتا ہے، انتہائی گہرائی اور شدت سے، اتنی کہ وہ بے حد قریب ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی کو مارنا بھی ایک طرح کا قلبی تعلق ہوتا ہے۔۔۔ تم کسی کو یونہی نہیں مار سکتے ہو۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچہ اپنے باپ کو مار بیٹھتا ہے، یا کوئی بچہ اپنی ماں کو تھپڑ مار دیتا ہے۔ اس سے کوئی گستاخی و بے ادبی مراد نہیں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب تو بس یہ ہے کہ بچہ ماں کو اتنی گہرائی اور شدت سے قبول کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ کوئی شے بھی ناموزوں و نادرست نہیں ہے۔ اور بچہ جانتا ہوتا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے گا، لہٰذا اسے کوئی خوف نہیں ہوتا ہے۔

گرو لامختتم حد تک، غیر مشروط طور پر معاف کیے جاتا ہے۔

شاگرد بے حد مشتعل تھا کیونکہ اس نے ایک بہت پرمعنی سوال دریافت کیا تھا۔۔۔ اسے تو وہ پرمعنی ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ ڈوگو نے اس طرح کا سخت اور ہٹیلا رویہ کیوں اپنایا تھا اور کہا تھا "نہیں"۔۔۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے کہا "بس یہ حتمی ہے اور میں کچھ بھی تو مزید نہیں بتاؤں گا۔"

> جب تم سوال دریافت کرتے ہو تو اس کی دریافت کنندہ تمہاری انا ہوتی ہے، اور جب جواب نہیں دیا جاتا ہے تو انا کو زخمی ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

شاگرد زخمی ہوا تھا، اس کی انا مضطرب تھی، وہ اس کا یقین ہی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ اور ایسا بہت سے لوگوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا ہو گا۔ وہ تنہا نہیں ہوتے، وہ بہت سے دوسرے ہوتے ہیں، وہاں ضرور کوئی رہا ہو گا۔۔۔ جب کوئی مرتا ہے تو وہاں بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے سامنے گرو نے کہا تھا کہ "نہیں، اور یہ حتمی ہے! میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔ وہ سب ضرور سوچتے ہوں گے کہ "یہ شاگرد تو نرا احمق ہے، جو غیر متعلقہ سوالات پوچھ رہا ہے۔"

زین جین کو لازماً غصہ آنا تھا، اس کو تو لازماً کھولنا ابلنا ہی تھا۔ جب اس نے معبد کو لوٹتے ہوئے گرو کے ساتھ خود کو تنہا پایا تو کہنے لگا:

> خدا کی قسم، اگر تم میرے سوال کا جواب نہیں دو گے تو میں تمہیں پیٹوں گا"۔
>
> "ٹھیک ہے"۔ ڈوگو نے کہا "تو پھر مارو۔"

بس کرو! اگر تم غصے میں ہو تو بس کرو۔

ایک گرو ہر وقت تمہارے اندر کی چیزیں باہر نکالنے پر آمادہ و تیار ہوتا ہے حتیٰ کہ منفیت کو بھی۔ اگر تم اسے مارنے بھی لگے ہو تو وہ تمہیں اس امر کی اجازت عطا کر دے

گا۔ کون جانتا ہے۔۔۔ گرو کو مارتے ہوئے تم اپنی منفیت سے آگاہ ہو جاؤ، ہوسکتا ہے تم اپنی بیماری سے واقف ہو جاؤ، اپنے مرض سے، اپنے پاگل پن سے۔ گرو کو مارنا پیٹنا ہوسکتا ہے کہ ایک فوری بصیرت میں بدل جائے۔۔۔ کون جانتا ہے؟ اور ایک گرو کو ہر طور تمہاری امداد کرنا ہوتی ہے۔ لہٰذا ڈوگو نے کہا:

''ٹھیک ہے۔۔۔ آگے بڑھو۔۔۔ مجھے پیٹو۔''

زین جین قول کا پکا آدمی تھا۔ اس نے تو گرو کو زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

کچھ مدت بعد ڈوگو فوت ہو گیا، اور زین جین ہنوز اپنے سوال کا جواب پانے کے لئے مضطرب تھا، وہ گرو سکیسو کے پاس گیا، اور سب کچھ بیان کرنے کے بعد اس سے وہی سوال دریافت کیا۔

سکیسو تو گویا ڈوگو سے سازش کئے ہوئے تھا، اس نے بھی جواب نہیں دیا۔

سب گرو ہمیشہ ایک خفیہ سازش میں ہوتے ہیں۔ اگر وہ گرو ہیں تو سب متحد و متفق ہوتے ہیں۔۔۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے سے اختلاف بھی کرتے ہیں تو بھی ان کی سازش مشترکہ ہی ہوتی ہے، اگرچہ وہ بعض اوقات دوسرے کو ''غلط'' بھی قرار دے دیتے ہیں تاہم وہ سازش کر رہے ہوتے ہیں۔

بدھا اور مہاویر ہم عصر تھے اور ایک ہی صوبے بہار میں سرگرم عمل تھے۔ بہار انہی کے دم قدم سے معروف ہے۔ بہار کا مطلب ہے ان کا میدان عمل وہ اس سارے علاقے میں پھرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات وہ ایک ہی بستی میں ہوتے تھے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ وہ ایک ہی سرائے میں قیام پذیر تھے جو کہ سڑک کنارے واقع تھی۔۔۔ آدھی سرائے بدھا نے مخصوص کروا لی تھی اور آدھی مہاویر نے۔۔۔ تاہم وہ ایک دوسرے سے نہیں ملے اور متواتر ایک دوسرے کو رد کرتے رہے۔ شاگردوں نے

ایک گرو سے دوسرے تک جانا شروع کر دیا۔ یہ ایک مسئلہ رہا ہے۔۔۔ کیوں؟ بدھا ہنس بھی پڑے گا، وہ مہاویر کے متعلق لطیفے کہے گا۔ وہ کہے گا ''وہ شخص! وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ صاحب بصیرت ہے؟ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے؟ تاہم میں نے سنا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ایک بار ایسا ہوا کہ اس نے ایک دروازے پر کھانے کے لئے صدا لگائی اور اندر کوئی نہیں تھا، اور میں نے سنا ہے کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے! یہ کیسا تضاد ہے!! اور وہ تو اتنا بھی نہیں جانتا۔۔۔ کہ گھر خالی ہے؟''

وہ لطیفہ سناتا رہا۔ وہ بولا ''ایک مرتبہ مہاویر جا رہا تھا کہ اس کا پاؤں ایک کتے کی دم پر پڑ گیا۔ جب کتا اچھلا اور بھونکا، تبھی اسے کتے کے وہاں ہونے کا علم ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ صبح سویرے کا وقت تھا اور اندھیرا تھا۔ اور اس شخص کا دعویٰ ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے؟''

اور اس نے مذاق جاری رکھا۔ اس نے مہاویر کے متعلق بہت سے لطیفے سنائے اور سبھی بہت خوب صورت تھے۔

بدھا اور مہاویر سازش کر رہے تھے اور نہ تو جینیوں کو اس کا علم ہے اور نہ ہی بدھوں کو۔ وہ سوچتے ہیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف تھے، اور جینی اور بدھ ہنوز ایک دوسرے کے مخالف چلے آ رہے ہیں، دو ہزار برس سے!

وہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں تھے۔ وہ تو اداکاری کر رہے تھے اور لوگوں کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ وہ دو مختلف ٹائپ تھے۔ کسی کی مدد مہاویر کر سکتے تھے، اور کسی دوسرے کی بدھا۔ جس کی مدد بدھا کر سکتے تھے مہاویر اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔۔۔ اس شخص نے مہاویر سے دور ہی جانا تھا۔ اور جس کی مدد مہاویر کر سکتے تھے، اس کی مدد بدھا نہیں کر سکتے تھے اور اس نے بدھا سے دور جانا ہی تھا۔ یہ دوونوں مختلف ٹائپ تھے۔ لوگوں کی کسی طور مدد کرنی تو چاہئے تھی نا!

وہ ایک دوسرے گرو سکیسو کے پاس گیا اور اسے ساری روداد سنانے کے بعد وہی سوال دریافت کیا۔ لگتا تھا سکیسو نے ڈوگو کے ساتھ مل کر سازش کی ہوئی ہے۔

سکیسو گو یا ڈوگو کے ساتھ سازش کئے ہوئے تھا، اس نے جواب نہیں دیا۔

''خدا کی پناہ'' زین جین چلایا ''تم بھی؟''

''میں نہیں بتاؤں گا'' سکیسو نے کہا ''اور یہ حتمی ہے۔''

وہ کچھ کر رہے تھے۔ وہ صورت حال تخلیق کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے ''موت کے حضور خاموشی اختیار کرو۔ سوال مت پوچھو، کیونکہ جب تم سوال کرتے ہو تو سطح پر آ جاتے ہو، تم سطحی ہو جاتے ہو۔ یہ سوال پوچھے جانے والے سوال نہیں ہیں۔ یہ سوال تو جئے جانے، مراقبہ کئے جانے والے سوال ہیں۔ تمہیں ان میں سرایت کرنا ہوگا۔

اگر تم موت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو۔۔۔ مر جاؤ! جاننے کا یہی واحد راستہ ہے۔ اگر تم زندگی کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو۔۔۔ جیو!''۔

تم زندہ تو ہو مگر جی نہیں رہے، ہو، تم مرو گے لیکن تم نہیں مرو گے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے اندر ہر شے سرد ہے۔ تم زندہ ہو؟ بالکل نہیں، تم تو گھسٹ رہے ہو۔ کسی نہ کسی طور تم خود کو کھینچے چلے جا رہے ہو۔

جتنی شدت سے ممکن ہو سکتا ہے جیو! اپنی زندگی کی شمع کو دونوں سروں سے جلاؤ! اتنی شدت سے اسے جلاؤ۔۔۔ کہ اگر یہ ایک سیکنڈ میں جل جائے تو ٹھیک ہے، تاہم کم از کم تم آگاہ تو ہو جاؤ گے کہ یہ ہے کیا؟ صرف شدت ہی سرایت کرتی ہے۔ اور اگر تم ایک شدید زندگی جی سکتے ہو تو تمہیں ایک مختلف نوع کی موت نصیب ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ تم شدت سے مرو گے۔ جیسی زندگی ہوتی ہے ویسی ہی موت ہوگی۔ اگر تم گھسٹ گھسٹ کر جی رہے ہو تو مرو گے بھی گھسٹ گھسٹ کر۔ تم زندگی کو ضائع کرو گے

تو موت کو بھی ضائع کر دو گے۔ جتنا ممکن ہو زندگی کو شدید بنا دو ہر شے کو داؤ پر لگا دو۔ پریشانی کیوں؟ مستقبل کے متعلق پریشانی کیوں؟ یہ لمحہ تو ہے نا! اپنی کُل ہستی کو اس میں سمو دو! شدت سے جیو، کلی طور پر، کاملاً اور یہ لمحہ ایک کشف بن جائے گا۔ اور اگر تم زندگی کو جانو گے تو تمہیں موت کی جان کاری ہوگی۔

یہ ہے خفیہ کلید: اگر تم زندگی کے بارے میں جانو گے تو تمہیں موت کے متعلق علم حاصل ہوگا۔ اگر تم پوچھو کہ موت کیا ہے؟ تو اس کا مطلب ہے تم نے زندگی نہیں کی ہے۔۔۔ کیونکہ گہرائی میں دونوں ایک ہیں۔ زندگی کا راز کیا ہے؟ زندگی کا راز موت ہے۔ اگر تم محبت کرتے ہو تو محبت کا راز کیا ہے؟ موت۔ اگر تم مراقبہ کرتے ہو تو مراقبے کا راز کیا ہے؟۔۔۔ موت۔

جو کچھ بھی خوب صورت اور شدید واقع ہوتا ہے۔ ہمیشہ موت کے توسط سے ہوتا ہے۔ تم مرتے ہو۔ تم بس خود کو اس میں کاملاً سموتے ہو اور ہر شے کے لئے مر جاتے ہو۔ تم اتنے شدید ہو جاتے ہو کہ وہاں نہیں ہوتے، کیونکہ اگر تم وہاں ہوتے ہو تو شدت کامل نہیں ہوتی، تب وہاں دو ہوتے ہیں۔ اگر تم محبت کرتے ہو اور محبوب موجود ہو تو پھر محبت شدید نہیں ہو سکتی۔ محبت اتنی گہری، اتنی کامل کہ محبوب معدوم ہو جائے۔ تب تم صرف ایک متحرک توانائی بن جاتے ہو۔ تب تم محبت کو جانو گے، زندگی کو جانو گے، موت کو جانو گے۔

یہ تین لفظ بہت پر معنی ہیں: محبت، زندگی اور موت۔ ان کا راز یکساں ہے، اور اگر تم انہیں سمجھتے ہو تو مراقبے کی ضرورت نہیں رہتی۔ چونکہ تم انہیں سمجھتے نہیں ہو اسی لئے مراقبے کی ضرورت ہے۔ اگر تم حقیقتاً زندگی کرتے ہو، تو یہ مراقبہ بن جاتی ہے۔ اگر تم زندگی نہیں کرتے ہو تو پھر تمہیں مراقبہ کرنا ہوگا، تب کسی شے کا اضافہ کرنا ہوگا۔

لیکن یہی مسئلہ ہے۔ اگر تم گہری محبت نہیں کر سکتے ہو تو کیونکر گہرا مراقبہ کر سکتے ہو؟ اگر تم گہرا جی نہیں سکتے ہو تو کیونکر گہرا مراقبہ کر سکتے ہو؟۔۔۔ کیونکہ مسئلہ نہ تو محبت ہے نہ مراقبہ نہ ہی موت، مسئلہ ہے: گہرائی کو کیونکر جانا جائے؟ گہرائی مسئلہ ہے۔

اگر تم کسی چیز میں گہرائی تک جاتے ہو تو زندگی محیط میں ہو گی اور موت مرکز میں۔ حتیٰ کہ اگر تم کسی پھول کو بھی دیکھو تو کاملاً دیکھو، ہر شے کو فراموش کر دو، پھول کو دیکھتے ہوئے تم پھول میں مر جاؤ۔ تمہیں ایک انضمام کا تجربہ ہو گا، ایک پگھلاؤ کا۔ دفعتاً تمہیں محسوس ہو گا کہ تم نہیں ہو۔ صرف پھول موجود ہے۔

ہر لمحہ یوں جیوں گویا یہ آخری لمحہ ہے اور کوئی شخص بھی نہیں جانتا
۔۔۔ ہو سکتا ہے یہ آخری ہی ہو۔

چند لوگ ہی فاصلے کے ہوتے ہوئے سیکھ سکتے ہیں، چند لوگ ہی فاصلے کے نہ ہوتے ہوئے سیکھ سکتے ہیں ۔۔۔ لوگوں کی یہ دو اقسام ہوتی ہیں۔ جو لوگ فاصلے سے سیکھ سکتے ہیں وہ گرو کو گنوا دیتے ہیں، تاہم وہ انہیں تیار کرتا ہے۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے کئی جنموں میں کئی دیگر گروؤں کے ہمراہ کام کیا ہو گا۔ تم انہیں کھو چکے ہو تاہم انہوں نے تمہیں مجھ تک پہنچنے کے لئے تیار کر دیا ہوا ہے۔ تم میں سے بہت سے مجھے گنوا دیں گے تاہم میں انہیں کسی دوسرے تک رسائی پانے کے لئے تیار کر دوں گا۔ لہٰذا کچھ نہیں کھویا، کوئی کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

اور عین اس لمحے زین جین نے آگاہی پا لی۔

کیا واقع ہوا؟ وہی الفاظ دوبارہ سن کر ۔۔۔ کیا وہاں کوئی خاص سازش تھی؟ وہی الفاظ دوبارہ کیوں؟ دفعتاً وہ آگاہ ہو گیا کہ میرا سوال مہمل ہے، میں اس شے کے متعلق سوال دریافت کر رہا ہوں جس کا جواب ہی نہیں دیا جا سکتا ہے۔ یہ گرو نہیں ہے جو سوال کو رد کر رہا ہے، یہ تو سوال ہی ہے، اس کی فطرت ہے۔

موت کے حضور خاموشی اختیار کی جانی چاہیے، زندگی کے حضور، محبت کے حضور۔ اگر تم کسی شخص سے محبت کرتے ہو تو اس کے حضور خاموش ہو بیٹھو۔ تم باتیں بنانا پسند نہیں کرو گے، تم صرف اس کے ہاتھ تھامنا اور اس لمحے میں جینا اور خاموش رہنا پسند کرو گے۔ اگر تم بولتے ہو تو اس کا مطلب ہوا کہ تم اس شخص سے گریز کر رہے ہو ۔۔۔ حقیقت میں محبت نہیں ہے۔ اگر تم زندگی سے محبت کرتے ہو تو باتیں بنانا ترک کر دو، کیونکہ ہر ہر لمحہ زندگی سے اس قدر معمور ہوتا ہے کہ گفتگو کی، باتیں بنانے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ ہر لمحہ زندگی انتہائی طاقت سے تم میں بہتی ہے ۔۔۔ وقت کہاں ہے گفتگو کرنے اور باتیں بنانے کا؟ ہر لمحہ تم جیتے ہو کاملاً، ذہن خاموش ہو جاتا ہے۔ پیو اور پیو کاملاً، زندگی پانی کے توسط سے داخل ہونا ہے۔ یہ تمہاری پیاس کو سیراب کر دے گی، یوں اس کے ہمراہ چلو گویا یہ تمہاری پیاس کو چھو رہی ہے، جیسے پیاس معدوم ہو رہی ہے۔ خاموش رہو اور دیکھو۔ تم کیونکر باتیں بنا سکتے ہو جب تم چائے پی رہے ہو؟ گرم زندگی تمہارے اندر رواں ہے۔ اس سے معمور ہو جاؤ۔ اس کی تعظیم کرو۔

ہر شے مراقبے میں ڈھل سکتی ہے اگر تم اسے کاملاً جیتے ہو اور شدت سے جیتے ہو۔ اور تب تمہاری زندگی کُل میں مبدل ہو جائے گی۔

☆☆☆☆

﴿باب نمبر 6﴾

توزان کے پانچ پاؤنڈ

مذہب... دنیا کا سب سے سادہ مگر پیچیدہ موضوع... گرو رجنیش نے اس سادہ پیچیدگی کی کیونکر گرہ کشائی کی ہے... اس لیکچر میں ملاحظہ فرمائیے

.......مذہب فلسفیانہ سوال و جواب سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔

.......فلسفہ کوئی حل پیش نہیں کرتا۔

.......سوال جہالت سے پیدا ہوتے ہیں اور جہالت ہی جواب دیتی ہے۔

.... گہرائی میں تو ذہن خود ایک سوال ہے۔

.......ذہن تو رکاوٹ ہے، دیوار ہے، جب ذہن نہیں ہوتا ہے تب تم ایک تجربہ کرتی ہوئی ہستی ہوتے ہو۔

.......فلسفہ ذہن کے سوالات کے جواب دینے کی کوشش کرتا ہے اور مذہب عین اساس کو دیکھتا ہے۔

.... گوتم بدھ کہتے ہیں کہ جب ذہن سوال کرنا بند کر دیتا ہے تب جواب رونما ہوتا ہے۔

.......ذہن کی ہمراہی میں تم رائیگانی کا شکار ہوتے ہو۔ ذہن تو ایک میکانزم ہے۔۔۔

یہ دائروں میں چلتا ہے، منحوس دائروں میں۔

.......ذہن کی فطرت تکرار ہے جبکہ زندگی کی فطرت تکرار نہیں ہے۔ زندگی تو ہمیشہ نئی ہوتی ہے۔ نیا پن زندگی کی فطرت ہے۔

.......غصہ ایک تعلق ہوتا ہے، اسے کسی شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔

گروتوزان سٹور روم میں کتان تول رہا تھا۔

ایک درویش ادھر آ نکلا اور اس سے پوچھنے لگا:

''بدھا کیا ہے؟''

توزان نے کہا: ''یہ کتان پانچ پاؤنڈ وزنی ہے۔''

مذہب فلسفیانہ سوال و جواب سے کوئی غرض نہیں رکھتا ہے۔ اس طور سے دیکھنا حماقت ہے اور زندگی، وقت، توانائی اور شعور کا بے محابا زیاں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم سوال دریافت کرتے ہو اور جواب دیئے جاتے ہیں ---- تاہم جوابات سے صرف مزید سوال ہی جنم لیتے ہیں۔

اگر آغاز میں ایک سوال تھا تو جوابات کے طفیل آخر میں لاکھوں سوال ہوں گے۔

فلسفہ کوئی حل پیش نہیں کرتا ہے۔ یہ وعدہ تو کرتا ہے تاہم کسی شے کا حل پیش نہیں کرتا ہے۔ اس کے سارے وعدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں: وہ عدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا؟ ہنوز یہ وعدے کئے چلا جا رہا ہے۔ تاہم جس تجربے سے ذہنی معموں کا حل ممکن ہے وہ فلسفیانہ اندازوں سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

بدھا قطعی طور پر فلسفے کے خلاف تھے --- بدھا سے زیادہ کوئی شخص کبھی فلسفے کا مخالف نہیں رہا۔ اپنے ذاتی تلخ تجربے سے اسے علم ہوا کہ فلسفے کی تمام گہرائیاں محض سطحی ہیں۔ عظیم ترین فلسفی بھی ایک عام انسان کی طرح ہی رہتا ہے۔ وہ کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ وہ انہیں چھو بھی نہیں سکتا۔ وہ بہت سا علم تو رکھتا ہے، بہت سارے جوابات، تاہم وہ بڑھاپے میں بھی وہی کا وہی رہتا ہے --- کوئی نئی زندگی اس پر وارد نہیں ہوتی ہے۔ اور معاملے کی اصل یہ ہے کہ ذہن ایک سوال اٹھانے کی صلاحیت ہے۔ یہ کسی بھی قسم کا سوال اٹھا سکتا ہے اور پھر یہ ان کے جوابات کے ذریعے خود کو بے وقوف بنا سکتا ہے۔ تاہم تم سوال کنندہ ہو اور تم ہی ہو جو انہیں حل کر سکتے ہو۔ سوال جہالت سے پیدا ہوتے ہیں اور جہالت ہی جواب دیتی ہے --- ایک ہی ذہن دونوں کو تخلیق کرتا ہے۔ ایک سوال کرنے والا ذہن کیونکر جواب دہندہ بن سکتا ہے؟ گہرائی میں تو ذہن خود ایک سوال ہے۔

لہٰذا فلسفہ ذہن کے سوالات کے جواب دینے کی کوشش کرتا ہے اور مذہب عین اساس کو دیکھتا ہے۔ ذہن سوال ہے، اور جب تک ذہن کو ترک نہیں کیا جاتا جواب تم پر منکشف نہیں ہوگا --- ذہن اس کی اجازت نہیں دے گا، ذہن تو رکاوٹ ہے، دیوار

ہے، جب ذہن نہیں ہوتا ہے تب تم ایک تجربہ کرتی ہوئی ہستی ہوتے ہو، جب ذہن ہوتا ہے تب تم باتونی ہستی ہوتے ہو۔

> ایک چھوٹے سے سکول میں ایک واقعہ ہوا۔ وہاں ایک بہت احمق بچہ پڑھتا تھا۔ وہ کبھی کوئی سوال دریافت نہیں کرتا تھا اور استانی بھی اسے نظر انداز کئے رکھتی تھی۔ لیکن ایک روز جب استانی ریاضی کا کوئی خاص سوال حل کر رہی تھی تو وہ بہت پرجوش دکھائی دینے لگا۔ وہ بار بار اپنا ہاتھ اونچا کرتا تھا۔ وہ کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا۔ جب استانی نے سوال حل کر لیا تو اس نے بورڈ سے اعداد کو مٹا دیا۔ اور بہت خوش ہوئی کہ پہلی مرتبہ اس بچے نے کسی شے کے لئے اس قدر جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ بولی ''میں خوش ہوں کہ تم کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔ کہو، کہو --- سوال دریافت کرو''
>
> بچہ کھڑا ہوا اور بولا ''میں بہت پریشان ہوں اور سوال بار بار میرے ذہن میں ابھرتا رہا ہے تاہم مجھ میں اسے دریافت کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ آج میں نے پوچھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرا سوال ہے کہ جب آپ مٹا دیتی ہیں تو اعداد کہاں چلے جاتے ہیں؟''

سوال بہت فلسفیانہ تھا، اس جیسے دیگر تمام سوالوں کی طرح۔ بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ جب کوئی بدھا مرتا ہے تو کہاں چلا جاتا ہے؟ سوال ویسا ہی تھا۔ خدا کہاں ہے؟ --- یہ بھی ویسا ہی سوال ہے۔ تاہم تم ان کے اندر نہاں حماقت کو محسوس نہیں کر سکتے ہو، کیونکہ یہ بہت گہرے دکھائی پڑتے ہیں، اور ان کی روایت بڑی قدیم ہے --- لوگ ہمیشہ انہیں دریافت کرتے آئے ہیں، اور جن لوگوں کو تم بہت عظیم گردانتے ہو ان سوالوں پر غور و تفکر کرتے آئے ہیں۔ نظریات گھڑتے آئے ہیں، جواب تلاش کرتے رہے ہیں، نظامات وضع کرتے رہے ہیں --- تاہم ساری کی

ساری کوشش رائیگاں رہتی ہے کیونکہ صرف تجربہ ہی تمہیں جواب دے سکتا ہے نہ کہ سوچ۔ اور اگر تم سوچے چلے جاتے ہو تو تم مزید پاگل ہوتے جاتے ہو اور جواب ہنوز کہیں پرے ہوتا ہے۔۔۔اتنا پرے کہ نا قابل حصول۔

بدھ کہتے ہیں کہ جب ذہن سوال کرنا بند کر دیتا ہے تب جواب رونما ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم سوالات میں اس قدر منہمک ہو گئے ہو کہ جواب تم میں داخل ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ تم اس قدر مشکل میں ہو، اتنے پریشان ہو، اس قدر تناؤ کا شکار ہو کہ حقیقت تم میں داخل نہیں ہو سکتی ہے۔۔۔تم اندر سے بہت ہلے ہوئے ہو، خوف سے لرز رہے ہو، نیوراسس سے کانپ رہے ہو، احمقانہ سوالات اور جوابات سے، نظامات سے، فلسفوں سے، نظریات سے، تم بہت زیادہ معمور ہو چکے ہو۔

اگر تمہارے اندر زلزلہ برپا ہو تو ایک حقیقی زلزلہ تم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تم خاموش ہوتے ہو تب حقیقت رونما ہوتی ہے۔ اور سوال کرنا اندر سے لرزنے کے مترادف ہے۔ سوال کرنے کا مطلب ہوتا ہے شک کرنا، شک کا مطلب ہے لرزہ۔ سوال کرنے کا مطلب ہے تم کسی شے پر اعتماد اور بھروسہ نہیں رکھتے ہو۔۔۔ ہر شے ایک سوال بن گئی ہے اور جب ہر شے سوال بن چکی ہو تو بے حد اندیشگی پیدا ہوتی ہے۔ کیا تم نے اپنا نظارہ کیا ہے؟ ہر شے ایک سوال بن جاتی ہے۔ اگر تم دکھی ہو تو یہ ایک مسئلہ ہے، سوال ہے۔ کیوں؟ یہاں تک کہ اگر تم خوش ہو تو یہ ایک سوال ہے۔ کیوں؟ تمہیں اپنے خوش ہونے کا یقین ہوتا ہے۔

سوال کرنے والے ذہن کے لئے بھروسہ ممکن نہیں ہوتا ہے۔ جونہی تجربہ وارد ہوتا ہے، ذہن سوال وضع کر لیتا ہے۔ کیوں؟ پھول کھلا ہے۔۔۔اگر تم بھروسہ کرتے ہو تو تمہیں خوبصورتی کا احساس ہوگا، خوبصورتی کے کھلنے کا احساس ہوگا، تاہم ذہن کہتا ہے کیوں؟ اس پھول کو خوبصورت کیوں کہا جاتا ہے؟ خوبصورتی کیا ہوتی ہے؟"۔۔۔تم منتشر ہو جاتے ہو۔ تم محبت کر رہے ہو اور ذہن سوال کرتا ہے: "کیوں؟ محبت کیا ہوتی ہے۔؟"

کہتے ہیں کہ سینٹ آگسٹین کہا کرتے تھے "میں جانتا ہوں کہ زمان کیا ہے؟

تاہم جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں تو سب کچھ کھو جاتا ہے، میں جواب نہیں دے پاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں محبت کیا ہے؟ تاہم تم مجھ سے پوچھتے ہو، محبت کیا ہے؟۔۔۔اور میں زیاں میں ہوتا ہوں، میں جواب نہیں دے پاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ خدا کیا ہے تاہم تم پوچھتے ہو اور میں زیاں کر بیٹھتا ہوں۔" اور آگسٹین درست کہتے ہیں۔ کیونکہ گہرے راز دریافت نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ ان کے متعلق سوال نہیں اٹھایا جا سکتا ہے۔ تم کسی اسرار پر سوالیہ نشان نہیں لگا سکتے ہو۔ اور اگر تم سوالیہ نشان لگاتے ہو تو سوالیہ نشان زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے، پھر سوال سارے اسرار پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اور اگر تم سوچتے ہو کہ جب تم سوال کو حل کر لو گے تو اسرار کو جی سکو گے تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔

مذہب میں سوال اٹھانے کو غیر متعلق گردانا جاتا ہے۔ بھروسہ متعلق ہے۔ بھروسے کا مطلب ہے تجربے میں شرکت کرنا، نا معلوم میں سفر کرنا، کچھ بہت زیادہ پوچھے بغیر ۔۔۔اس کو جاننے کے لئے اس میں سے گزرنا۔

> میں تمہیں ایک خوب صورت صبح کے متعلق بتاتا ہوں اور تم یہاں اس دیواروں والے کمرے میں بند مجھ سے اس کے متعلق سوال دریافت کرنے لگتے ہو اور تم چاہتے ہو کہ تمہارے سوالوں کے جواب ایک قدم بھی باہر رکھے بغیر مل جائیں۔ اگر تم جانتے ہی نہ ہو کہ صبح کیا ہوتی ہے تو میں تمہیں کیونکر بتا سکتا ہوں؟ لفظوں میں صرف وہی کچھ بتایا جا سکتا ہے جو تم پہلے ہی جانتے ہو۔ میں تمہیں کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہاں روشنی ہوتی ہے، درختوں سے چھنتی ہوئی خوبصورت روشنی، اور سارا آسمان روشنی سے بھرا ہوا ہوتا ہے، سورج طلوع ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر تم ہمیشہ تاریکی میں رہتے رہے ہو، اگر تمہاری آنکھیں اندھیرے ہی کی عادی ہیں تو میں کیسے واضح کر سکتا ہوں کہ سورج طلوع ہو چکا ہے؟

اگر تم جانتے ہی نہیں ہو تو روشنی کے متعلق کیسے بتایا جا سکتا ہے؟ تاہم جو کچھ تم

پوچھ رہے ہو ایسا ہی ہے: خدا کے متعلق ہمیں قائل کرو، تب ہم مراقبہ کریں گے، تب ہم عبادت کریں گے، تب ہم تلاش کریں گے۔ جب تک ادراک نہ ہو تو ہم تلاش کر ہی کیسے سکتے ہیں؟ جب ہم جانتے ہی نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں تو ہم تلاش پر کیسے نکل سکتے ہیں؟

یہی ہے بے اعتمادی ۔۔۔ اور اسی بے اعتمادی کی وجہ سے تم نامعلوم میں سفر نہیں کر سکتے ہو، معلوم تمہیں چمٹ گیا ہے اور تم معلوم کو چمٹ گئے ہو ۔۔۔ اور معلوم تو مردہ ماضی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ آرام دہ محسوس ہو، کیونکہ تم اس میں جی چکے ہو، تاہم یہ مردہ ہے، یہ زندہ نہیں ہے۔ زندہ ہمیشہ نامعلوم ہوتا ہے، تمہارے دروازے پر دستک دیتا ہوا۔ اس کے ساتھ چلو۔ تاہم بغیر اعتماد کے تم کیسے چل سکتے ہو؟ اور شکی لوگ بھی سوچتے ہیں کہ وہ اعتماد رکھتے ہیں۔

> ایسا ہوتا ہے کہ تم اعتماد رکھتے ہو، درجنوں مرتبہ اعتماد رکھتے ہو۔ یہ اعتماد بہت گہرا نہیں ہو پاتا، یہ تو نرا افادی ہوتا ہے۔ تم اعتماد کرتے ہو مگر تبھی جب اسے فائدہ مند پاتے ہو۔ تاہم جب کبھی نامعلوم دستک دیتا ہے تو تم اعتماد نہیں کرتے ہو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ یہ فائدہ دے گا یا نہیں۔ یقین اور اعتماد افادے کا سوال نہیں ہیں ۔۔۔ یہ افادی نہیں ہیں، تم انہیں استعمال نہیں کر سکتے ہو، اگر تم انہیں استعمال کرنا چاہتے ہو تو تم انہیں قتل کر دیتے ہو۔ یہ بہرحال افادی نہیں ہوتے ہیں۔ تم ان سے لطف اندوز ہو سکتے ہو، تم ان سے مسرت یاب ہو سکتے ہو ۔۔۔ تاہم یہ کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں۔

یہ اس دنیا کی اصطلاح میں فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس، ساری دنیا تمہاری طرف ایک بے وقوف کے طور پر دیکھے گی کیونکہ دنیا اسے دانا سمجھتی ہے جو شک کرتا ہے، دنیا اسے عقل مند سمجھتی ہے جو سوال کرتا ہے، دنیا اسے سمجھدار تصور کرتی ہے جو یقین کامل کے ساتھ ایک قدم اٹھاتا ہے اور اس سے قبل کہ اسے یقین کامل ہو وہ قدم

نہیں اٹھاتا ہے۔ یہ ہے دنیا کی چالاکی اور عیاری ۔۔۔ اور دنیا ایسے لوگوں کو دانا کہتی ہے!

جہاں تک بدھا کا تعلق ہے تو ایسے دانا لوگ احمق ہوتے ہیں، کیونکہ اپنی نام نہاد عقل و دانش کی وجہ سے وہ **عظیم ترین** کو گنوا دیتے ہیں اور **عظیم ترین** استعمال نہیں ہو سکتا ہے۔ تم اس میں ضم ہو سکتے ہو، تم اسے استعمال میں نہیں لا سکتے۔ اس کا کوئی مصرف، کوئی افادہ نہیں ہوتا ہے، یہ ایک جنسِ فروخت نہیں ہوتی ہے، یہ تو ایک تجربہ ہے، ایک مسرت ہے۔ تم اسے فروخت نہیں کر سکتے، تم اسے کاروبار میں نہیں لگا سکتے، بلکہ اس کے برعکس تم اس میں مکمل طور پر جذب ہو سکتے ہو۔

صرف بہادر لوگ ہی راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ مذہب بزدل لوگوں کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ تاہم تمہیں چرچوں، مندروں، مسجدوں میں بزدل لوگ ملیں گے۔ انہوں نے کُل شے کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ مذہب بے حد بہادر لوگوں کے لئے ہے، ان کے لئے جو انتہائی خطرناک قدم اٹھا سکتے ہیں ۔۔۔ اور سب سے خطرناک قدم معلوم سے نامعلوم کی طرف اٹھایا جاتا ہے، سب سے خطرناک قدم ذہن سے **لا ذہن** کی طرف اٹھایا جاتا ہے، سوال کرنے سے لے کر سوال نہ کرنے کی طرف، شک سے بھروسے کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

ذہن کی ہمراہی میں تم رائیگانی کا شکار ہوتے ہو۔ ذہن تو ایک میکانزم ہے ۔۔۔ یہ دائروں میں چلتا ہے، منحوس دائروں میں۔ اپنے ہی ذہن کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کرو۔ کیا یہ کسی سفر پر ہے یا محض دائرے میں گھوم رہا ہے؟ کیا تم حقیقتاً حرکت کر رہے ہو یا محض دائرے میں؟ تم یکسانیت کو دہرا رہے ہو، بار بار۔ پرسوں تم غصے میں تھے، گزشتہ کل تم غصے میں تھے، آج تم غصے میں رہے ہو ۔۔۔ اور پورا پورا امکان ہے کہ آئندہ کل بھی تم غصے میں ہو گے، اور کیا تم محسوس کرتے ہو کہ غصہ مختلف ہوتا ہے؟ پرسوں بھی یہی غصہ تھا، گزشتہ کل بھی یہی غصہ تھا، آج بھی غصہ یہی ہے ۔۔۔ غصہ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ صورت حالات ہو سکتا ہے مختلف ہوں، بہانے مختلف ہو سکتے ہیں تاہم غصہ وہی کا وہی ہوتا ہے! کیا تم حرکت کر رہے ہو؟ کیا تم کسی منزل تک پہنچ رہے

ہو، یا نزدیک ہو رہے ہو؟

تم تو ایک دائرے میں ہی گھوم رہے ہو، کہیں بھی نہ پہنچتے ہوئے۔

دائرہ ہو سکتا ہے کہ بہت بڑا ہو تاہم اگر تم ایک دائرے میں حرکت کر رہے ہو تو تم کیونکر حرکت کر سکتے ہو؟

تم جا کہاں رہے ہو؟

جب کبھی تم اس حقیقت سے آگاہ ہو گے، تم ضرور سوچو گے کہ ہوتا کیا رہا ہے؟ تم بہت انوکھا محسوس کرو گے، بہت صدمہ ہو گا تمہیں کہ تمہاری ساری زندگی غلط استعمال ہوئی ہے۔ تم نے تو ایک انچ بھی حرکت نہیں کی ہے۔ تم جتنی جلد اس حقیقت کا ادراکِ کر لو گے اتنا ہی اچھا ہو گا۔ کیونکہ اسی ادراک حقیقت سے کچھ نہ کچھ متوقع و ممکن ہے۔

یہ تکرار کیوں؟ ذہن تکراری ہے، دہراتا ہے۔ یہ ایک ٹوٹا ہوا ریکارڈ ہے۔ اس کی عین فطرت بالکل ٹوٹے ہوئے ریکارڈ کی سی ہے۔ تم اسے تبدیل نہیں کر سکتے ہو۔ ایک ٹوٹا ہوا ریکارڈ تو مرمت ہو سکتا ہے، ذہن نہیں ہو سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن کی عین فطرت ہی تکرار ہے۔ تکرار ہے ذہن کی عین فطرت۔ بہت ہو تو تم دائرے بڑے بنا سکتے ہو۔ بڑے دائروں میں تم زیادہ آزادی محسوس کر سکتے ہو، بڑے دائروں میں تم خود کو دھوکا دے سکتے ہو کہ اشیاء مکرر واقع نہیں ہو رہی ہیں۔

کسی کا دائرہ محض چوبیس گھنٹوں کا ہو سکتا ہے۔ اگر تم چالاک ہو تو تم تیس دنوں کا دائرہ بنا سکتے ہو، اگر تم زیادہ چالاک ہو تو دائرہ ایک برس کا ہو سکتا ہے، اگر تم کہیں زیادہ چالاک ہو تو دائرہ عمر بھر پر محیط ہو سکتا ہے۔۔۔ تاہم دائرہ یکساں ہی رہتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ چھوٹے یا بڑے، بس تم دن پورے کرتے ہو، تم واپس اسی نکتے پر آ جاتے ہو۔

اسی آگاہی کی بنا پر ہندو زندگی کو ایک **چکر** کہتے ہیں۔ ایک بدھا وہ ہوتا ہے جو اس **چکر** سے باہر جست لگا جاتا ہے۔ تم **چکر** سے چمٹے ہوئے ہو، تم اسی میں تحفظ محسوس کرتے ہو۔۔۔ اور **چکر** چلتا رہتا ہے، پیدائش سے موت تک یہ ایک دائرہ پورا کرتا ہے۔ دوبارہ جنم، دوبارہ موت۔ لفظ سنسار جسے ہندو دنیا کے لئے استعمال کرتے

ہیں کا مطلب ہوتا ہے: **چکر**۔ یہ ایک ہی انداز میں گھومتا رہتا ہے۔ تم آتے ہو اور چلے جاتے ہو، اور تم بہت کچھ کرتے ہو۔۔۔ مگر عبث۔ تم کہاں رائیگاں ہو جاتے ہو؟ تم پہلے ہی قدم پر رائیگاں ہو جاتے ہو۔

> ذہن کی فطرت تکرار ہے جبکہ زندگی کی فطرت تکرار نہیں ہے۔ زندگی تو ہمیشہ نئی ہوتی ہے۔ نیا پن زندگی کی فطرت ہے، تاؤ، کچھ بھی پرانا نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ زندگی تکرار نہیں کرتی ہے، یہ تو بس ہر روز نئی ہوتی ہے۔ ہر لمحے نئی ہوتی ہے۔۔۔ اور ذہن پرانا ہوتا ہے، لہٰذا ذہن اور زندگی کبھی نہیں ملتے ہیں۔ ذہن تو بس تکرار کرتا ہے، دہراتا ہے، زندگی کبھی تکرار نہیں کرتی ہے۔۔۔ تو پھر زندگی اور ذہن کیونکر ایک ہو سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ فلسفہ زندگی کو کبھی نہیں سمجھتا ہے۔

مذہب کی کُل کوشش یہ ہوتی ہے کہ ذہن کو کیسے ترک کیا جائے اور زندگی کے اندر سفر کیا جائے، کیونکر تکراری میکانزم سے چھٹکارا پانا ہے اور ہر لحہ نئے پن کی دنیا میں داخل ہونا ہے، سدا بہار مظہر وجود کو کیونکر اپنانا ہے؟ اس خوبصورت کہانی کا سارا مفہوم یہی کچھ ہے، توزان کے پانچ پاؤنڈ۔

> گرو توزان سٹور روم میں کتان تول را تھا۔ ایک درویش وہاں آ نکلا اور دریافت کرنے لگا:
>
> "بدھا کیا ہے؟"
>
> توزان نے کہا "اس کتان کا وزن پانچ پاؤنڈ ہے۔"

پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی زین گرو تارک الدنیا، تیاگی نہیں ہوتا ہے، وہ زندگی کا انکار نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کے برعکس، وہ ذہن کا انکار کرتا ہے اور زندگی میں شامل ہو جاتا ہے۔

دنیا میں سنیاسنوں کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم زندگی کا انکار کرتی ہے اور ذہن کی زندگی میں مکمل طور پر شامل ہو جاتی ہے --- یہ حیات دشمن لوگ ہوتے ہیں جو دنیا سے فرار ہو کر کوہِ ہمالیہ کا رخ کرتے ہیں۔ وہ ذہن میں کاملاً جذب ہونے کے لئے زندگی کا انکار کرتے ہیں --- اور یہ لوگ اکثریت میں ہیں، کیونکہ زندگی کا انکار کرنا سہل ہے، ذہن کا انکار کرنا دشوار ہے۔

دشواری ہوتی کیا ہے؟ اگر تم یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو تو تم فرار ہو چکے ہو! تم اپنی بیوی کو چھوڑ سکتے ہو، بچوں کو چھوڑ سکتے ہو! اپنا گھر، اپنی ملازمت چھوڑ سکتے ہو--- اور تمہیں حقیقتاً بوجھ سے نجات کا احساس ہو گا، کیونکہ تمہاری بیوی ایک بوجھ بن چکی ہے، تمہارے بچے بوجھ بن چکے ہیں اور سب سے بڑھ کر روزانہ کام کرنے سے، روزی کمانے سے --- تم اکتا چکے ہو! پس تمہیں بوجھ سے نجات کا احساس ہو گا۔

اور ہمالیہ پر تم کیا کرو گے؟ ساری توانائی ذہن میں ڈھل جائے گی: تم رام، رام، رام جپتے رہو گے، تم اپنشد پڑھو گے اور وید اور تم گہری سچائیوں پر غور و تفکر کرو گے۔ تم غور و فکر کرو گے کہ دنیا کہاں سے آئی ہے، کہاں جا رہی ہے، کس نے دنیا کو تخلیق کیا ہے، خیر اور شر کیا ہیں؟ تم غور و تفکر کرو گے --- عظیم باتوں اور معاملات پر! تمہاری کل قوت حیات جو دوسری چیزوں میں ملوث تھی اب آزاد ہو چکی ہے اور ذہن میں جذب ہو گی۔ تم ایک ذہن میں مبدل ہو جاؤ گے۔

اور لوگ تمہیں تعظیم دیں گے کیونکہ تم نے زندگی کو جو ٹھکرا دیا ہے۔ تم ایک عظیم آدمی ہو! احمق تمہیں ایک عظیم انسان کے طور پر شناخت دیں گے، صرف احمق ہی تمہارا اعتراف کر سکتے ہیں کیونکہ تم ان میں سے عظیم ترین ہو اور تبھی وہ تعظیم دیں گے، وہ خود کو تمہارے قدموں میں بچھا دیں گے --- تم نے ایک عظیم معجزہ جو کر دکھایا ہے نا!

لیکن ہوا کیا ہے؟ تم نے صرف ذہن کی خاطر زندگی کا انکار کر دیا ہے۔ تم نے صرف سر کی خاطر سارے جسم کو ٹھکرا دیا ہے --- اور سر ہی تو مصیبت و مسئلہ تھا۔ تم نے بیماری کو محفوظ کر لیا ہے اور ہر شے کو ٹھکرا دیا ہے۔ اب ذہن میں ایک کینسر زدہ ارتقا میں مبدل ہو جائے گا۔ یہ جاپ کرے گا، منتر پڑھے گا --- یہ سبھی کچھ کرے گا، اور تب یہ

ایک رسم بن جائے گی۔ یہی سبب ہے کہ مذہبی لوگ رسومات پر عمل پیرا ہوتے ہیں، رسم کا مطلب ہوتا ہے ایک ایسا مظہر جسے دہرایا جاتا رہے۔ ہر صبح، ہر روز انہیں اپنی عبادت کرنا ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان ہر روز پانچ وقت نماز ادا کرتا ہے --- خواہ وہ کہیں ہو، اسے پانچ وقت نماز ادا کرنی ہے، کوئی ہندو ایک ہی رسم ساری زندگی ادا کرتا چلا جاتا ہے۔ عیسائیوں کو ہر اتوار گرجا جانا ہوتا ہے --- محض ایک رسم! اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن تکرار کو پسند کرتا ہے، ذہن ہی کسی رسم کو تخلیق کرتا ہے۔

تمہاری عمومی زندگی میں بھی ذہن رسم کو تخلیق کرتا ہے۔ تم محبت کرتے ہو، تم دوستوں سے ملتے ہو، تم پارٹیوں میں جاتے ہو -- ہر شے ایک رسم ہوتی ہے، جس کو دہراتے رہنا ہوتا ہے۔ تمہارے پاس ساتوں دنوں کا پروگرام ہوتا ہے، اور پروگرام طے شدہ، متعینہ ہوتا ہے --- اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ تم ایک روبوٹ بن چکے ہو، زندہ نہیں ہو۔ ذہن تو ایک روبوٹ ہے۔ اگر تم ذہن کو بہت زیادہ توجہ دو گے تو یہ تمہاری ساری توانائی جذب کر لے گا، یہ تو کینسر ہے، جو بڑھتا جاتا ہے، یہ ہر کہیں پھیل جاتا ہے۔

تاہم ایک زین گرو سنیاسنوں کی دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ میری قسم کے سنیاسنوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک زین گرو ہمیشہ ایک **نیو سنیاسن** رہا ہے--- لہٰذا میں ان کے متعلق بات کرنا پسند کرتا ہوں، مجھے ان کے ساتھ گہرا انس محسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے ذہن کو ٹھکرا دیا ہے اور وہ زندگی کو جیتے ہیں، انہوں نے زندگی کا انکار نہیں کیا۔ انہوں نے تو بس ذہن کو ٹھکرا دیا ہے کیونکہ وہ تکرار کرتا ہے --- اور وہ زندگی کو جیا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ایک گھر دار کی سی زندگی جی رہے ہوں، ہو سکتا ہے ان کی بیوی ہو، ہو سکتا ہے ان کے بچے ہوں، وہ زمینوں پر کام کریں گے، وہ باغ میں مصروف کار ہوں گے، وہ سوراخ کھود رہے ہوں گے، وہ سٹور روم میں کتان تول رہے ہوں گے---

کوئی ہندو سوچ نہیں سکتا ہے کہ ایک صاحب بصیرت کتان کیوں تولنے لگا--- کیوں؟ ایسی عام سی سرگرمی کیوں؟ تاہم ایک زین گرو ذہن کو ٹھکرا دیتا ہے، زندگی کو اس

کی کلیت میں جیتا ہے۔ وہ ذہن کو ترک کر دیتا ہے اور سادہ ہستی میں ڈھل جاتا ہے۔

لہٰذا یاد رکھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ اگر تم ذہن کا انکار کرتے ہو اور زندگی کو جیتے ہو تو تم سچے سنیاسن ہو، اگر تم زندگی کا انکار کرتے ہو اور ذہن کو جیتے ہو تو تم ایک جھوٹے سنیاسن ہو، تم ایک جعلی سنیاسن ہو۔ اور خوب یاد رکھو۔

جعلی ہونا ہمیشہ آسان رہا ہے، حقیقی ہونا ہمیشہ دشوار ہوا کرتا ہے۔

بیوی کے ساتھ رہنا اور خوش رہنا ہمیشہ واقعی بہت مشکل ہوتا ہے، بچوں کے ساتھ رہنا اور خوش رہنا واقعی دشوار ہوا کرتا ہے۔ کسی دکان میں کام کرنا، دفتر میں ملازمت کرنا، فیکٹری میں کام کرنا اور مسرور رہنا واقعتاً ایک دشواری ہے۔

ہر شے کو ترک کر دینا اور ایک درخت کے تلے بیٹھ رہنا اور مسرت محسوس کرنا کوئی دشوار نہیں ۔۔۔ کوئی بھی شخص ایسا ہی محسوس کر سکتا ہے۔ کرنا ہی کیا ہے تم کو؟ بس الگ ہونا ہے، ہر کام کرنے کے لئے تمہیں انسلاک قائم کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جب تم سب کچھ کر رہے ہو اور علیٰحدہ رہو ۔۔۔ جب تم ہجوم کے ہمراہ چلتے ہو، دنیا میں ہو اور ہنوز تنہا ہو، تب واقعتاً کچھ حقیقی رونما ہوتا ہے۔

اگر تم غصہ نہیں کرتے ہو تب واقعی میں تنہا ہوتے ہو، یہ کوئی نکتے کی بات نہیں ہے۔ جب تم تنہا ہوتے ہو تو تمہیں غصہ نہیں آتا کیونکہ غصہ ایک تعلق ہوتا ہے، اسے کسی شخص کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جس پر غصہ کیا جا سکے۔ جب تک تم پاگل نہ ہو تم تنہا ہو کر غصہ نہیں کر سکتے۔ یہ اندر ہو گا تاہم اسے باہر آنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ جب دوسرا ہوتا ہے تب غصہ نہ کرنا اہم ہوتا ہے۔ جب تم پیسے نہیں رکھتے ہو، کوئی شے، کوئی گھر ۔۔۔ اگر تم علیٰحدہ ہو تو پھر اس میں کیا دشواری؟ تاہم جب تم سب کچھ رکھتے ہو اور تب علیٰحدہ رہتے ہو ۔۔۔ محل میں ایک فقیر ۔۔۔ تب کوئی گہری شے حاصل ہوتی ہے۔

اور یاد رکھو اور ہمیشہ اسے اپنے قلب میں رکھو کہ سچ، محبت، زندگی، مراقبہ، مسرت، سعادت سب سچے ہیں اور خوبصورت ہیں اور اچھے ہیں، یہ ہمیشہ پیراڈکس میں ہوتے ہیں۔ دنیا میں اور دنیا میں نہیں، لوگوں کے ساتھ اور تنہا، سب کچھ کرتے ہوئے اور بے عمل رہتے ہوئے، حرکت کرتے ہوئے اور جمود میں، ایک عمومی زندگی جیتے ہوئے اور

ہنوز اس سے ہم آہنگ نہ ہوتے ہوئے، سب کی طرح کام کرتے ہوئے، ہنوز گہرائی میں الگ تھلگ۔

> دنیا میں ہونا اور دنیا کا نہ ہونا، یہی پیراڈکس ہے۔ اور جب تم اس پیراڈکس کو پا لیتے ہو تو تمہارے اندر بہت عظیم بلندی رونما ہوتی ہے، انتہائی تجربہ۔

ایک سادہ ہستی میں بسر کرنا بہت سہل ہوتا ہے یا تو دنیا سے انسلاک کر کے یا دنیا سے باہر اور منقطع ۔۔۔ دونوں سادہ ہیں۔ تاہم **عظیم تر** تبھی وارد ہوتا ہے جب یہ ایک پیچیدہ مظہر ہو۔ اگر تم ہمالیہ پر چلے جاتے ہو اور غیر منسلک ہوتے ہو تو تم موسیقی کا ایک سُر ہوتے ہو، اگر تم دنیا میں رہتے ہو اور منسلک رہتے ہو تو پھر تم موسیقی کا ایک سُر ہوتے ہو۔ تاہم جب تم دنیا میں رہتے ہو اور اس سے ورا ہوتے ہو اور تمہارا ہمالیہ تمہارے دل میں ہوتا ہے تب تم آہنگ ہوتے ہو، واحد سُر نہیں ہوتے۔ ایک آہنگ رونما ہوتا ہے، غیر ہم آہنگ سروں سے، ایک امتزاج وجود پذیر ہوتا ہے متخالفوں سے، دو کناروں کے مابین پل تعمیر ہو جاتا ہے۔ اور **عظیم ترین** تبھی ممکن ہوتا ہے جب زندگی انتہائی پیچیدہ ہوتی ہے۔ صرف پیچیدگی ہی میں **عظیم ترین** رونما ہوتا ہے۔

اگر تم سادہ ہونا چاہتے ہو تو تمہیں دو متبادلوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے ۔۔۔ تاہم تم پیچیدگی کو گنوا دو گے۔ اگر تم پیچیدگی میں سادہ نہیں ہو سکتے تو تم جانور کی طرح ہو، یا تو ایک جانور یا ہمالیہ میں زندگی کو ٹھکرا کر رہنے والے جیسا ۔۔۔ وہ کسی دکان پر نہیں جاتے، وہ کسی فیکٹری میں کام نہیں کرتے، وہ بیویاں نہیں رکھتے، ان کے بچے نہیں ہوتے ۔۔۔

> میں نے ایسے بہت سے لوگوں کا مشاہدہ کیا ہے جنہوں نے زندگی کو ٹھکرا دیا تھا۔ میں ان کے ساتھ رہا ہوں، ان کا گہرا مشاہدہ کیا ہے، وہ جانوروں جیسے ہو چکے تھے۔ میں نے ان میں کوئی اعلیٰ ترین شے وقوع پذیر ہوتے نہیں دیکھی، بلکہ اس کے برعکس میں نے انہیں پست ہوتے ہوئے پایا۔ ان کی زندگی میں تناؤ کم ہوتا

ہے کیونکہ ایک جانور کی زندگی میں تناؤ کم ہوتا ہے۔ انہیں کوئی
پریشانیاں لاحق نہیں تھیں کیونکہ جانوروں کو کوئی پریشانیاں لاحق
نہیں ہوتی ہیں۔ درحقیقت وہ زوال کا شکار ہوتے ہیں، وہ پست
ہو رہے ہوتے ہیں، وہ سبزیوں کے مثل ہوتے ہیں۔ اگر تم ان
سے ملو تو تم انہیں سادہ پاؤ گے کوئی پیچیدگی وجود نہیں رکھتی ---
تاہم انہیں دنیا میں واپس لاؤ اور تم انہیں خود سے زیادہ پیچیدہ پاؤ
گے کیونکہ جب صورتحال ابھرے گی تو وہ دشواری میں ہوں گے۔
تب ہر شے جسے دبایا گیا تھا ابھر آئے گی۔ یہ دباؤ ہی کی ایک قسم
ہے۔ مت زوال کا شکار ہوؤ، پسپا مت ہوؤ--- آگے بڑھو۔

بچہ سادہ ہوتا ہے تاہم بچے مت بنو، بالغ ہوؤ۔ جب تم مکمل طور پر بالغ ہو جاؤ تو ایک بچپن دوبارہ وقوع پذیر ہوگا تاہم یہ کیفیتی طور پر مختلف ہوگا۔ ایک درویش دوبارہ ایک بچہ ہوتا ہے، تاہم بچگانہ نہیں ہوتا ہے۔ ایک درویش دوبارہ ایک پھول ہوتا ہے، خوشبو، ایک بچے کی سی تازگی، تاہم ایک گہرا فرق بھی ہوتا ہے، ایک بچے میں بہت سی دبائی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں اور جب کبھی موقع دیا جاتا ہے وہ باہر آ جاتی ہیں۔ جنس باہر آ جاتی ہے، غصہ باہر آ جاتا ہے --- وہ دنیا میں مصروف کار ہوتا ہے اور اس سے منسلک ہوتا ہے اور کھو جاتا ہے۔ وہ یہ بیج اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایک درویش میں بیج نہیں ہوتے ہیں، وہ کھو نہیں سکتا ہے۔ وہ کھو اس لئے نہیں سکتا ہے کیونکہ وہ مزید جو ہے نہیں۔

اس کے اندر عدم موجود ہوتا ہے۔

بظاہر یونہی سے، مہمل، لایعنی دکھائی دو۔ اگر تم گہرا سے گہرا جاتے ہو تو تمہیں ایک تعلق دریافت ہوگا لیکن وہ منطقی نہیں ہوگا۔ اور تمہیں ایک قیام و استقلال کا پتا چلے گا جو ذہنی نہیں ہوگا بلکہ وجودی ہوگا۔ سمجھو، سمجھنے کی کوشش کرو فرق کو۔

☆☆☆☆

﴿باب نمبر 7﴾

گونگا، بہرا، اندھا

خدا کے ہونے اور اسے سمجھنے کے موضوع پر گرور جنیش کی انتہائی منفرد گفتگو، انوکھا موضوع، انوکھی آراء

.... نطشے نے اعلان کیا تھا کہ خدا مر گیا ہے۔ درحقیقت جب تم خود مر گئے ہو تو تمہارے لئے خدا کیونکر زندہ ہو سکتا ہے؟

.... تم خدا کو صرف اس وقت جان سکتے ہو جب تم بھرپور طور پر زندہ ہو، جب تمہاری زندگی چھلکنے لگی ہو، جب یہ سیلاب بن چکی ہو۔

.... خدا کوئی دنیاوی حاجت نہیں ہے۔

.... خدا کے بغیر جو کچھ بھی خوبصورت ہے وہ معدوم ہو جائے گا۔

.... اور میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ خدا اس دنیا کی سب سے بڑی آسائش ہے۔ خدا حاجت نہیں ہے۔

.... جب لوگ جمود کا شکار ہو جاتے ہیں تو باہر کو سفر شروع کر دیتے ہیں۔

.... یاد رکھو، اگر تم ایک انسان سے محبت نہیں کر سکتے تو پوری انسانیت سے محبت نہیں کر سکتے۔

.... مندروں میں تمہیں مردہ لوگ پوجا کرتے ہوئے ملیں گے۔

...... سارا معاملہ انتخاب کا ہے۔ اگر تم مصیبت سہنا انتخاب نہیں کرتے ہو تو تمہیں مسرت بھی حاصل نہیں ہوگی۔

...... اگر تم زندہ ہو تو موت تمہارے لئے ایک عظیم مظہر ہوگی۔

...... کبیر نے کہا تھا! دنیا میں دو چیزیں لامتناہی چیزیں ہیں ۔۔۔ ایک ہے جہالت اور دوسری خدا۔

حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں سے کہا کرتے تھے، اور اکثر کہا کرتے تھے ''اگر تمہاری آنکھیں ہیں تو دیکھو! اگر تمہارے کان ہیں تو مجھے سنو!'' وہ تمہاری طرح آنکھیں رکھا کرتے تھے، وہ بالکل تمہاری طرح کان بھی رکھتے تھے۔ تب پھر عیسیٰؑ کا مفہوم کچھ اور ہی تھا ۔۔۔ نہ یہ آنکھیں، نہ یہ کان۔

دنیا کو دیکھنے کا ایک مختلف طریقہ ہے، اور سننے کا ایک مختلف طریقہ ہے ۔۔۔ ایک مختلف طریقہ ہے **ہونے** کا۔ جب تم اس نوع کی دیکھنے کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہو تو خدا دکھائی دیتا ہے، جب تم سننے کا یہ مختلف انداز اپناتے ہو تو خدا سنائی دیتا ہے، اور جب تم ہونے کا یہ مختلف طریقہ اختیار کرتے ہو تو تم میں خدا جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ تم ہو، تم گونگے ہو، بہرے ہو، اندھے ہو ۔۔۔ قریباً مردہ۔ خدا کی طرف سے گونگے، خدا کی طرف سے بہرے، خدا کی طرف سے اندھے۔

نطشے نے اعلان کیا تھا کہ خدا مر گیا ہے۔ درحقیقت اگر تم خود مر گئے ہو، تو تمہارے لئے خدا کیونکر زندہ ہو سکتا ہے؟ خدا مر گیا ہے کیونکہ تم خود مر گئے ہو۔ تم خدا کو صرف اس وقت جان سکتے ہو جب تم بھرپور طور پر زندہ ہو، جب تمہاری زندگی چھلکنے لگی ہو، جب یہ سیلاب بن چکی ہو۔ سعادت، زندگی اور توانائی کے اس چھلکتے ہوئے لمحے میں پہلی مرتبہ تمہیں علم ہوگا کہ خدا کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا انتہائی قیمتی چھلکتا ہوا مظہر ہے۔

خدا کوئی دنیاوی حاجت نہیں ہے۔ سائنسی قوانین ایک حاجت ہیں ۔۔۔ ان کے بغیر دنیا ہو نہیں سکتی ہے۔ خدا اس طرح کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے بغیر دنیا ہو سکتی ہے تاہم یہ بے قیمت ہوگی۔ اس کے بغیر تم وجود رکھ سکتے ہو تاہم تمہارا وجود محض سبزیوں جیسا وجود ہوگا۔ اس کے بغیر تم سبزیوں کی طرح پنپ سکتے ہو، تم حقیقت میں زندہ نہیں رہ سکتے۔

خدا کوئی حاجت نہیں ہے ۔۔۔ تم **ہو** سکتے ہو تاہم تمہاری ہستی کی کوئی معنویت نہیں ہوگی۔ بہرحال یہ کسی معافی کی حامل نہیں ہوگی۔ یہ کسی شاعری کی حامل نہیں ہوگی، یہ کسی نغمے کی حامل نہیں ہوگی، یہ کسی رقص کی حامل نہیں ہوگی۔ یہ ایک اسرار نہیں

ہوگی۔ یہ ایک ریاضی ہوسکتی ہے، ایک بیوپار ہوسکتی ہے تاہم یہ ایک معاملہ محبت نہیں ہو سکتی ہے۔

خدا کے بغیر جو کچھ بھی خوبصورت ہے وہ معدوم ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ خوبصورت محض ایک چھلکتے ہوئے کے طور پر وارد ہوتا ہے۔۔۔ یہ ایک آسائش ہے۔ کسی درخت کا مشاہدہ کرو، اگر تم اسے خوب پانی نہیں دو گے، اگر درخت کو مٹی سے خوراک نہیں ملے گی تو درخت تو وجود پذیر رہ سکے گا تاہم اس پر پھول نہیں کھلیں گے، ہستی تو ہوگی تاہم عبث! اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ہوا ہی نہ جائے کیونکہ یہ ایک مستقل شکستگی و افسردگی (فرسٹریشن) ہوگی۔ پھول صرف اس وقت ہی درخت پر کھلتے ہیں جب درخت بتانے کے لئے کافی کچھ رکھتا ہوتا ہے۔۔۔ اور درخت کو کافی نشوونما یافتہ ہونا پڑتا ہے تبھی اس میں پھول کھلتے ہیں۔۔۔ پھول کھلنا ایک آسائش ہے! درخت کافی کچھ رکھتا ہے تو اس کا بار پا سکتا ہے۔

> اور میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ خدا اس دنیا کی سب سے بڑی آسائش ہے۔ خدا حاجت نہیں ہے۔ تم اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہو۔ تم بہت اچھی طرح زندہ رہ سکتے ہو تاہم تم کسی شے کی کمی پاؤ گے، تم دل میں ایک خالی پن سا محسوس کرو گے۔ تم ایک زندہ قوت کی بجائے ایک زخم کے مانند ہو گے۔ تم اذیت سہو گے، تمہاری زندگی میں کسی طرح کی مسرت نہیں ہوگی۔

لیکن یہ معنویت، یہ مسرت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے؟ تمہیں دیکھنے کے ایک مختلف انداز کی ضرورت ہے۔ اس وقت تو تم اندھے ہو۔ دراصل تم مادے کو دیکھ سکتے ہو تاہم مادہ ایک حاجت ہے۔ تم درخت کو تو خوب اچھی طرح دیکھ سکتے ہو تاہم پھولوں کو نہیں، اور اگر تم پھولوں کو دیکھ بھی سکتے ہو تو تم خوشبو کو نہیں دیکھ پاتے۔ تمہاری آنکھیں فقط سطح کو دیکھ سکتی ہیں۔۔۔ تم مرکز کو نہیں دیکھ سکتے ہو، عین مدعا کو۔۔۔ لہٰذا عیسیٰؑ کہا کرتے تھے کہ تم ایک اندھے انسان ہو، تم بہرے ہو۔۔۔ اور تم گونگے ہو، کیونکہ اگر تم اسے دیکھ نہیں چکے ہو تو کہنے کو پھر کیا رہا؟ اگر تم نے اسے نہیں سنا ہے تو پھر بیان کرنے اور

ترسیل کرنے کو کیا رہا؟ اگر وہ شاعری ہی وارد نہیں ہوئی تو گانے کو کیا رہا؟ ہوسکتا ہے تم اپنے منہ سے اشارے دے سکو، تاہم اس سے کچھ نہیں بنے گا کیونکہ پہلے مقام پر کچھ بھی نہیں ہے۔

جب عیسیٰؑ جیسا کوئی انسان کلام کرتا ہے کہ وہ رکھتا ہے تو اس سے کوئی بڑی شے اس کے وسیلے سے کلام کرتی ہے۔ جب بدھا جیسا کوئی انسان کلام کرتا ہے تو وہ گوتم بدھ سدھارتھ نہیں ہوتا جو ایک بادشاہ کا بیٹا تھا، ناں، وہ مزید وہ نہیں ہوتا۔ وہ مزید جسم نہیں ہوتا جسے تم دیکھ اور چھو سکتے ہو، یہاں تک کہ وہ مزید ذہن بھی نہیں رہتا جسے تم سمجھ سکتے ہو۔ ماورا سے کوئی شے داخل ہو چکی ہے، کوئی شے جو زمان اور مکان سے ماورا ہوتی ہے، زمان اور مکان میں داخل ہوگئی ہے۔ ایک معجزہ رونما ہو چکا ہے۔ وہ تم سے مخاطب نہیں ہے، وہ تو بس ایک وسیلہ ہے، کوئی شے اس کے ذریعے بہہ رہی ہے، وہ تو محض ایک واسطہ ہے۔ وہ نامعلوم ساحل سے کوئی شے تم تک لاتا ہے۔ صرف تبھی تم گا سکتے ہو۔۔۔ جب مسرت وارد ہوتی ہے۔ بصورت دیگر تم گا تو سکتے ہو مگر یہ سطحی ہوگا۔ ہوسکتا ہے تم کافی شور مچا سکو تاہم شور تو کلام نہیں ہوا کرتا۔ ہوسکتا ہے تم بہت سے الفاظ استعمال کر سکو تاہم وہ خالی ہی ہوں گے۔ تم بہت زیادہ باتیں کر سکتے ہو، تاہم حقیقت میں تم کیسے بات کر سکتے ہو؟

ایک مرتبہ مجھے ایک گھر مہمان ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ میں صاحب خانہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا چھوٹا سا بیٹا داخل ہوا، اور اس نے اپنے والد سے کہا کہ اگر وہ پسند کرے تو اس کے چند سوالات کے جواب تو دے۔ باپ نے کہا: ''میں مصروف ہوں۔ تم اپنی امی سے سوال پوچھ لو۔''

بچہ بولا ''مگر میں اتنا زیادہ جاننا نہیں چاہتا! کیونکہ وہ بولنا شروع کر دیں تو پھر رکتی ہی نہیں ہیں اور مجھے اپنا ہوم ورک کرنا ہے۔۔۔ اور میں اس قدر زیادہ جاننا بھی نہیں چاہتا۔''

لوگ بولتے جا رہے ہیں اور بولتے ہی چلے جا رہے ہیں، یہ جانے بغیر کہ وہ کیوں بول رہے ہیں۔۔۔ کس مقصد سے؟ کہنے کو ہے ہی کیا؟ دراصل وہ اپنا گونگا پن

چھپانا چاہتے ہیں ۔لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک قصبے سے دوسرے قصبے جاتے ہیں، وہ سفر پر نکلتے ہیں اور تعطیلات منانے ہمالیہ پر یا سوئٹزر لینڈ جاتے ہیں ۔۔۔ یہ سب سفر اور حرکت کیسے اور کس لئے؟ دراصل وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔

تاہم حرکت زندگی نہیں ہے۔ گو کہ زندگی ایک بہت گہری حرکت ہے تاہم حرکت زندگی نہیں ہے۔تم ایک قصبے سے دوسرے تک جا سکتے ہو اور تم پورے کرۂ ارض میں پھر سکتے ہو تاہم یہ حرکت زندگی نہیں ہے۔ زندگی دراصل ایک بہت نفیس حرکت ہے۔۔۔شعور کی ایک حالت سے دوسری کی طرف۔

جب لوگ جمود کا شکار ہو جاتے ہیں تو باہر کو سفر شروع کر دیتے ہیں۔ اب تو امریکی دنیا بھر میں سیاح مشہور ہو گئے ہیں۔ ایک امریکی دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک سفر کرتا ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکیوں کا شعور کہیں جمود کا شکار ہو گیا ہے اور اس بری طرح کہ اگر تم کسی ایک جگہ رہتے ہو تو محسوس کرتے ہو کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔ لہٰذا چل پڑو! ایک بیوی سے دوسری کی طرف چلو، ایک نوکری سے دوسری نوکری کی طرف چلو، ایک ہمسائیگی سے دوسری کی طرف چلو، ایک قصبے سے دوسرے کی طرف چلو۔۔۔ انسانی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا ہے۔ امریکہ میں ایک شخص کا ایک قصبے میں قیام کا اوسط وقت تین سال ہے، لوگ تین سال کے اندر اندر حرکت میں آ جاتے ہیں۔۔۔ اور یہ تو فقط اوسط ہے، ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر مہینے سفر پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ تبدیل کرتے رہتے ہیں ۔۔۔ لباس، کاریں، گھر، بیویاں، شوہر۔۔۔ ہر شے۔

میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ہالی ووڈ کی ایک اداکارہ اپنے نئے خاوند سے اپنے بچے کا تعارف کروا رہی تھی۔ وہ بولی ''اب، ملو اپنے نئے ابو سے۔''

بچہ بولا ''ہیلو، میں آپ سے مل کر خوش ہوا! کیا آپ میری وزیٹر بک میں دستخط کرنا پسند کریں گے؟''

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے نئے باپوں سے مل چکا تھا۔

ہر شے بدلنا پڑتی ہے محض یہ محسوس کرنے کے لئے کہ تم زندہ ہو۔ زندگی کی ایک مسلسل سرگرم تلاش۔ گو کہ زندگی ایک حرکت ہے، تاہم ایک جگہ سے دوسری جگہ تک نہیں، یہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف حرکت ہوتی ہے۔ یہ ایک شعور سے دوسرے شعور، ہستی کی اعلیٰ ترین سلطنت کی طرف گہری داخلی حرکت ہوتی ہے۔ بصورت دیگر تم مردہ ہو، جیسے تم ہو، تم تو مردہ ہو۔ لہٰذا عیسیٰؑ کہتے ہیں ''سنو!۔۔۔ اگر تم کان رکھتے ہو۔ دیکھو!۔۔۔ اگر تم آنکھیں رکھتے ہو'' پہلے تو یہ سمجھنا ہوگا، پھر یہ کہانی سہل ہو جائے گی۔

اب دوسری بات۔ تم اس قدر مردہ کیوں ہو؟ تم اس قدر گونگے، اندھے اور بہرے کیوں ہو؟ کچھ نہ کچھ ہے ضرور، اس میں ضرور کوئی سرمایہ کاری ہے ۔۔۔ بصورت دیگر بہت سے لوگ، ان میں سے لاکھوں، ایسی کسی حالت میں نہیں آ سکتے۔ یہ ضرور تمہیں کچھ ادا کر رہی ہے، تم ضرور اس میں سے کوئی شے پا رہے ہو ورنہ ایسا کیوں ہے بدھا اور کرشن اور عیسیٰؑ کہے چلے جا رہے ہیں ''اندھے مت بنو، بہرے مت بنو، گونگے مت بنو، مردہ مت بنو! زندہ ہوؤ! ہوشیار ہوؤ، جاگو!''۔۔۔ اور کوئی انہیں نہیں سنتا ہے۔ خواہ وہ دانش ورانہ انداز میں درخواست کریں تم کبھی انہیں نہیں سنتے ہو۔ خواہ تم زندگی کے ترفع پذیر لمحات میں محسوس کرتے ہو کہ وہ لوگ درست ہیں مگر تم ان کی پیروی نہیں کرتے ہو۔ خواہ بعض اوقات تم پیروی کا فیصلہ بھی کر لو تو تم کبھی ان کی پیروی نہیں کرتے ہو۔ خواہ بعض اوقات تم ان کی پیروی کا فیصلہ کر بھی لو تو ہمیشہ التوا میں ڈال دیتے ہو، کل پر ڈال دیتے ہو ۔۔۔ اور پھر وہ کل کبھی نہیں آتی ہے، اس میں گہری سرمایہ کاری ہے کیا؟

ابھی گزشتہ رات ہی میں ایک دوست سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ بہت پڑھا لکھا آدمی ہے، مہذب ہے۔۔۔ ساری دنیا کا سفر کر چکا ہے، سوویت یونین اور برطانیہ اور امریکہ میں رہ چکا ہے، چین میں اور جانے کہاں کہاں رہ چکا ہے۔ اسے سنتے ہوئے میں نے محسوس کیا وہ مکمل طور پر مردہ ہے! اور تب اس نے مجھ سے پوچھا ''تم کیا حل تجویز کرتے ہو؟ ۔۔۔ کیونکہ زندگی میں بہت سی دقتیں اور آزمائشیں ہیں، بہت

ناانصافیاں ہیں، بہت سی چیزیں ہیں جو تمہیں ایذا دیتی ہیں۔ کیونکر ایسی زندگی بسر کی جائے کہ ایذا نہ ہو، زندگی تمہاری ہستی میں بہت سے زخم تخلیق نہ کرے۔ کیا کرنا ہو گا؟"

پس میں نے اسے بتایا کہ دو راستے ہیں: ایک۔۔۔ جو آسان ہے مگر بہت گراں ہے۔۔۔ فرد کو مردہ ہونا پڑتا ہے، جس قدر ممکن ہو اتنا بے حس ہونا پڑتا ہے۔۔۔ کیونکہ اگر تم بے حس ہو، اگر تم نے ایک موٹا خول اوڑھ لیا ہے۔ تب تم زیادہ پریشان نہیں ہو گے، کوئی تمہیں ایذا نہیں دے سکے گا۔ کوئی تمہاری بے عزتی کرتا ہے مگر تم نے اس قدر موٹا خول اوڑھ رکھا ہے کہ یہ کبھی اثر انداز ہی نہیں ہو گی۔ ناانصافی تو ہے تاہم تم بس اس سے آگاہ ہی مت ہوؤ۔

یہ ہے تمہارے مردہ پن کا میکانزم۔۔۔ اگر تم زیادہ حساس ہو تو تم زیادہ ایذا پاؤ گے۔ تب ہر چھوٹی سی شے ایک درد میں ڈھل جائے گی۔ ایک اذیت میں اور ایسے زندہ رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ اور فرد کو جینا پڑتا ہے۔ مسائل درپیش ہوتے ہیں، اور لاکھوں مسائل درپیش ہوتے ہیں۔۔۔ ہر طرف تشدد ہے، ہر طرف دکھ ہیں۔ تم گلی سے گزرو تو وہاں فقیر ہوں گے، تمہیں بے حس ہونا پڑے گا بصورت دیگر یہ تو ابتلا بن جائے گی، تم پر ایک بارِ گراں ہو گا۔ یہ فقیر کیوں؟ اس ابتری میں جو یہ ہیں تو انہوں نے آخر کیا کیا تھا؟ اور اندر گہرائی میں تم محسوس کرو گے کہ "میں بھی ذمہ دار ہوں"۔ تم تو بس فقیر کے پاس سے یوں گزر جاؤ گے گویا گونگے، بہرے، اندھے ہو۔۔۔ تم نے دیکھا ہی نہیں۔

کیا تم نے کبھی کسی فقیر کو دیکھا ہے؟ ہو سکتا ہے تم نے کبھی کوئی فقیر دیکھا ہو، تاہم تم نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ تم کبھی اسے ملے نہیں ہو، تم کبھی اس کے ہمراہ بیٹھے نہیں ہو، تم نے کبھی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا ہے۔۔۔ یہ تو بہت ہو گا۔ لہٰذا کشادہ ہوؤ۔۔۔ خطرہ ہے۔ اور تمہیں سوچنا ہے اپنی بیوی کے بارے میں، نہ کہ اس فقیر کے بارے میں، تمہیں سوچنا ہے اپنے بچوں کے بارے میں۔۔۔ اور تم بے تعلق ہو جاتے ہو! لہٰذا جہاں کہیں کوئی فقیر ملے، غور سے دیکھو، تمہاری رفتار میں اضافہ ہو جاتا ہے، تم تیز تیز چلنے لگتے ہو اور اس کی طرف نہیں دیکھتے ہو۔ اگر تم حقیقت میں کسی فقیر

کی طرف دیکھتے ہو تو تمہیں زندگی کی ساری ناانصافی کا احساس ہو گا، تمہیں ساری ابتلا کا احساس ہو گا۔۔۔ اور یہ بہت ہو گا۔ اس کو برداشت کرنا ناممکن ہو گا، تمہیں کچھ کرنا ہو گا اور تم کر ہی کیا سکتے ہو؟ تم خود کو بہت بے بس محسوس کرو گے، تمہارے تو اپنے ہی بہت سے مسئلے ہیں، اور تمہیں ان کو بھی حل کرنا ہے۔

تم ایک مرتے ہوئے انسان کو دیکھتے ہو، تم کیا کر سکتے ہو؟ تم ایک بچے کو لنگڑاتے ہوئے دیکھتے ہو، کیا کر سکتے ہو تم؟ ابھی اگلے ہی روز ایک سنیاسن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ وہ بہت پریشان ہے کیونکہ جب وہ ایک سڑک کو عبور کر رہا تھا تو دیکھا کہ ایک کتا بس کے نیچے آ کر قریباً مر گیا ہے۔ وہ کتا پہلے ہی کچھ اچھی حالت میں نہیں تھا، اس کی دو ٹانگیں تو ضرور ہی پہلے سے کچلی ہوئی تھیں۔ صرف دو ٹانگوں کے ساتھ کتا زندہ رہنے کی سعی کر رہا تھا، کہ بس نے اس کو کچل دیا۔ سنیاسن کو بڑا ترس آیا۔ ہمدردی محسوس ہوئی، اس نے کتے کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔۔۔ اور تب اسے اس کی کمر میں ایک سوراخ اور اس میں بے شمار کیڑے دکھائی دیئے۔ وہ مدد کرنا چاہتا تھا، مگر کیسے مدد کرتا؟ اور وہ اس قدر پریشان ہوا کہ سو نہیں سکتا تھا، تاہم میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس کے ذہن میں ترکیب ابھری کہ کتے کو ہلاک کر دیا جائے کیونکہ اب تو فقط یہی ہو سکتا تھا۔ اس قدر کیڑوں کے ہوتے ہوئے کتا زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اور اس کی زندگی ابتلا زدہ ہو گی، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن ہلاک کرنا۔۔۔ کیا یہ ہنسا (تشدد) نہیں ہو گا؟ کیا یہ قتل نہیں ہو گا؟ کیا یہ کرم نہیں ہو گا؟ پر کیا ہو؟ تم مدد نہیں کر سکتے ہو، تو پھر بہترین طریقہ ہے کہ بے حس ہو جاؤ۔

یہاں تو ہر طرف کتے اور ٹرک ہیں اور سانحے رونما ہو رہے ہیں، تم اپنی راہ چلتے رہو، مت دیکھو ادھر ادھر۔ دیکھنا خطرناک ہے، پس تم اپنی آنکھیں سو فیصد استعمال نہیں کرتے ہو۔۔۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ لوگ صرف دو فیصد آنکھیں استعمال کرتے ہیں۔ تم اٹھانوے فیصد اپنی آنکھیں بند رکھتے ہو۔ تم اٹھانوے فیصد اپنے کان بند رکھتے ہو۔۔۔ جو کچھ اردگرد ہو رہا ہے تم اسے نہیں سنتے ہو۔ تم اٹھانوے فیصد زندہ نہیں ہو۔

کیا تم نے کبھی مشاہدہ کیا ہے کہ جب تم محبت کا رشتہ قائم کئے ہوئے ہوتے ہو تو

ہمیشہ کیونکر خوف محسوس کرتے ہو؟ دفعتاً ایک خوف غلبہ پا لیتا ہے کیونکہ جب کبھی تم کسی
سے محبت کرتے ہو تو اس کے واسطے خود کو تیاگ دیتے ہو۔ اور دوسرے کے سامنے خود کو
تیاگنا خطرناک ہوتا ہے کیونکہ دوسرا تمہیں زخم دے سکتا ہے۔ تمہاری حفاظت ختم ہو گئی
ہے۔ تمہارے پاس کوئی ڈھال نہیں ہے۔ جب کبھی تم محبت کرتے ہو تم کشادہ اور مہیا
ہوتے ہو اور کون جانتا ہے کہ دوسرے پر کیونکر یقین کیا جائے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ
دوسرا ایک اجنبی ہوتا ہے۔ تم دوسرے کو ہوسکتا ہے کئی برسوں سے جانتے ہو تاہم اس
سے فرق نہیں پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ تم تو اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے ہو تو بھلا دوسرے کو تم
کیونکر جان سکتے ہو؟ دوسرا تو ایک اجنبی ہے۔ اور دوسرے کو اپنی زندگی میں داخل ہونے
کی اجازت دینے کا مطلب ہوتا ہے اسے تم کو اذیت دینے کی اجازت دینا۔

لوگ محبت سے خوفزدہ ہو چکے ہیں۔ محبوبہ رکھنے سے تو بہتر ہے کہ بندہ طوائف
کے پاس چلا جائے۔ ایک محبوبہ سے تو بہتر ہے کہ انسان شادی کرلے کیونکہ بیوی ایک
ادارہ ہوتی ہے۔ تمہاری بیوی تمہیں اذیت نہیں پہنچا سکتی ہے کیونکہ تمہیں اس سے محبت
نہیں ہوتی ہے۔ یہ متعینہ ہوتی ہے، تمہاری ماں یا باپ نے یا نجومی نے۔۔۔ ہر کوئی اس
میں ملوث ہوتا ہے سوائے تمہارے۔ بہت کچھ شامل نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک اہتمام ہوتی
ہے، ایک سماجی اہتمام۔ بہت کچھ اس میں شامل ہی نہیں ہوتا۔ تم اس کی دیکھ ریکھ کرتے
ہو، اس کے لئے غذا کا اہتمام کرتے ہو، وہ بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ یہ ایک
اہتمام ہوتا ہے، ایک بیوپار کی سی شے۔ محبت خطرناک ہوتی ہے، یہ بیوپار نہیں ہوتی
ہے۔ یہ سودے بازی نہیں ہوتی ہے۔ محبت میں تم دوسرے کو اختیار سونپ دیتے ہو، تم پر
مکمل اختیار۔ خوف: دوسرا تو اجنبی ہے اور کون جانتا ہے۔۔۔؟

جب کبھی تم دوسرے پر بھروسہ کرتے ہو، خوف گرفت کر لیتا ہے۔

لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں ''ہم آپ کے سامنے خود کو تیاگتے ہیں''
تاہم میں جانتا ہوں وہ ایسا نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ قریباً ناممکن ہے۔ انہوں نے کبھی محبت
نہیں کی ہے، وہ کیونکر تیاگ سکتے ہیں؟ وہ یہ جانے بغیر کلام کرتے ہیں وہ کہہ کیا رہے
ہیں۔ وہ قریباً خوابیدہ ہیں۔ وہ اسی نیند میں ہی بول رہے ہوتے ہیں۔ انہیں مفہوم کی

آگاہی نہیں ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تیاگنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں کہوں
''پہاڑ کی چوٹی پر جاؤ اور چھلانگ لگا دو!'' تم انکار نہیں کر سکتے۔ تیاگ کا مطلب ہوتا
ہے مکمل طور پر دوسرے کو اختیار سونپ دینا، تم کیونکر اختیار دے سکتے ہو؟

تیاگ بالکل محبت کے جیسا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں کہتا صرف محبت کرنے
والے ہی سنیاسن بن سکتے ہیں۔۔۔ کیونکہ وہ تھوڑا سا جانتے ہیں کہ تیاگ کیونکر کرنا ہوتا
ہے۔

محبت الوہیت کی طرف پہلا قدم ہے، تیاگ آخری۔ اور دو قدم
ہی کل سفر ہیں۔

لیکن تم خوف زدہ ہو۔ تم اپنی زندگی پر اپنی ہی گرفت پسند کرتے ہو۔ نہ صرف یہ
بلکہ تم دوسرے کی زندگی پر بھی گرفت کرنا پسند کرتے ہو۔ لہٰذا میاں بیوی اور محبت کرنے
والوں میں مسلسل و متواتر جھگڑا جاری ہے۔۔۔ مستقل جھگڑا، کشمکش۔ یہ کشمکش کیسی ہے؟
کشمکش یہ ہے کہ کون کس پر غلبہ رکھتا ہے؟ کون کس کا مالک ہے؟ سب سے پہلے تو یہ
طے ہونا ہے۔ یہ تیاگ نہیں ہے، یہ تو تسلط ہے۔۔۔ محض متضاد۔ جب کبھی تم کسی سے
محبت نہیں کرتے ہو تو کوئی خوف نہیں ابھرتا ہے۔ جب کبھی تم کسی سے محبت کرتے ہو تو
خوف جنم لیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت میں تم تیاگ اپناتے ہو اور تم دوسرے کو مکمل
اختیار سونپ دیتے ہو۔ اب دوسرا اذیت دے سکتا ہے، زخما سکتا ہے، دوسرا رد کر سکتا
ہے، دوسرا کہہ سکتا ہے، ناں، یہی وجہ ہے کہ تم صرف دو فیصد زندہ رہتے ہو سو فیصد
نہیں۔

تم اٹھانوے فی صد مردہ ہو، بے حس۔ اور بے حسی، مردہ پن کو
معاشرہ بہت تعظیم دیتا ہے۔ جتنے تم بے حس ہو گے اتنا ہی معاشرہ
تمہاری قدر کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ لوک مانیہ تلک کی زندگی میں ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔ لوک
مانیہ تلک ہندوستان کے عظیم ترین لیڈروں میں سے ایک ہیں۔ وہ پونا میں رہا کرتے
تھے، بالکل اسی قصبے میں اور گاندھی کے منظر پر چھا جانے سے قبل وہی ہندوستان میں

سب سے نمایاں فرد تھے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ نظم وضبط کے آدمی تھے، اور ''نظم وضبط کے آدمی ہمیشہ مردہ ہوتے ہیں'' کیونکہ نظم وضبط اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے آپ کو کیونکر مردہ کرنا ہے۔ ان کی بیوی فوت ہوگئی، وہ اپنے اخبار ''کیسری'' کے دفتر میں نشست آراء تھے کہ کسی نے آ کر بتایا ''آپ کی بیوی فوت ہو گئی ہے، گھر جائیے!'' یہ سن کر انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا اور بولے ''مگر ابھی وقت نہیں ہوا۔ میں اپنے دفتر سے ٹھیک پانچ بجے ہی نکلا کرتا ہوں۔''

اس سارے معاملے پر غور کرو۔ کس قسم کی محبت، کس نوع کا تعلق خاطر، کس طرح کا احساس تحفظ وشرکت تھا وہ؟ اس انسان کو فقط اپنے کام کی پرواتھی، وہ آدمی صرف وقت کی قدر جانتا تھا، اسے محبت کی کوئی قدر نہیں تھی۔ بظاہر یہ ناممکن دکھائی پڑتا ہے کہ کوئی شخص کہے کہ تمہاری بیوی فوت ہوگئی ہے اور تم گھڑی کو دیکھو اور پھر کہو ''ابھی وقت نہیں ہوا ہے۔ میں پانچ بجے ہی دفتر سے نکلا کرتا ہوں۔'' اور حیرتوں کی حیرت تو یہ ہے کہ اس کے تمام سوانح نگاروں نے اس واقعے کو بے حد سراہا ہے۔ وہ کہتے ہیں ''یہ ملک کے لئے ایثار (ڈیووشن) تھا! ایسا نظم وضبط والا آدمی کیونکر کوئی اور ہوسکتا ہے؟'' وہ سوچتے ہیں کہ یہ بے غرضی ہے۔ یہ بے غرضی نہیں ہے، یہ ایثار نہیں ہے۔ یہ تو محض مردہ پن ہے، ایک بے حسی ہے۔ اور جو شخص جو اپنی بیوی کے لئے بے حس ہو وہ کیونکر سارے ملک کے لئے حساس ہوسکتا ہے؟ ناممکن۔

> یادرکھو، اگر تم ایک انسان سے محبت نہیں کر سکتے تو پوری انسانیت سے محبت نہیں کر سکتے۔ یہ ایک چال تو ہوسکتی ہے۔ جو لوگ لوگوں سے محبت نہیں کر سکتے ۔۔۔ کیونکہ کسی شخص سے محبت کرنا بہت خطرناک ہوتا ہے ۔۔۔ وہ لوگ ہمیشہ سوچتے ہیں کہ ہم انسانیت سے محبت کرتے ہیں۔ انسانیت کہاں ہے؟ کیا تم اسے کہیں پا سکتے ہو؟ یہ تو محض ایک لفظ ہے۔ انسانیت کہیں وجود نہیں رکھتی ہے۔ جہاں کہیں تم جاؤ گے تمہیں کوئی شخص موجود ملے گا۔ زندگی لوگ ہیں، انسانیت نہیں۔ زندگی ہمیشہ مجسم ہوتی ہے، یہ ایک فرد

> کے بطور وجود رکھتی ہے۔ معاشرہ، ملک، انسانیت سب محض الفاظ ہیں۔ معاشرہ کہاں ہے؟ ملک، مادرِ وطن کہاں ہے؟ تم ایک ماں سے تو محبت کر نہیں سکتے تو ماں دھرتی سے کیوں کر محبت کر سکتے ہو؟ تم ضرور دھوکے بازی کر رہے ہو۔ تاہم لفظ خوبصورت ہے۔ اچھا ہے ۔۔۔ مادرِ وطن، ماں دھرتی۔ تمہیں ماں دھرتی کے متعلق فکر مند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ماں دھرتی کوئی شخص نہیں ہے، یہ تو تمہارے ذہن میں ایک تصور ہے۔ یہ تمہاری اپنی انا ہے۔

تم انسانیت سے محبت کر سکتے ہو، تم ماں دھرتی سے محبت کر سکتے ہو، تم معاشرے سے محبت کر سکتے ہو اور تم ایک شخص سے محبت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ۔۔۔ کیونکہ شخص دشواریاں پیدا کرتا ہے۔ معاشرہ کبھی کوئی دشواری پیدا نہیں کرتا کیونکہ یہ محض لفظ ہے۔ تمہیں اس کے سامنے تیا گنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تم لفظ پر تسلط قائم کر سکتے ہو، تصور پر غالب آ سکتے ہو، تاہم تم کسی شخص پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ حتیٰ کہ ایک ننھے بچے کے معاملے میں بھی ایسا ناممکن ہوتا ہے، تم اس پر تسلط قائم نہیں کر سکتے ہو کیونکہ اس کی اپنی انا ہوتی ہے، اس کا اپنا ذہن ہوتا ہے، اس کے اپنے راستے ہوتے ہیں۔ زندگی پر تسلط قائم کرنا قریباً ناممکن ہوتا ہے تاہم الفاظ پر آسانی سے غلبہ پایا جا سکتا ہے ۔۔۔ کیونکہ یہاں تم تنہا ہوتے ہو۔

> جو لوگ ایک شخص سے محبت نہیں کر سکتے ہیں وہ خدا سے محبت شروع کر دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ کر کیا رہے ہوتے ہیں۔ ایک شخص سے بات کرنا، ایک شخص کو قائل کرنا مشکل امر ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہنر درکار ہوتا ہے، اس کے لئے بہت محبت والے دل کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لئے بہت آگاہ دل کی حاجت ہوتی ہے۔ صرف تبھی تم کسی شخص کو چھو سکتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو چھونا ایک بہت خطرناک اکھاڑے

(ایرینا) میں اترنے کے جیسا ہوتا ہے۔۔۔ زندگی بھی وہاں مرتعش ہوتی ہے۔ اور ہر شخص اس قدر منفرد ہے کہ تم اس اعتبار سے مکینکل نہیں ہو سکتے ہو۔ تمہیں بہت چوکس اور ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ تم کو بہت زیادہ حساس بننا پڑتا ہے اگر تم کسی سے محبت کر رہے ہو تو، فقط تبھی سمجھ (انڈرسٹینڈنگ) طلوع ہوتی ہے۔

مگر خدا سے محبت کرنا، جو کہیں آسمانوں پر بیٹھا ہوا ہے، تو ایک خود کلامی ہے۔ گرجا گھروں کو جاؤ۔۔۔ لوگ گفتگو کر رہے ہوتے ہیں، کسی سے بھی نہیں۔ وہ اتنے ہی پاگل ہوتے ہیں جتنے پاگل تم کسی پاگل خانے میں پاؤ گے تاہم ان کا پاگل پن معاشرے کی قبولیت پاتا ہے اور اس پاگل پن کو معاشرہ قبول نہیں کرتا، بس یہی فرق ہوتا ہے۔ کسی پاگل خانے جاؤ، تمہیں لوگ اکیلے میں باتیں کرتے دکھائی دیں گے، کوئی وہاں نہیں ہو گا۔ وہ باتیں کرتے ہیں، اور نہ صرف وہ کچھ کہتے ہیں بلکہ جواب بھی دیتے ہیں۔ وہ بظاہر مکالمہ کرتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ جبکہ یہ تو خود کلامی ہوتی ہے۔ پھر گرجاؤں اور مندروں کو جاؤ، وہاں لوگ خدا سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک خود کلامی ہی ہوتی ہے، اور اگر وہ حقیقتاً پاگل ہو جاتے ہیں تو وہ دونوں چیزیں کرنے لگتے ہیں کہ وہ کوئی بات کرتے ہیں اور خود ہی اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ خدا جواب دے رہا ہے۔

تم اس وقت تک ایسا نہیں کر سکتے ہو جب تک تم کسی ایک شخص سے محبت کرنا نہیں سیکھتے ہو۔ اگر تم ایک شخص سے محبت کرتے ہو تو رفتہ رفتہ وہ شخص کُل کا دروازہ بن جاتا ہے۔ تاہم کسی کو ایک شخص سے شروعات کرنا پڑتی ہے، جزو سے۔ تم چھلانگ نہیں لگا سکتے ہو۔ گنگا سمندر میں چھلانگ نہیں لگاتی ہے، اسے گنگوتری سے شروعات کرنا پڑتی ہے، محض ایک چھوٹی سی ندی، تب وسیع سے وسیع تر اور بڑے سے بڑا یہ ہوتی جاتی ہے، اور آخر کار یہ سمندر سے مل جاتی ہے۔

گنگا، محبت کی گنگا کو بھی ایک چھوٹی سی ندیا ہی کے مانند شروعات کرنا پڑتی ہے، لوگوں کے ساتھ، تب یہ بڑے سے بڑی ہوتی

جاتی ہے۔ ایک بار تم اس کی خوبصورتی سے آگاہ ہو جاؤ، تیاگ کی خوبصورتی سے، عدم تحفظ کی خوبصورتی سے، جو کچھ زندگی دیتی ہے اس کے سامنے کشادہ ہونے کی خوبصورتی سے۔۔۔ خوشی اور غم ہر دو سے۔۔۔ تب تم عظیم سے عظیم تر اور وسیع تر ہو جاؤ گے اور شعور آخر کار ایک سمندر میں مبدل ہو جائے گا۔ تب تم خدا میں جا ملو گے، الوہیت میں مدغم ہو جاؤ گے۔ لیکن خوف کی وجہ سے تم بے حسی پیدا کر لیتے ہو۔۔۔ اور معاشرہ اسے قبول کر لیتا ہے۔ معاشرہ تم سے بہت زیادہ زندہ ہونے کی خواہش نہیں کرتا ہے کیونکہ زندہ لوگ باغی ہوتے ہیں۔

کسی چھوٹے بچے کا مشاہدہ کرو۔ اگر وہ حقیقتاً زندہ ہے تو وہ باغی ہو گا، وہ اپنا راستہ خود نکالنے کی کوشش کرے گا۔ تاہم اگر وہ ایک گونگا، فاتر العقل ہے، احمق ہے اور اس کی نشوونما کسی مقام پر رک گئی ہے تو وہ ایک کونے میں فرماں برداری کے ساتھ بیٹھا رہتا ہے۔ تم اسے جانے کا کہو تو وہ چلا جائے گا۔ تم اسے کھڑا ہونے کا کہو تو وہ کھڑا ہو جائے گا۔ وہ مکمل طور پر فرماں بردار ہے کیونکہ اس کی اپنی کوئی شخصیت نہیں ہے۔ معاشرہ، خاندان، والدین اس بچے کو پسند کریں گے۔ وہ کہیں گے "دیکھو، یہ کتنا فرماں بردار ہے۔"

فرمانبرداری ایک خاص نوع کا گونگا پن ہوتی ہے جبکہ نافرمانبرداری ایک تیز ذہانت کی حامل ہوتی ہے۔ تاہم فرمانبرداری کی تعظیم ہوتی ہے کیونکہ فرمانبرداری سے کم دشواری پیدا ہوتی ہے۔ بہر کیف یہ درست ہے۔۔۔ نافرمانبرداری دشواری پیدا کرتی ہے۔ تم ایک مردہ بچے کو پسند کرو گے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کوئی دشواری پیدا نہیں کرے گا۔ تم کسی زندہ بچے کو پسند نہیں کرو گے۔۔۔ جتنا زیادہ زندہ اتنا زیادہ خطرہ۔

والدین، معاشرہ، سکول، سب کے سب فرمانبرداری کرواتے ہیں، وہ تمہیں کند بنا دیتے ہیں، اور تب وہ ایسے لوگوں کا احترام کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ زندگی میں تم ایسے لوگ دیکھتے ہو

جو سکولوں، یونیورسٹیوں میں اول آتے ہیں، زندگی میں وہ فقط
رائیگانی کا شکار ہوتے ہیں۔ تم انہیں زندگی میں کبھی نہیں پا سکتے
ہو، کہاں چلے جاتے ہیں وہ۔۔۔ وہ سکول میں خود کو بہت قابل
ثابت کرتے ہیں، تاہم زندگی میں جانے کہاں وہ کھو جاتے ہیں۔
ایسا دکھائی پڑتا ہے کہ سکول کے طریقے زندگی کے اطوار سے
مختلف ہوتے ہیں۔ زندگی زندہ لوگوں سے محبت کرتی ہے۔۔۔
جتنے زیادہ زندہ، اتنے باغی، ایسے لوگ جن کا اپنا شعور ہوتا ہے،
ہستی ہوتی ہے اور شخصیت ہوتی ہے، وہ لوگ جو اپنے ہی طور
اطوار کے حامل ہوتے ہیں، وہ لوگ جو مردہ نہیں ہوتے ہیں۔
سکول اس کے الٹ کو ترجیح دیتے ہیں۔ گونگے، بہرے اور
اندھے بننے میں سارا معاشرہ تمہارا ساتھ دیتا ہے۔

مندروں میں تمہیں مردہ لوگ پجاریوں کے روپ میں پوجا کرتے ہوئے ملیں
گے۔ بنارس جاؤ، وہاں لوگ تمہیں کانٹوں کے بستر پر لیٹے ہوئے ملیں گے۔۔۔ اور ان
کی دیوتاؤں کے مثل پوجا کی جاتی ہے۔ اور انہوں نے حاصل کیا کیا ہوتا ہے؟ اگر تم
ان کے چہروں کو بغور دیکھو تو ان سے زیادہ احمقانہ چہرا تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ
شخص جو کانٹوں کے بستر پر لیٹا ہوا ہے احمق ہی ہو سکتا ہے۔ زندگی کی اس روش کو منتخب
کرنے والے کو احمق ہی ہونا چاہیے۔ اور پھر وہ کیا کرے گا، کانٹوں کے بستر پر لیٹے
ہوئے وہ کرے گا کیا؟ اس نے اپنے سارے بدن کو بے حس بنا لیا ہے۔ یہی واحد
طریقہ ہے جس کے ذریعے کانٹوں کی چبھن محسوس نہیں کرے گا۔ رفتہ رفتہ وہ موٹی کھال
والا ہوتا جاتا ہے۔ وہ ایک چٹان بن جاتا ہے، مکمل طور پر مردہ۔ اور سارا معاشرہ اس کی
پرستش کرتا ہے۔ وہ ایک مجذوب ہے، اس نے کوئی شے حاصل کر لی ہے۔ کیا حاصل کر
لیا ہے اس نے؟ اس نے تم سے زیادہ مردہ پن حاصل کر لیا ہے۔ اب کانٹوں کی کوئی فکر
نہیں کیونکہ جسم تو مردہ ہو چکا ہے۔

ہو سکتا ہے تمہیں علم نہ ہو تاہم اگر کسی فزیالوجسٹ سے دریافت کرو تو وہ تمہیں

بتائے گا کہ جسم میں پیشتر ہی کئی حصے مردہ ہوتے ہیں۔ تمہاری کمر پر بہت سے مردہ حصے
ہوتے ہیں۔ تم اپنے کسی دوست کو، یا بیوی کو، یا شوہر کو سوئی پکڑاؤ اور اسے کہو کہ اسے
تمہاری کمر میں کئی مقامات پر چبھوئے، کئی مقامات پر تمہیں چبھن محسوس ہو گی اور کئی پر
نہیں ہو گی۔ کچھ مقامات پہلے ہی مردہ ہوتے ہیں، لہٰذا جب سوئی ان میں داخل کی جاتی
ہے تو تمہیں محسوس نہیں ہوتا ہے۔ وہ لوگ، انہوں نے بس واحد کام یہ کیا ہے کہ اپنے
سارے ہی بدن کو مردہ بنا لیا ہے۔ لیکن یہ ارتقا نہیں، زوال ہے، پستی ہے۔ وہ الوہی
سے زیادہ مادی ہو گئے ہیں کیونکہ الوہی ہونے کا مطلب ہوتا ہے کاملاً حساس ہونا، کاملاً
زندہ ہونا۔

لہٰذا میں نے اس شخص کو بتایا کہ ایک راستہ ہے مردہ ہونے کا۔ یہ آسان تر ہے،
یہ وہ ہے جس پر ہر کوئی گامزن ہے۔ لوگ درجوں میں مختلف ہوتے ہیں، لیکن اپنے
اپنے طور پر وہ یہی کچھ کر رہے ہوتے ہیں۔

تم اپنی بیوی سے خائف گھر لوٹتے ہو، تم بہرے بن جاتے ہو، جو کچھ وہ کہتی ہے
تم نہیں سنتے ہو۔ تم اخبار پڑھنے لگتے ہو اور اخبار کو یوں پکڑتے ہو کہ وہ دکھائی نہیں
دیتی ہے۔ اور جب اس کا رونا چلانا ناقابل برداشت ہو جاتا ہے تب تم اس کی طرف
دیکھتے ہو اور یہ غصے کی نگاہ ہوتی ہے۔

سارا معاملہ انتخاب کا ہے۔ اگر تم مصیبت سہنا انتخاب نہیں کرتے ہو تو تمہیں
مسرت بھی حاصل نہیں ہو گی کیونکہ یہ دونوں ایک ہی دروازے سے آتی ہیں، مسئلہ تو
یہی ہے۔ تم دشمن کے خوف سے اپنے دروازے بند کر سکتے ہو تاہم دوست نے بھی تو
اسی دروازے سے آنا ہے۔ اور اگر تم اسے مکمل طور پر تالا ڈال دیتے ہو، دشمن سے بے
انتہا خوف زدہ ہو کر راستہ مکمل طور پر روک دیتے ہو تو دوست بھی داخل نہیں ہو پائے
گا۔ خدا تم تک نہیں آ رہا، تمہارے دروازے جو بند ہیں۔ ہو سکتا ہے تم نے انہیں
شیطان پر بند کیا ہوا ہو تاہم جب دروازے بند ہو جاتے ہیں تو پھر بند ہی ہو جاتے
ہیں۔ اور جو کوئی الوہیت سے ملاپ کا خواہش مند ہے، اسے شیطان سے ضرور ملنا ہوتا
ہے۔ تم کسی ایک کا انتخاب نہیں کر سکتے، تمہیں دونوں سے ملنا ہو گا۔

اگر تم زندہ ہو تو موت تمہارے لئے ایک عظیم مظہر ہو گی۔ اگر تم کاملاً جیتے ہو تو تم کاملاً مرو گے، اگر تم دو فی صد جیتے ہو تو تم دو فی صد مرو گے۔ جیسی زندگی ویسی ہی موت ہو گی۔ اگر دروازہ خدا کے لئے کھلا ہے تو شیطان پہلے اندر داخل ہوتا ہے۔ شیطان کو عجلت ہوتی ہے۔ خدا کو کوئی عجلت نہیں ہوتی۔

جب تم الوہیت کو پاتے ہو تو شیطان تمہیں ضرور بہکاتا ہے۔ اور بہکانے کے لئے شیطان صحیفوں کو پڑھتا ہے۔ شیطان کو سارے صحیفے زبانی یاد ہوتے ہیں۔

یاد رکھو، شیطان کبھی کسی جینٹل مین کی طرح برتاؤ نہیں کرتا ہے، وہ ایک لیڈی کے مانند برتاؤ کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ قطار میں پہلا ہوتا ہے۔ اور خدا ایک جینٹل مین ہے۔ اس کے لئے قطار میں پہلا ہونا دشوار ہے اور جس لمحے تم دروازہ کھولتے ہو شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے خوف کے باعث تم بند ہی رہتے ہو۔ تاہم اگر شیطان داخل نہیں ہو گا تو خدا بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تم مہیا ہوتے ہو تو دونوں کے لئے، خدا اور شیطان دونوں کے لیے مہیا ہوتے ہو۔ روشنی اور اندھیرے، زندگی اور موت، محبت اور نفرت۔۔۔ تم دونوں متخالفین کے لئے مہیا ہوتے ہو۔

کشادہ ہونے کے لئے جرأت کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ اذیت
سہنے کی جرأت۔ کیونکہ مسرت صرف تبھی ممکن الحصول ہے۔

تعلیم جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ تمہاری ساری تعلیم تمہیں صرف اس قابل بناتی ہے کہ تم صورت حال پر پریشان ہوؤ۔ تم سمجھتے ہو کہ تم ہو تو پریشانیاں ہیں۔ حالانکہ تم نہ بھی ہوتے تو پریشانیوں نے ہونا ہی تھا۔ تعلیم تمہیں یہی سکھاتی ہے: پریشان ہونا۔ میرا اپنا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ لوگ دوسروں کے بارے میں زیادہ فکر مند رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص میرے پاس بالکل یہی سوال لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا "ہم تمہیں سن سکتے ہیں لیکن ان کے لئے کیا ہے جو تمہیں سننے نہیں آ سکتے، کیا کیا جائے؟ ہم تمہیں پڑھ سکتے ہیں، تاہم ان کے لیے کیا جو تمہیں پڑھ نہیں سکتے؟"

یہ سوال بظاہر متعلق نظر آتے ہیں تاہم یہ کاملاً غیر متعلق ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ اور اگر تم اسی طور پریشان ہوتے ہو تو پھر تم کبھی صاحب

بصیرت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جو شخص دوسروں پر اپنی توانائیاں ضائع کرتا پھرتا ہے کبھی خود کو نہیں دیکھتا ہے۔ یہ ذہن کی خود سے فرار کی ایک چال ہے۔۔۔ تم دوسروں کے بارے میں سوچتے چلے جا رہے ہو اور بھلا محسوس کرتے ہو کیونکہ تم دوسروں کے لئے جو فکر مند ہو۔ تم ایک عظیم سماجی مصلح ہو یا انقلابی یا ایک یوٹوپیئن، معاشرے کے ایک عظیم خادم۔۔۔ لیکن تم کر کیا رہے ہو؟ تم تو فقط بنیادی مسئلے سے گریز کر رہے ہو: یہ تو تم ہو جس کے ساتھ تمہیں کچھ کرنا چاہیے۔

سارے معاشرے کو فراموش کر دو، اور صرف تبھی تم اپنے لئے کچھ
کر پاؤ گے، اور جب تم خود محفوظ ہو تو دوسروں کو محفوظ کرنا شروع
کر دو گے۔ لیکن اس سے پہلے، براہِ مہربانی سوچنا بھی نہیں۔۔۔
یہ ناممکن ہے۔ اس سے قبل کہ تم خود صحت یاب ہو تم دوسرے کے
دردِ دل کا مداوا نہیں کر سکتے۔ ناممکن۔۔۔ صرف اور صرف ایک
شمع فروزاں ہی دوسروں کے کام آ سکتی ہے۔ پہلے ایک فروزاں
شمع بنو۔۔۔ یہ ہے نکتہ اولین۔

کوئی شدید ترین فعالیت ہی تمہارے کام آ سکتی ہے۔ غیر فعال، تم فقط ذہن کے اندر مٹرگشت کر سکتے ہو۔ اور ان کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ خواب اور خیالات: کوئی حد نہیں ہوتی ان کی۔ یہ لامختتم حد تک چلے جاتے ہیں۔

کبیر نے کہا تھا: دنیا میں دو چیزیں لامتناہی ہیں۔۔۔ ایک ہے جہالت اور دوسری خدا۔ دو چیزیں لامختتم ہیں۔۔۔ خدا لامختتم ہے، اور جہالت لامختتم۔ تم کوئی منتر جاپے چلے جا سکتے ہو لیکن یہ کسی کام کا نہیں ہو گا جب تک کہ تمہاری پوری زندگی ایک منتر میں مبدل نہیں ہو جاتی ہے، جب تک تم کاملاً اس میں شمولیت اختیار نہیں کر لیتے ہو۔۔۔ نہ کوئی واپسی، نہ کوئی تقسیم۔

ذہن وقت کا محتاج ہے۔ سوچ وقت کی محتاج ہے۔ جب کوئی تمہیں ڈنڈا مارتا ہے یا اچانک راستے میں تمہیں سانپ نظر آتا ہے تو تم چھلانگ لگا دیتے ہو! تم اس کے متعلق غور و فکر نہیں کرتے ہو، تم کوئی منطقی صغریٰ کبریٰ نہیں بناتے ہو، تم نہیں کہتے ہو کہ

''یہاں ایک سانپ ہے، سانپ زہریلا ہوتا ہے، موت ممکن ہے، مجھے ضرور چھلانگ لگانی ہوگی''۔ تم وہاں ارسطو کی پیروی نہیں کرتے ہو۔ تم سب ارسطو ورسطو پرے دھکیلتے ہو اور۔۔۔ جست لگاتے ہو! تم پروا نہیں کرتے کہ ارسطو کیا کہتا ہے، تم غیر منطقی ہوتے ہو۔ لیکن جب کبھی تم غیر منطقی ہوتے ہو تم کامل ہوتے ہو۔

دوسروں کے متعلق مت سوچو۔ سب سے پہلے اپنے مسائل حل کرو پھر تم دوسروں کے کام آنے کی اہلیت رکھو گے۔ اور کوئی شخص کسی کے کام نہیں آ سکتا جب تک خود صاحبِ بصیرت نہ ہو۔

☆☆☆☆